

بِعَوْنِ صَنَائِعِ مَدِیْنِ وِ مَکَّانِ وَ بِفَضْلِ خَلَاقِ زِیْنِ بَانِ

۲۰

اُردو کا کلاسیکی ادب
مقالاتِ سرسید

حصہ ششم
تاریخی مضامین

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲ ننگہ داس گارڈن لاہور
کلب روڈ

مقالات سرسید حصہ ششم

جملہ حقوق محفوظ

طبع دوم : نومبر ۱۹۹۰ع

تعداد : ۱۱۰۰

لاشر : احمد ندیم قاسمی
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور
مطبع : مکتبہ جدید پریس ، ریلوے روڈ ، لاہور
طابع : رشید احمد چودھری
قیمت : ۱۰۰ روپے

فہرس

حصہ ششم تاریخی مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	۱- تہذیب اور آس کی تاریخ اور افعال انسانی کے باقاعدہ ہونے کا ثبوت - - - - -	۱
۳۸	۲- کالڈیا کی نظم میں طوفان کا ذکر - - - - -	
۵۲	۳- قوم نوح کے مذہبی حالات کی تحقیق - - - - -	
۵۹	۴- ذی القرنین کا وجود تاریخ کی روشنی میں - - - - -	
۱۰۶	۵- عرب کے بتوں کے نام اور ان کے حالات - - - - -	
۱۲۱	۶- عقیدہ آمد مہدی آخر الزماں کا واقعاتی اور تاریخی پہلو - - - - -	
۱۵۹	۷- اسلامی سلطنت کا زوال - - - - -	
۱۶۶	۸- سلسلۃ الملوک - - - - -	
۲۳۲	۹- مسلمانان یارقند - - - - -	
۲۶۳	۱۰- ایتھی نیم کلب لندن - - - - -	
۲۷۲	۱۱- تاریخ سرکشی ضلع بجنور - - - - -	

تہذیب اور اُس کی تاریخ اور افعالِ انسانی کے باقاعدہ ہونے کا ثبوت

تہذیب الاخلاق جلد ۵ نمبر ۱۳ بابت یکم شوال ۱۲۹۱ھ کے پرچے میں سرسید نے ہنری ٹامس بکل کی مشہور عالم کتاب ”ہسٹری آف سولیزیشن“ کے ایک اہم حصے کا اردو ترجمہ شائع کیا اور اس پر اپنے قلم سے ایک بہت مفید تمہید لکھی۔ ذیل میں سرسید کی تمہید مع اصل مضمون کے درج کی جاتی ہے، کیونکہ محض تمہید کو پڑھ کر کچھ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اصل مضمون کا ترجمہ بھی ساتھ نہ ہو۔

(شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

ہم دریافت کیا چاہتے ہیں کہ سولیزیشن کیا چیز ہے اور کن کن چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے۔ کیا یہ کوئی بنائی ہوئی چیز ہے، یا قدرت نے انسان کی فطرت میں اس کو پیدا کیا ہے، اس کے معنی کیا ہیں۔ کیا یہ کوئی اصطلاح ہے جس کو لوگوں نے یا فیلسوفوں نے مقرر کیا ہے یا یہ ایسی چیز ہے کہ اس کا مفہوم اور جن جن چیزوں سے اس کا تعلق ہے، قانون قدرت میں پایا جاتا ہے؟ اس امر کے تصفیے کے لیے انسان کے حالات پر ہم کو نظر کرنی چاہیے۔ اگر تہذیب انسان میں ایک فطری چیز

ہے تو وحشیوں میں ، شہریوں میں ، سب میں اس کا نشان ملے گا ، گو اُس کی صورتیں مختلف دکھائی دیتی ہوں ، الا سب کی جڑ ایک ہی ہوگی ۔

انسان میں یہ ایک فطرقی بات ہے کہ وہ اپنے خیال کے موافق کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور کسی کو ناپسند ، یا یوں کہو کہ کسی چیز کو اچھا ٹھہراتا ہے اور کسی چیز کو برا ۔ اور اُس کی طبیعت اس طرف مائل ہے کہ اُس بری چیز کی حالت کو ایسی حالت سے تبدیل کر لے جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے ۔ یہی چیز سولزیشن کی جڑ ہے جو انسانوں کے ہر گروہ میں اور ہر ایک میں پائی جاتی ہے ۔ اسی تبادلے کا نام سولزیشن یا تہذیب ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ یہ میلان یا یہ خواہش تبادلہ انسان میں قدرتی اور فطرقی ہے ۔

سولزیشن یا تہذیب کی طرف انسان کی طبیعت کے مائل ہونے کے دو اصول ٹھہرے ، اچھا اور برا ، اور برے کو اچھا کرنا سولزیشن یا تہذیب ٹھہری ، مگر اچھا اور برا قرار دینے کے مختلف اسباب خلقی اور خلّقی ، ملکی اور تمدنی ایسے ہوتے ہیں جن کے سبب اچھا اور برا ٹھہرانے میں ، یا یوں کہو کہ قوموں کی سولزیشن میں اختلاف پڑ جاتا ہے ۔ ایک قوم جس بات کو اچھا سمجھتی ہے اور داخل تہذیب جانتی ہے دوسری قوم اُسی بات کو بہت برا اور وحشیانہ حرکت قرار دیتی ہے ۔ یہ اختلاف سولزیشن کا قوموں کے باہم ہوتا ہے ، اشخاص میں نہیں ہوتا یا بہت ہی کم ہوتا ہے ۔ جبکہ ایک گروہ انسانوں کا کسی جگہ اکٹھا ہو کر بستا ہے تو اکثر اُن کی ضرورتیں اور اُن کی حاجتیں ، ان کی غذائیں اور ان کی پوشاکیں ، ان کی معلومات اور ان کے خیالات ، ان کی مسرت کی باتیں اور ان کی نفرت کی چیزیں سب

یکساں ہوتی ہیں اور اسی لیے برائی اور اچھائی کے خیالات بھی سب میں یکساں پیدا ہوتے ہیں اور برائی کو اچھائی سے تبدیل کی خواہش سب میں ایک سی ہوتی ہے اور یہی مجموعی خواہش تبادلہ یا مجموعی خواہش سے وہ تبادلہ آس قوم یا گروہ کی سولزیشن ہے ، مگر جبکہ مختلف گروہ مختلف مقامات میں بستے ہیں تو ان کی حاجتیں اور خواہشیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور اس سبب سے تہذیب کے خیالات بھی مختلف ہوتے ہیں ، مگر ضرور کوئی ایسی چیز بھی ہوگی کہ جو سولزیشن کی ان مختلف حالتوں کا تصفیہ کر سکے ۔

ملکی حالتیں ، جہاں تک کہ وہ بود و باش سے تعلق رکھتی ہیں ، نہ فکر اور خیال اور دماغ سے ، ان کو تہذیب سے چنداں تعلق نہیں ، بلکہ صرف انسان کے خیال کو اس سے تعلق ہے جس کے سبب وہ اچھا اور برا ٹھہراتا ہے اور جس باعث سے خواہش تبادلہ تحریک میں آتی ہے اور وہ تبادلہ واقع ہوتا ہے جو سولزیشن کہلاتا ہے ۔ پس سولزیشن کی مختلف حالتوں کا فیصلہ وہ اسباب کر سکتے ہیں جن کے سبب سے اچھے اور برے کا خیال دل میں بیٹھتا ہے ۔

اچھے اور برے کی جگہ میں اور لفظ کا استعمال کروں گا ، یعنی پسند اور ناپسند ۔ انگریزی میں ایک لفظ ”ٹیسٹ“ ہے جو نہایت وسیع معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ۔ ہماری زبان میں بھی اس قسم کے لفظ ہیں جیسے کہ مزا یا مذاق ، مگر وہ استعمال میں ایسے خاص ہو گئے ہیں کہ ان سے وہ عام اور وسیع معنی خیال میں نہیں آتے ۔ اس واسطے میں اس لفظ کا ترجمہ ”پسند“ کرتا ہوں ۔ پس پسند کا صحیح ہونا ، جو خیال کے صحیح ہونے کی

فرع ہے ، بہت بڑا وسیلہ سولزیشن کی مختلف حالتوں کے تصنیف کا ہے ۔

خیال کی درستی اور پسند کی صحت کثرت معلومات پر اور علم طبیعیات کے بخوبی ماہر ہونے پر منحصر ہے ۔ انسان کی معلومات کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سولزیشن بھی بڑھتی ہے ۔ کیا عجب ہے کہ آئندہ کوئی ایسا زمانہ آوے کہ انسان کی تہذیب میں ایسی ترقی ہو کہ اس زمانے کی تہذیب کو بھی وہ لوگ ایسے ہی ٹھنڈے دل سے دیکھیں جیسے کہ ہم اپنے سے اگلوں کی تہذیب کو ایک ٹھنڈے ، مگر مؤدب دل سے دیکھتے ہیں ۔

تہذیب یا یوں کہو کہ بری حالت سے اچھی حالت میں لانا دنیا کی تمام چیزوں سے ، اخلاق ہوں یا مادی ، یکساں تعلق رکھتا ہے اور تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے ۔ تکلیف سے بچنے اور آسائش حاصل کرنے کا سب کو یکساں خیال ہے ۔ ہنر اور اس کو ترقی دینا تمام دنیا کی قوموں میں موجود ہے ۔ ایک تربیت یافتہ قوم زر و جواہر یا قوت و الہاس سے نہایت نفیس خوبصورت زیور بناتی ہے ؛ ناتربیت یافتہ قوم بھی کوڑیوں اور ہوتھوں سے اپنی آرایش کا سامان ہم پہنچاتی ہے ۔ تربیت یافتہ قومیں اپنی آرایش میں سونے چاندی ، مونگے اور موتیوں کو کام میں لاتی ہیں ، ناتربیت یافتہ قومیں جانوروں کے خوبصورت اور رنگین پروں کو تیلیوں پر سے چھلے ہوئے سنہری پوست اور زمرہ کے سے رنگ کی باریک اور خوش نما گھانسی میں گوندھ کر اپنے تئیں آراستہ کرتی ہیں ۔ تربیت یافتہ قوموں کو بھی اپنے لباس کی درستی کا خیال ہے ، ناتربیت یافتہ قومیں بھی اس کی درستی پر مصروف ہیں ۔ شاہی مکانات نہایت عمدہ اور

عالی شان بنتے ہیں اور نفیس چیزوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔
 نাত্রیت یافتہ قوموں کے جھولپڑے اور ان کے رہنے کے گھونچے،
 درختوں پر باندھے ہوئے ٹانڈ، زمین میں کھودی ہوئی کھوئیں
 بھی تہذیب سے خالی نہیں۔ معاشرت کی چیزیں، تمدن کے قاعدے
 عیش و عشرت کی مجلسیں، خاطر اور مدارات کے کام اور اخلاق
 و محبت کی علامتیں دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمی خیالات
 سے بھی نাত্রیت یافتہ قومیں خالی نہیں، بلکہ بعضی چیزیں ان
 میں زیادہ اصلی اور قدرتی طور سے دکھائی دیتی ہیں، مثلاً شاعری
 جو ایک نہایت عمدہ فن تربیت یافتہ قوموں میں ہے، نাত্রیت یافتہ
 قوموں میں عجیب عمدگی و خوبی سے پایا جاتا ہے۔ یہاں خیالی
 باتوں کو ادا کیا جاتا ہے اور وہاں دلی جوشوں اور اندرونی
 جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ موسیقی نے تربیت یافتہ قوموں میں
 نہایت ترقی پائی ہے، مگر نাত্রیت یافتہ قوموں میں بھی عجیب
 کیفیت دکھائی ہے۔ ان کی ادا اور آواز کی پھرت، اس کا کھٹاؤ اور
 اس کا بڑھاؤ، اس کا ٹھہراؤ اور اس کی اوچ، ہاتھوں کا سبھاؤ اور
 پاؤں کی دھمک، زیادہ تر مصنوعی قواعد کی پابند ہے، مگر
 نাত্রیت یافتہ قوموں میں یہ سب چیزیں دلی جوش کی موجیں ہیں۔
 وہ لٹی اور تال، راگ و راگنی کو نہیں جانتے، مگر دل کی لہر
 ان کی لٹی اور دل کی پھڑک ان کا تال ہے۔ ان کا غول باندھ کر
 کھڑا ہونا، طبعی حرکت کے ساتھ اچھلنا، دل کی بیتابی سے جھکنا
 اور پھر جوش میں آکر سیدھا ہو جانا گو نزاکت اور فن خیاگری
 سے خالی ہو، مگر قدرتی جذبوں کی ضرور تصویر ہے۔ دلی
 جذبوں کا روکنا اور ان کو عمدہ حالت میں رکھنا تمام قوموں
 کے خیالات میں شامل ہے۔ پس جس طرح کہ ہم تہذیب کا قدرتی
 لگاؤ تمام انسانوں میں پاتے ہیں اسی طرح اس کا تعلق عقلی اور

مادی سب چیزوں میں دیکھتے ہیں۔ جس چیز میں کہ ترقی، یعنی برائی سے اچھائی کی طرف رجوع یا ادنیٰ درجے سے اعلیٰ درجے کی طرف تحریک ہو سکتی ہے، اسی سے تہذیب بھی متعلق ہے۔ پس سولزیشن یا تہذیب کیا ہے؟ انسان کے افعال ارادی اور جذبات نفسانی کو اعتدال پر رکھنا، وقت کو عزیز سمجھنا، واقعات کے اسباب کو ڈھونڈنا اور ان کو ایک سلسلے میں لانا۔ اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور علوم و فنون کو بقدر امکان قدرتی خوبی اور فطرتی عمدگی پر پہنچانا اور ان سب کو خوش اسلوبی سے برتنا، اور اُس کا نتیجہ کیا ہے، روحانی خوشی اور جسمانی خوبی اور اصلی تمکین اور حقیقی وقار اور خود اپنی عزت کی عزت اور درحقیقت یہی پچھلی ایک بات ہے جس سے وحشیانہ پن اور انسانیت، تمیز ہوتی ہے۔

اس تہذیب کے حاصل ہونے کے بقول مسٹر ایچ۔ ٹی۔ بکل صاحب چار اصول ہیں :

اول۔ ”جو چیزیں ہم کو دکھائی دیتی ہیں اور جن کا سبب ہم کو معلوم نہیں ہوتا اُن کے سببوں اور قاعدوں کو دریافت کرنا اور اُن کے علوم کو پھیلانا۔ پس جس قدر کامیابی اس میں ہوگی اُسی قدر انسان کی ترقی ہوگی۔“

دوم۔ ”اس تحقیقات سے پہلے تجسس کا خیال پیدا ہونا چاہیے جس سے ابتداء میں تحقیقات کو مدد ملتی ہے اور بعد کو تحقیقات سے اُس کی استعانت ہوتی ہے۔“

سوم۔ ”جو باتیں اس طرح پر دریافت ہوتی ہیں وہ عقلی باتوں کے اثر کو زیادہ کرتی ہیں اور اخلاق کی باتوں کو کسی قدر کم، مگر اخلاق کی باتیں بہ نسبت عقلی باتوں کے زیادہ مستقل ہیں اور اُن میں کمی بیشی بہت کم ہوتی ہے۔“

چہارم۔ ”اس تحریک کا بڑا دشمن جو درحقیقت سولزیشن کا بھی سخت دشمن ہے یہ خیال ہے کہ جب تک زندگی کے امور کی نگرانی ہر طرح پر سلطنت اور مذہب سے نہ ہو تب تک انسان کے گروہ کی ترقی نہیں ہو سکتی ، یعنی سلطنت رعایا کو یہ سکھلاوے کہ اُن کو کیا کرنا چاہیے اور مذہب یہ سکھلاوے کہ کس بات پر یقین کرنا چاہیے۔“

پچھلی بات میں مسٹر بکل سے مجھ کو کسی قدر اختلاف ہے ۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ لوگوں کا یہ خیال کہ بادشاہ وقت ہم کو بتاوے کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے ، انسان کی ترقی اور تہذیب کا نہایت قوی مانع ہے اور جس قدر کہ ہندوستان میں ، بلکہ تمام ایشیا میں اور ترکی اور ایشیٹ میں بھی ناشایستگی اور نا تہذیبی ہے اُس کا بڑا سبب یہی خیال ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اسی خیال نے غارت اور برباد کیا ہے اور یہی خیال ہے جو ہندوستان کی رعایا کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً گورنمنٹ سے ناراض رکھتا ہے ۔ پس جب تک یہ خیال نہ جاوے گا اور یہ خیال نہ آوے گا کہ ہم خود سوچیں کہ ہم کو اپنے لیے کیا کرنا چاہیے ، اُس وقت تک ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ دولت ہوگی نہ حشمت ، نہ عزت ہوگی نہ منزلت ، اور نہ تہذیب ہوگی اور نہ شایستگی ، مگر دوسرا جملہ جو مذہب سے متعلق ہے وہ کسی قدر صحیح ہے اور کسی قدر غلط یعنی غلط مذہب بلاشبہ تہذیب کا بڑا مانع ہے اور اگر سچے مذہب میں غلط خیالات اور بے جا تعصبات اور مسائل اجتہادیہ اور قیاسیہ اس طرح پُر مل جاویں کہ عملاً اور اعتقاداً اصلی احکام مذہبی میں اور اُن میں کچھ تفرقہ و تمیز نہ رہے ، جیسا کہ مذہب اسلام کی موجودہ حالت ہے اور جو تقلید کی تاریکی میں آنکھوں سے بالکل چھپ گیا ہے تو بلاشبہ وہ بھی انسان کی ترقی اور تہذیب کا مثل

مذہب غلط کے مانع قوی ہے ، الاسچا مذہب جیسا کہ ٹھیٹھ
مذہب اسلام ہے وہ کبھی ہارج ترقی انسان نہیں ہو سکتا ، کیونکہ
اس مذہب کے احکام اور تہذیب و شایستگی کے کام دونوں متحد
ہوتے ہیں والسلام علی من اتبع الهدی ۔

راقم سید احمد

ترجمہ مضمون ہنری طامس بکل

علم تاریخ کے مفید ہونے پر بہت کچھ کہا گیا ہے اور وہ
ہمیشہ مرغوب بھی رہا ہے ۔ یہ عام رائے ہے کہ مورخوں نے
جیسی محنت کی ہے ۔ ویسی ہی ان کو کامیابی بھی ہوئی ہے ۔ بہت
لوگوں نے اس کو پڑھا بھی ہے اور بہت کچھ سمجھا بھی ہے ۔
عموماً اس کی بہت بڑی قدر ہے اور تمام تعلیم کے سلسلوں میں
شامل ہے ۔ اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ اسی اعتبار
کے لائق ہے اور جب بالاجال نظر ڈالی جائے تو قبول کرنا پڑتا ہے
کہ ایسے سامان جمع ہیں جو نہایت عظیم الشان اور عمدہ معلوم ہوتے
ہیں ۔ فرنگستان کے اور اور بڑے بڑے ملکوں کے حالات اور
لڑائیوں کے واقعات نہایت احتیاط سے جمع کیے ہیں اور جس ثبوت
پر وہ مبنی ہیں ان کی بھی بخوبی تحقیقات ہوئی ہے ۔ مذہب کی
تاریخ پر بھی بخوبی توجہ کی ہے ۔ علوم و فنون اور علم ، ادب اور
مفید ایجادوں اور آخر کار انسان کی آسائش اور آرام کے طریقوں پر
بہت کچھ محنت ہوئی ہے ۔ زمانہ قدیم کے حالات دریافت کرنے
کو پرانی باتوں کی تحقیقات کی ہے ۔ قدیم شہروں کی جگہیں کھود
کر پرانے سکے نکالے ہیں ۔ ان کے حروف تہجی پڑھ کر درست
کیے ہیں ۔ جو زبانیں کہ حرفوں میں تحریر نہ ہوتی تھیں ، بلکہ چیزوں
کی شکلوں میں لکھی جاتی تھیں ان کے معنوں کو دریافت کیا اور
ان کے مطلب کو نکالا ۔ جو زبانیں کہ مدت سے بھول گئی تھیں

اُن کو بھی نئے سرے سے یاد کیا۔ انسان کی بول چال کی تبدیلی کے قاعدے دریافت کیے اور اُس کے ذریعے سے قوموں کی ابتدائی نقل وطن کے ایسے زمانے دریافت ہوئے جو بالکل نامعلوم تھے۔ علم انتظام مدن بنایا گیا اور اس کی بدولت دولت کی کمی بیشی کے اسباب دریافت کیے۔ ملکوں کے اور وہاں کے رہنے والوں کے حالات بڑی بڑی محنتوں سے جمع کیے، اُن کے نقشے بنائے، انسان کے دنیوی کاموں اور اخلاق باتوں کا بہت کچھ حال دریافت کیا، مثلاً مختلف قسم کے جرموں کی تعداد اور ایک کی نسبت بمقابل دوسرے کے اور اُن پر جو اثر کہ زمانے اور تعلیم اور قسم (یعنی مرد و عورت) کے سبب ہوا اُس کا اندازہ اور اور جو باتیں اس کے متعلق ہیں وہ سب دریافت کی گئیں۔ اسی کے ساتھ جغرافیہ طبعی بھی قدم بقدم چلتا رہا۔ آب و ہوا کے حالات کے رجسٹر تیار ہوئے۔ پہاڑوں کی پیمائش ہوئی، دریا ناپے گئے اور ان کے مخرج دریافت ہوئے۔ سب قسم کی قدرتی پیداواریاں اور اُن کی مخفی تاثیریں معلوم کیں۔ ہر قسم کی خوراک کی جو انسان کی زندگی کو ضرور ہے علم کیمیا کے ذریعے سے تفتیش کی، اُس کے اجزاء شمار ہوئے اور تولے گئے اور جو نسبت اُن میں اور انسان کے جسم میں ہے اُس کی بخوبی تحقیقات کی گئی۔ علیٰ ہذا القیاس، انسان کے متعلق جو باتیں ہیں اُن کی ہر قسم کی تحقیقات ہوئی ہے، یہاں تک کہ مہذب اور شائستہ قوموں میں مرنے اور شادی کرنے، پیدا ہونے اور پیشہ کرنے یا اور کاموں میں مشغول رہنے کا اور اجرت کی کمی و بیشی کا اور جو اشیاء کہ زندگی کے لیے ضروری ہیں اُن کی قیمت کا اندازہ کیا گیا ہے۔ یہ سب واقعات اور اسی قسم کے اور بہت سے حالات جمع کیے گئے ہیں، اُن کو درستی سے مرتب کیا گیا ہے اور اب وہ سب کام میں لانے کے لائق ہیں۔ اُن کے ساتھ

اور بھی مفید باتیں شامل ہیں ، کیونکہ صرف بڑی بڑی قوموں کے ہی افعال اور خاصیتیں لکھی نہیں گئیں ، بلکہ سیاحوں نے تمام دنیا میں ، جو اب تک معلوم ہوئی ہے سفر کیا ہے ، اُس کے تمام حصوں کی سیر کی ہے اور مختلف قوموں کو دیکھا ہے ، اُن کے حالات دریافت کیے ہیں ۔ اب ہم اُس کے ذریعے سے تہذیب و شائستگی کے ہر درجے کا اور ہر جگہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں ۔ جب کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اپنے ہم جنسوں کے حالات دریافت کرنے کا شوق کبھی کم نہیں ہوتا ، بلکہ زیادہ ہوتا جاتا ہے تو ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اُس شوق کے پورا کرنے کے وسیلے بھی روز بروز اُس کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوتے جاتے ہیں ۔ جو باتیں دریافت ہوئی ہیں وہ سب موجود اور محفوظ ہیں ۔ جب ہم اُن سب باتوں کو یکجا کرتے ہیں تب ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے ہم واقف ہو گئے ہیں وہ کس قدر مفید ہیں اور اُن کی مدد سے انسان کی کس قدر ترقی کا حال معلوم ہوتا ہے ۔

مگر جب ہم یہ بات بیان کرنی چاہیں کہ ان سب سامانوں سے کیا کام لیا گیا تو یہ ساری صورت بدل جاتی ہے ۔ انسان کی تاریخ میں بہت بڑا نقص یہ ہے کہ گو تاریخ کے علیحدہ علیحدہ جزوں کی نہایت قابلیت سے تحقیقات ہوئی ہے ، لیکن کسی نے اُن سب اجزاء کو ملا کر اُن سے ایک عام نتیجہ نکالنے کی کوشش نہیں کی اور نہ اُس طریقے کو دریافت کیا جس کے ذریعے سے اُن تمام جزوں کی آپس میں نسبت معلوم ہو ۔ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ بڑی بڑی باتوں کی تحقیقات کے لیے جزئیات کا استقراء کر کے کلیہ نکالتے ہیں اور خاص خاص باتوں سے عام قاعدہ نکالنے میں بڑی بڑی کوششیں کی جاتی ہیں ، تاکہ وہ قاعدے دریافت ہوں جن کی رو سے وہ خاص خاص باتیں وقوع میں آتی ہیں ، مگر مورخوں میں

یہ طریقہ عام نہیں ہے۔ اُن کے دل پر ایک عجیب خیال سایا ہے کہ وہ اپنا کام صرف اسی قدر سمجھتے ہیں کہ واقعات کو اور گزرے ہوئے حالات کو بیان کر دیں اور کہیں کہیں اخلاق اور انتظامِ مدن کی کچھ کچھ باتیں جن سے کچھ فائدہ متصور ہو لکھ دیں۔ ایسے مصنفوں کا جو خیال کی سستی سے یا قدرتی ناقابلیت سے اعلیٰ درجے کی تصنیف کی قابلیت نہیں رکھتے، یہ طریقہ ہے کہ چند سال تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور تاریخ لکھنے کی قابلیت بہم پہنچا لی، پھر بڑی بڑی قوموں کی تاریخیں لکھنے لگے اور اُن کی تاریخیں اُن مضمونوں کے لیے سند ہو گئیں۔

اس محدود اور تنگ طریقے کے سبب ایسے نتیجے پیدا ہوئے جن سے ہمارے علم کی ترقی کو بہت نقصان پہنچا۔ اسی طریقے کے سبب مورخوں نے ایسی وسیع ابتدائی تعلیم کو ضروری نہیں سمجھا جس کے ذریعے سے اُس علم کی تمام قدرتی باتیں بالکل اُن کی گرفت میں آجائیں اور اسی طریقے کے سبب یہ نتیجہ ہوا کہ ایک مورخ تو علمِ انتظامِ مدن و علمِ معاشرت سے ناواقف ہے، دوسرا آئین و قانون کو کچھ نہیں جانتا، کوئی مذہبی معاملات اور تبدلِ رائے کے حالات سے محض ناواقف ہے۔ کوئی فلسفہِ مدنی کو نہیں جانتا، کوئی علومِ طبیعی سے آگاہ نہیں ہے، حالانکہ یہ سب علوم نہایت ضروری ہیں، اس لیے کہ وہ خاص باتیں جن سے انسان کے مزاج اور اس کے اطوار پر اثر ہوتا ہے انہیں علوم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان علموں میں سے ایک شخص کسی علم کو اور دوسرا کسی علم کو سیکھتا ہے، مگر بعوض اس کے کہ وہ سب علوم ایک شخص میں ملائے جاویں متفرق ہو جاتے ہیں اور جو مدد کہ مشابہت اور مماثلت کی ایک شخص میں ان سب علوم کے جمع ہونے سے حاصل ہو سکتی تھی وہ ضائع ہو جاتی ہے اور اسی

سبب سے کسی شخص نے ان سب علوم کو تاریخ میں ملانے کی کوشش نہیں کی ، حالانکہ وہ سب تاریخ ہی کے اجزاء ہیں ۔

ہاں البتہ اٹھارویں صدی کے شروع سے چند عاقل پیدا ہوئے جنہوں نے تاریخ کے اس نقص پر افسوس کیا اور حتی الوسع اس کی اصلاح کی کوشش کی ، مگر ایسی مثالیں نہایت کم ہیں ، یہاں تک کہ یورپ کے تمام علم ادب میں اصل کتابیں تین چار سے زیادہ نہیں ہیں جن میں انسان کی تاریخ کی تحقیقات اُن عمدہ اور عام طریقوں پر کی گئی ہو جن سے علم کی اور شاخوں میں کامیابی ہوئی ہے اور جن قاعدوں اور تجربوں سے علم کی حقیقت قائم ہو سکتی ہے ۔

سولہویں صدی کے بعد سے اور خصوصاً اخیر صدی میں مورخوں میں خیال کی وسعت کے نشان اور اپنی تصنیفات میں ایسے مضمونوں کے شامل کرنے کا شوق پایا جاتا ہے جن کو اُس سے پہلے وہ چھوٹے بھی نہ تھے ۔ اس سے ایک عمدہ بات پیدا ہوئی اور ایک قسم کے واقعات جمع ہونے سے قاعدہ کلیہ نکالنے کا خیال پیدا ہوا جس کا نشان یورپ کے قدیم علم ادب میں نہیں پایا جاتا ۔ اس بات کا بہت بڑا فائدہ ہوا ، کیونکہ مورخوں کے خیال نے وسعت پائی اور غور کرنے کی عادت پڑی جو اصلی واقفیت کے لیے ضرور ہے ، کیونکہ بغیر اُس کے کوئی علم نہیں بن سکتا ۔

اس زمانے میں اگرچہ بہ نسبت زمانہ سابق کے تاریخ کے آثار زیادہ طمانیت کے لائق موجود ہیں ، مگر سوائے چند مثالوں کے وہ سب اب تک آثار ہی آثار ہیں ۔ آج تک اُن اصولوں کے دریافت کرنے میں جن کا اثر قوموں کی قسمت اور اُن کے چال چلن پر ہوتا ہے بہت ہی کم کوشش ہوئی ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ انسان کے اعلیٰ خیالات کے لیے اب بھی تاریخ بہت ہی ناکامل ہے اور وہ ایسی ہی بے ترتیب صورت میں ہے جیسے کہ اُس مضمون

کی صورت ہوتی ہے جس کے قاعدے معلوم نہیں ہوئے اور جس کی جڑ قائم نہیں ہوئی۔ ہمارے پاس تاریخ کا اس قدر سامان موجود ہے کہ اگر اس پر زیادہ کوشش کی جاوے تو جس طرح کہ علوم طبیعی کی مختلف شاخیں تحریر ہوئی ہیں اسی طرح انسان کی تاریخ بھی تحریر ہو سکتی ہے۔ نیچر کی اکثر باتیں جو ظاہراً بالکل بے قاعدہ معلوم ہوتی ہیں اور کبھی یکساں نہیں رہتیں، سمجھ میں آگئی ہیں اور یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ وہ بھی عام قواعد معین کے بموجب ہوتی ہیں۔ قابل لوگوں نے نہایت تامل و غور سے طبعی واقعات پر اس غرض سے توجہ کی ہے کہ ان کے قاعدے معلوم ہوں اور اسی غور و تامل کا یہ نتیجہ حاصل ہوا ہے۔ پس اگر انسان کے واقعات کو اسی طرز پر دیکھیں تو بے شک ویسے ہی نتیجے حاصل ہوں گے اور یہ بات کہہ دینی کہ تاریخ کے واقعات سے کلیہ قاعدہ نہیں نکل سکتا، ایک امر زیر تحقیقات کو بلا تحقیقات کے تسلیم کر لینا ہے۔ اس قسم کے لوگ صرف ایسی ہی بات کو تسلیم نہیں کرتے جس کو وہ ثابت نہیں کر سکتے، بلکہ ایسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں جو علم کی موجودہ حالت میں نہایت غیر ممکن ہیں۔ جو کوئی شخص اخیر دو صدی کے حالات سے واقف ہوگا وہ ضرور جانتا ہوگا کہ ہر ایک پشت میں کسی نہ کسی ایسے واقعے کا باقاعدہ ہونا ثابت ہوتا جاتا ہے اور اس کی نسبت پیشین گوئی ہو سکتی ہے جس کو پہلی پشت کے لوگ محض بے قاعدہ اور ناقابل پیشین گوئی سمجھتے تھے۔ پس تہذیب و شائستگی سے جو ترقی پائی جاتی ہے ہمارا یقین مضبوط ہوتا جاتا ہے کہ سب باتیں باقاعدہ اور ترتیب وار ہوتی ہیں۔ پس ان باتوں سے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی قسم کے واقعات کا قاعدہ دریافت نہیں ہوا ہے تو ہم کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ یہ بے قاعدہ ہیں، بلکہ پہلے کے تجربے

کو لحاظ کر کے یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ جو بات اس وقت سمجھ میں نہیں آتی، ممکن ہے کہ کسی آئندہ زمانے میں سمجھ میں آ جاوے۔ بے ترتیبی میں سے ترتیب نکالنے کی امید اس درجے تک ہوتی ہے کہ اکثر نامور عالموں کو بعوض امید کے یقین ہوتا ہے اور اگر یہی امید عموماً مورخوں میں نہ پائی جاوے تو اس کا سبب یہی سمجھنا چاہیے کہ وہ لوگ نیچر کے محققوں کی بہ نسبت کمتر لیاقت رکھتے ہیں اور کسی قدر یہ بھی سبب ہو سکتا ہے کہ معاشرت کی باتیں جو تاریخ سے علاقہ رکھتی ہیں زیادہ پیچیدہ ہوتی ہیں۔

یہی اسباب ہیں جنہوں نے اب تک علم تاریخ کو ایک علم ہونے نہیں دیا۔ نہایت مشہور اور نامور مورخ علم طبیعی جاننے والے کے مقابلے میں کچھ بھی درجہ نہیں رکھتا ہے۔ کسی ایسے شخص نے تاریخ کی طرف بہ دل توجہ ہی نہیں کی ہے جو ذہن و عقل میں مثل کپلر و نیوٹن کے وحید عصر ہو۔ اگرچہ موجودات کے حالات بھی نہایت پیچیدہ ہیں، مگر جو مورخ فلسفے کے طور پر تاریخ لکھتا ہے اُس کو نیچر کی تحقیقات کرنے والے کی نسبت زیادہ مشکلات پیش آتی ہیں، کیونکہ اُس کے تجربے میں وہ غلطیاں ہو سکتی ہیں جو تعصب اور جوش سے پیدا ہوتی ہیں اور جس قدر سامان تجربے کا نیچر میں ہے کہ اُس کے ذریعے سے ہم دنیا میں نہایت پیچیدہ مسئلوں کو حل کر لیتے ہیں، وہ سب سامان مورخ کے کام میں نہیں آ سکتے۔

پس اس بات کا کچھ تعجب نہیں کہ انسان کے افعال کا علم بہ نسبت نیچر کے علم کے بچپن کی حالت میں ہے۔ بے شک ان دونوں علموں کی ترقی میں اتنا بڑا فرق ہے کہ علم طبیعی کی ایسی باتوں کو جو اب تک ثابت بھی نہیں ہوئیں لوگ تسلیم کر لیتے

ہیں کہ ضرور باقاعدہ ہوں گی اور ان کی نسبت پیشین گوئی بھی کرتے ہیں، مگر تاریخی واقعات کا باقاعدہ ہونا کوئی تسلیم نہیں کرتا، بلکہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ اس سبب سے جو شخص کہ علم تاریخ کو مثل دیگر علوم کے ترقی دینا چاہتا ہے اس کو ابتداء ہی میں ایک بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ انسان کے معاملات میں کچھ اسرار ہیں اور وہ اسرار خدا ساز ہیں کہ ہماری عقل اور ہماری تحقیقات ان تک نہیں پہنچ سکتی اور انسان کے آئندہ کے حالات ہمیشہ ہم سے پوشیدہ رہیں گے۔ اس کے جواب میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ ایسا کہنا صرف تحکماً تسلیم کرنا ہے، کیونکہ اس کا ثبوت کچھ نہیں ہے اور اس مشہور حقیقت کے مخالف ہے کہ جہاں علم بڑھتا جاتا ہے وہاں قاعدے اور سلسلے میں بھی زیادہ یقین ہوتا جاتا ہے اور اس قاعدے کے بموجب یکساں حالت میں ایک سے نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم اس عقدے کے حل کرنے میں زیادہ غور کریں اور اس بات کو دیکھیں کہ لوگوں کی جو یہ عام رائے ہے کہ تاریخ کبھی علم کے درجے تک نہیں پہنچ سکتی، اس کی بنیاد درست ہے یا نہیں۔ جب ہم اس کا خیال کرتے ہیں تو ہمارے دل میں ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے جو اس کی جڑ ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ آیا انسان کے افعال اور انسان کی باہمی معاشرت کے کام کسی قانون معین کے تابع ہیں یا اتفاقیہ ہیں اور ایسی باتوں کے نتیجے ہیں جو انسان کی سمجھ میں نہیں آتیں؟

ان امور کی بحث میں چند مفید خیال پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ جو سوال کیا گیا ہے اس کے متعلق دو مسئلے ہیں جن کے ذریعے سے تہذیب کے مختلف درجے ظاہر ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تمام امور اتفاقیہ واقع ہوتے ہیں۔ اس مسئلے کے بموجب گویا

ہر ایک واقعہ علیحدہ اور تنہا واقع ہوتا ہے اور کسی امر اتفاقیہ کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ ایسا خیال بالکل ایک جاہل اور وحشی شخص کو ہوتا ہے اور پھر جوں جوں تجربہ بڑھتا ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب باتیں باقاعدہ ایک دوسرے کے بعد ہوتی ہیں تو یہ خیال مضحمل ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً وحشی قومیں جن میں تہذیب کا اثر کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا اور جو صرف شکار پر اپنی زندگی بسر کرتی ہیں ان کو بلا شک یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ہماری ضروری خوراک کا ملنا صرف کسی امر اتفاقی کا نتیجہ ہے جو بیان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شکار کبھی ملتا ہے اور کبھی نہیں ملتا، کبھی افراط سے ملتا ہے اور کبھی نہایت کم اور اسی سبب سے ان کو کبھی شبہ بھی اس بات کا نہیں ہوتا کہ نیچر کے انتظام میں ترتیب بھی ہے اور نہ ان کے دل میں ان تمام اصولوں کا وجود ہو سکتا ہے جن کی رو سے تمام واقعات وقوع میں آتے ہیں اور جن اصولوں کے علم سے ہم اپنی باتوں کی آئندہ حالت کی نسبت پیشین گوئی کر سکتے ہیں، مگر جب یہ قومیں کچھ ترقی کر کے کسانوں کی حالت میں آجاتی ہیں تو وہ پہلے پہل ایسی خوراکیں کھاتی ہیں جن کا ملنا، بلکہ ان کا پیدا کرنا بھی وہ اپنے فعل کا نتیجہ دیکھتی ہیں، یعنی جو کچھ بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں۔ ان کی ضرورتوں کے ضروری سامان زیادہ تر ان کے اختیار میں ہو جاتے ہیں اور انہی کی محنت کے نتیجے ہوتے ہیں۔ جبکہ وہ بیج زمین میں بوتے ہیں اس سے درخت ہوتا ہے، پھولتا ہے، پھلتا ہے، بالیں نکلتی ہیں۔ جب وہ پختہ ہو جاتی ہیں تو ان سے وہی غلہ نکلتا ہے جو بویا تھا اور اس غلے کو اس بیج سے بھی جو بویا تھا کچھ مناسبت ہوتی ہے۔ ان باتوں سے ان کو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں کوئی تدبیر اور حکمت

ہے۔ یہ نتیجہ ہمیشہ یکساں ہوتا ہے۔ اب ان کو آئندہ کے لیے گو یقین نہ ہو، مگر ایک قسم کا اعتبار اور بھروسہ پڑ جاتا ہے اور یہ اعتبار اس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو ان کو اپنی اس پہلی اور غیر معین حالت میں تھا۔ اسی سے ان کو ایک دھندلا سا خیال اس بات کا پیدا ہوتا ہے کہ واقعات میں کچھ تسلسل اور استحکام ہے اور کچھ کچھ وہ باتیں سمجھ میں آنے لگتی ہیں جن کو آخر کار نیچر کے قانون کہتے ہیں۔ اس بڑی ترقی کے ہر ایک قدم پر ان کا خیال صاف ہوتا جاتا ہے۔ جس قدر ان کی تحقیقات بڑھتی ہے اور تجربہ زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر ان کو قاعدہ و سلسلہ اور واقعات میں باہم موافقت ملتی جاتی ہے جس کے وجود کا ان کو پہلے شبہ بھی نہ تھا۔ اس کے ظاہر ہونے سے وہ مسئلہ واقعات کے اتفاقیہ ہونے کا جو شروع میں ان کے دل میں بیٹھا ہوا تھا بودا ہوتا جاتا ہے۔ تھوڑی سی اور ترقی کے بعد استدلال کا شوق دل میں پیدا ہوتا ہے اور ان میں سے بعض لوگ اپنی تحقیقات سے کلیہ نکالتے ہیں اور اگلی رائے سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور یہ یقین کرتے ہیں کہ ہر ایک پچھلا واقعہ اپنے پہلے واقعے سے تعلق رکھتا ہے اور پہلے کا واقعہ اپنے سے پہلے واقعے سے۔ اسی طرح ساری دنیا ایک زنجیر ہے اور ہر ایک آدمی ایک سلسلے میں اپنا کام کرتا ہے۔ ہر وہ اس بات کا تعین نہیں کر سکتے کہ وہ کیا کام ہوگا۔

غرضیکہ جب سوسائٹی، یعنی گروہ انسانی عام طور پر ترقی کرتی جاتی ہے تو نیچر کے باقاعدہ ہونے کا زیادہ یقین ہوتا جاتا ہے اور اس وقت بجائے مسئلہ واقعات کے اتفاقیہ ہونے کے، دوسرا مسئلہ واقعات میں ضروری مناسبت کا قائم ہوتا ہے کہ مصنف کی یہ رائے ہے کہ غالباً انہی دونوں مسئلوں اتفاقہ اور ضروریہ سے

انسان کے مختار اور مجبور ہونے کا ، یعنی تقدیر کا مسئلہ نکلا ہے اور اس بات کا سمجھ میں آنا کہ گروہ انسانی کے زیادہ تر مہذب ہونے کی حالت میں یہ تبدیل صورت کیونکر واقع ہوتی ہے کچھ مشکل نہیں ہے ۔ ہر ملک میں جب دولت کا جمع ہونا ایک حد معین تک پہنچ جاتا ہے تو ہر ایک شخص کی محنت کا محاصل آس مقدار سے زیادہ ہوتا ہے جو آس کی پرورش کے لیے کافی تھا اور اسی لیے سب لوگوں کو محنت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ۔ پس ایک ایسا جدا فرقہ بن جاتا ہے جس کے لوگ اپنی زندگی بلا محنت عیش و آرام سے بسر کرتے ہیں اور چند آدمی علم کی تحصیل میں اور اس کے پھیلانے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں اور ان پچھلے لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی ہمیشہ نکلتے ہیں جو بیرونی واقعات پر خیال نہیں کرتے ، بلکہ اپنے دل کی باتوں کی تحقیقات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جب یہ لوگ کامل ہو جاتے ہیں تو یہی لوگ نئے فلسفے کے موجد اور نئے مذہب کے بانی ہوتے ہیں اور جو لوگ اس فلسفے یا مذہب کے پیرو ہوتے ہیں ان پر اس کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے ، لیکن ان کے موجدوں یا بانیوں پر خود ان کے زمانے کا اثر پایا جاتا ہے ، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے چاروں طرف کی رائے کے دباؤ سے بچ سکے اور جس کو نیا فلسفہ اور نیا مذہب کہتے ہیں وہ کچھ بالکل نئے خیالات کا پیدا کیا ہوا نہیں ہوتا ، بلکہ آس زمانے کے لوگوں کے جو خیالات ہوتے ہیں وہی خیالات ایک نئی راہ کی طرف پھر جاتے ہیں ۔ پس امر ما نحن فیہ میں بیرونی دنیا کے واقعات کے اتفاقیہ ہونے کا مسئلہ انسان کے مختار ہونے کے مسئلے کے مطابق ہے جو اندرونی دنیا سے علاقہ رکھتا ہے اور ضروری مناسبت کا مسئلہ اسی طرح انسان کے مجبور ہونے یا تقدیر کے مسئلے سے مشابہت

رکھتا ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ پہلا مسئلہ متافزیشن یعنی فلسفیان فلسفہ ذہنی کا نکالا ہوا ہے اور دوسرا مسئلہ تھیولوجین یعنی علماء مذہبی کا۔ پہلے مسئلے میں فلسفہ ذہنی کے حکماء واقعات کے اتفاقہ ہونے کے مسئلے سے شروع کر کے دل میں ایک خود اختیاری، یعنی افعال میں انسان کے مختار ہونے کا اصول قائم کر لیتے ہیں اور اسی اصول کا ایک نئی صورت میں آزادی نام رکھتے ہیں کہ انسان آزاد مخلوق ہے اور اس طرح ہر ماننے سے تمام مشکلات دفع ہو جاتی ہیں، کیونکہ پوری آزادی جو سب فعلوں کا سبب ہے خود کسی کا نتیجہ نہیں، بلکہ مثل مسئلہ ”اتفاقہ“ کے ایک ایسی حقیقت ہے جس میں زیادہ بیان نہیں ہو سکتا۔ علماء مذہبی دوسرے، یعنی واقعات میں ضروری مناسبت کے مسئلے کو مذہبی صورت میں لاتے ہیں اور چونکہ ان کی طبیعت انتظام اور مطابقت کے خیالات سے بھری ہوتی ہے، اس لیے وہ اس مناسبت کو جس میں کبھی فرق نہیں ہوتا خدا کے علم غیب سے منسوب کرتے ہیں اور اس اعلیٰ اور عمدہ اور پاک خیال کے ساتھ کہ خدا واحد ہے یہ مسئلہ تقدیر کا بھی لگایا جاتا ہے کہ خدا نے تمام چیزوں کو ابتداء سے ایک اندازے پر اپنی مرضی کے موافق معین و مقرر کر دیا ہے۔

ہماری زندگی کے جو حالات تاریکی میں ہیں وہ ان مختلف مسئلوں اتفاقہ اور ضروریہ سے، یعنی مختاری اور تقدیر سے سہل طور پر صاف ہو جاتے ہیں اور بآسانی سمجھ میں آ جاتے ہیں اور اس لیے اوسط درجے کی قابلیت کے لوگوں کے دل کو بہت پسند ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی بہت سے لوگ انہی دونوں مسئلوں کے پیرو ہیں، مگر ان مسئلوں نے انسان کے علم کے سرچشمے کو صرف کدلا ہی نہیں کیا، بلکہ ایسے مذہبی فرقے پیدا کیے جن کی آپس

کی دشمنی نے انسان کی سوسائٹی کو برباد کر دیا اور زندگی کی اکثر باتوں کو تلخ کر دیا۔ یورپ کے عالموں کا اب یہ خیال ہے کہ یہ دونوں مسئلے غلط ہیں یا یہ کہ آن کی واقعیت کا اور صحت کا کوئی کافی ثبوت نہیں ہے، مگر چونکہ یہ امر عظیم ہے اور نہایت ضروری ہے، اس لیے مناسب ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اس کو صاف کر لیں۔

مختاری اور تقدیر کے خیال کی ابتداء کی نسبت جو کچھ ہم نے لکھا شاید اس میں کچھ شک ہو، مگر جس بنیاد پر وہ قائم ہیں اس میں کچھ جھگڑا نہیں ہے۔ تقدیر کا مسئلہ مبنی ہے ایک مذہبی قیاس پر اور مختاری کا مسئلہ مبنی ہے ایک ایسے قیاس پر جو وجدان قلبی سے علاقہ رکھتا ہے۔ تقدیر کے ماننے والے ایک ایسے مسئلے پر چلتے ہیں جس کا اب تک کوئی قرار واقعی ثبوت نہیں ہے۔ وہ لوگ اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ خدا نے، جس کی نیکی مسلمہ ہے، باوجود اپنے بالکل نیک ہونے کے، اچھے و برے میں، یا بدی و نیکی میں، یا پسندیدہ ہونے اور نا پسندیدہ ہونے میں تمیز کی ہے اور لاکھوں مخلوق کو جواب تک پیدا بھی نہیں ہوئی اور صرف خدا ہی کے فعل یا ارادے سے پیدا ہو سکتی ہیں، ازل سے ابد تک بربادی اور گنہگاری میں ڈال دیا ہے اور یہ بات خدا نے کسی انصاف کے اصول پر نہیں کی، بلکہ صرف اپنی قدرت کاملہ اور مختار کل ہونے کی قدرت سے کی ہے۔ عیسائیوں میں جو پرائسٹنٹ فرقے کے ہیں، ان میں یہ مسئلہ کالون کے وقت سے نکلا جس کی طبیعت نہایت قوی تھی، مگر نہایت تاریک، لیکن اکسٹین نے اس مسئلے کو پہلے پہل درست کیا اور معلوم ہوتا ہے کہ اکسٹین نے میجین لوگوں سے یہ مسئلہ سیکھا تھا۔ بہر حال اگر اس بات سے بھی قطع نظر کی جاوے کہ یہ مسئلہ اور اصولوں

کے بھی مخالف ہے ، علمی تحقیقات میں اس مسئلے سے کچھ فائدہ نہیں ہے ، کیونکہ جب یہ مسئلہ ہمارے علم سے باہر ہے تو ہم اس کی سچائی یا جھوٹائی کی تحقیق نہیں کر سکتے ۔ دوسرا مسئلہ جو مدت سے فختاری کے نام سے مشہور ہے ، آرمینین کے مذہب سے مناسبت رکھتا ہے ، لیکن در حقیقت انسان کی کانشنس کی بزرگی کے مسئلے پر مبنی ہے ۔ (بری بات کرنے سے جواز خود آدمی کا دل پکڑا جاتا ہے اور آدمی کو بے چین و بے تاب کر دیتا ہے اس کو کانشنس کہتے ہیں) ہر ایک شخص کو معلوم ہوتا ہے اور با لبداهۃ جانتا ہے کہ میں آزاد ہوں اور کوئی دلیل اس خیال کو کہ ہم آزاد ہیں دور نہیں کر سکتی ۔ اب اس اختیار کامل کے وجود میں جس کے مقابلے میں تمام عام طریقے استدلال کے کچھ کام نہیں کرتے ، دو یا تین ہیں ۔ پہلی بات گو صحیح ہو ، مگر ثابت نہیں ہے اور دوسری تو بلاشبہ غلط ہے اور وہ دو باتیں یہ ہیں ۔ اول یہ کہ قوت ممیزہ نیک و بد جس کو انگریزی میں کانشنس نس کہتے ہیں اور جس قوت کے احکام کبھی خطا نہیں کرتے ، ایک علیحدہ قوت ہے ، مگر یہ بات کہ کانشنس نس ایک علیحدہ قوت ہے اب تک کسی طرح تحقیق نہیں ہے ۔ بعض بڑے بڑے عاقلوں کی یہ رائے ہے کہ یہ طبیعت کی ایک حالت ہے ۔ اگر یہی بات ہو تو ہر بحث ختم ہو گئی ، کیونکہ اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ جب دل کے تمام قویٰ سے پورا پورا کام لیا جاوے تو برابر برابر ٹھیک کام کرتے ہیں ، تب بھی کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ دل کی ہر ایک حالت میں ، جو اتفاقہ کسی ایک طرح کی ہو جاتی ہے ، صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک کام ہوتا ہے ، قطع نظر اس بات کے اگر یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ ”کانشنس نس“ ایک جدا قوت ہے تو بھی ہم یہ دوسری جرح پیش کریں گے کہ تاریخ سے بخوبی

ثابت ہے کہ یہ قوت بہت خطا کھاتی ہے۔ تہذیب کی ترقی کی تمام حالتوں میں جو انسان پر گزری ہیں دل کی خصوصیت، یعنی عقیدے کا بہت بڑا اثر ہوا ہے اور وہ اثر اس زمانے کے مذہب اور فلسفے اور اخلاق کی باتوں پر برابر رہا ہے۔ اس زمانے کے عقیدوں کو ہر ایک شخص مانتا آیا ہے اور دوسرے زمانے کے لوگ ان پر ہنسا کیے ہیں اور ہر ایک عقیدہ اپنے زمانے کے لوگوں کے دلوں میں ایسا ہی گڑا رہا ہے اور ان کے کانٹنس کا جزو اعظم رہا ہے جیسے کہ اب وہ رائے ہے جس کو ہم آزادی کہتے ہیں، تو بھی یہ بات ممکن نہیں کہ کانٹنس اس کے سب نتیجے صحیح ہوں، کیونکہ ان میں سے اکثر ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ پس جب تک یہ بات نہ مانی جاوے کہ زمانہ مختلف میں سچائی بھی مختلف ہوتی ہے تب تک وہ عقدہ حل نہیں ہو سکتا اور یہ بات محال ہے۔ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کانٹنس کی شہادت اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ رائے صحیح ہے، کیونکہ اگر ایسا ہو تو وہ باتیں جو ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں دونوں برابر صحیح ہوں گی۔ علاوہ اس کے زندگی میں جو جو باتیں ہوتی ہیں ان کے دیکھنے سے ایک دوسری بات نکلتی ہے۔ کیا ہم کو بعض حالتوں میں بھوت اور آسیب کے ہونے کا یقین دل میں نہیں ہو جاتا؟ اور کیا پھر ہم لوگ یہی نہیں کہتے کہ ایسی چیزوں کا وجود نہیں ہے، کوئی اور بات ہوگی جس کو ہم نے بھوت اور آسیب سمجھا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس قسم کا کانٹنس یا یقین دھوکا ہے اصلی نہیں ہے، تو ہم یہ پوچھیں گے کہ وہ کونسی چیز ہے جو صحیح اور غلط یا سچی اور جھوٹی کانٹنس میں تمیز کرتی ہے۔ اگر بعض باتوں میں کانٹنس ہم کو دھوکا دیتا ہے تو کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اور باتوں میں دھوکا نہ دے گا اور اگر یقین نہیں ہو سکتا تو وہ کسی اعتبار

کے لائق نہیں ہے اور اگر کسی طرح اس پر یقین ہو سکتا ہے تو ایک دوسری کسی ایسی شے کا وجود لازم آتا ہے کہ کانشنس اس کا تابع ہو۔ پس کانشنس کی سچائی کا مسئلہ جس کی بنیاد پر خود مختاری کے ماننے والوں نے اپنا اصول قائم کیا تھا ڈھے جاتا ہے۔ بے شک میرے نزدیک اس بات کا شبہ کہ کانشنس اس کا وجود بطور ایک علیحدہ قوت کے ہے کہ نہیں اور نیز یہ بات کہ یہ قوت ہمیشہ سب باتوں کو یکساں نہیں بتاتی، ایسی دو دلیلیں ہیں جن سے یقین ہوتا ہے کہ چند شخصوں کے دل کا حال معلوم کرنے سے ذہنی فلسفہ علم کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا، مگر ان اصولوں کے تحقیق کرنے سے جو تاریخ سے نکالے جائیں اس کی تحقیقات بخوبی ہو سکتی ہے، یعنی اس کے اصول ان باتوں سے نکالے جائیں جو ایک زمانہ دراز میں انسان کے حالات میں گزرے ہوں۔ یہ بات بلاشبہ نہایت خوشی کی ہے کہ جس شخص کے خیال میں یہ بات ہو کہ فن تاریخ بھی ایک علم ہو سکتا ہے، اُس شخص کو خود مختاری یا تقدیر کے مسئلے پر بحث کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اُس کو مفصلہ ذیل امور کا تسلیم کرنا کافی ہے، یعنی ہم جو کوئی کام کرتے ہیں کسی ایک یا ایک سے زیادہ غرض سے کرتے ہیں اور وہ غرض بھی کسی اور غرض کا نتیجہ ہوتی ہے۔ پس اگر سب باتوں سے اور ان کی تحریک کے قاعدوں سے واقف ہوں تو ہم بغیر کسی غلطی کے پہلے سے بتا سکتے ہیں کہ اُن کا نتیجہ کیا ہوگا۔ جن لوگوں کے دل میں طرفداری نہیں ہے اور جو اپنی رائے سے ثبوت موجودہ پر کام کرتے ہیں اس رائے کو قبول کریں گے کہ مثلاً اگر ہم کسی شخص کے چال چلن سے بخوبی واقف ہوں تو ہم بتا سکتے ہیں کہ بعض خاص حالتوں میں وہ شخص کیا کرے گا۔ اگر ہماری اس پیشین گوئی

میں غلطی ہو تو خود مختاری یا تقدیر کو اس کا سبب نہ قرار دینا چاہیے ، کیونکہ اب تک ان دونوں باتوں کا کچھ ثبوت نہیں ہوا ہے ، بلکہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ یا تو ہم کو اس شخص کے حالات غلط معلوم تھے یا یہ کہ ہم نے اس کے دل کی عام حرکتوں کے سمجھنے میں غلطی کی ۔ اگر ہماری سمجھ صحیح ہو اور اس کے ساتھ ہی اس شخص کے مزاج کے حالات سے بخوبی واقفیت ہو تو ان حالات کے سبب ہم کو پہلے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ شخص کیا کرے گا ۔

پس اب خود مختاری اور تقدیر کے مسئلوں کی بحث سے قطع نظر کر کے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کے افعال میں اور ان باتوں میں جن سے ان افعال کے سرزد ہونے سے پہلے یہ بات معین ہو جاتی ہے کہ اس سے وہ افعال سرزد ہوں گے ، مطابقت کا ہونا ضروری ہے ، کیونکہ یکساں حالتوں میں یکساں نتیجے ہونے چاہئیں اور چونکہ ان افعال کے تمام اسباب یا تو اندر سے ، یعنی دل سے پیدا ہوتے ہیں یا بیرونی چیزوں سے ، اس لیے ان کے نتیجوں میں بھی فرق ہوتا ہے ، یعنی وہ فرق جو انسان کے حالات کے تبدیل ، یعنی ان کے عروج اور ان کے تنزل ، ان کی خوشی اور ان کے رنج کا تاریخوں میں پایا جاتا ہے وہ سب انہی دوہری باتوں کا ، یعنی بیرونی باتوں کے اثر کا دل پر اور دل کے اثر کا بیرونی باتوں پر نتیجہ ہوتا ہے ۔

یہی سب سامان ہیں جس کے ذریعے سے تاریخ فلسفے کے طور پر لکھی جاسکتی ہے ۔ ایک تو انسان کا دل ہے جو خود اپنے وجود کے قانون کی اطاعت کرتا ہے اور جب بیرونی چیزوں کا اس پر کچھ دخل نہیں ہوتا تو بموجب اپنی بناوٹ کے ترقی کرتا ہے ۔ دوسری وہ شے ہے جس کو ہم نیچر کہتے ہیں اور نیچر بھی اپنے قانون کی اطاعت کرتا ہے ، لیکن ہمیشہ انسان کے دل سے

مل کر اس کی دلی خواہش اور ذہن کو اشتعالک دیتا ہے جس کے سبب انسان ایسے فعل کرتا ہے جو بغیر نیچر کی مداخلت کے نہ کرتا۔ پس انسان نیچر کو تبدیل کرتا ہے اور نیچر انسان کو تبدیل کرتا ہے اور اسی آپس کی تبدیلات سے سب واقعات پیدا ہوتے ہیں۔

اب ہم کو اس دوسری تبدیلی کے قانون کے دریافت کرنے کا طریق تحقیق کرنا ہے، لیکن اس سے پہلے اس بات کی تحقیقات ہونی چاہیے کہ ان دونوں قسم کی تبدیلیوں میں سے کونسی زیادہ قوی ہے، آیا انسان کے خیالات اور خواہشوں پر طبعی باتوں کا زیادہ اثر ہوتا ہے یا طبعی باتوں پر انسان کے خیالات اور خواہشوں کا زیادہ اثر پڑتا ہے، تاکہ ان دونوں میں سے جو کونسی چیز زیادہ اثر کرنے والی ہو اسی کے دریافت کرنے میں اگر ممکن ہو تو سب سے پہلے توجہ کریں، کیونکہ اس کے نتیجے زیادہ تر ظاہر ہوں گے اور اس سبب سے باسانی تجربے میں آسکیں گے اور اس میں ایک یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جب ہم بڑی قوت کے قانون کا ایک کلیہ نکال لیں گے تو بہت کم باتیں سمجھنی رہ جائیں گی، مگر اس تحقیقات سے پہلے ہم کو ان صاف اور روشن ثبوتوں کا بیان کرنا مناسب ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ دل کی حرکتیں باقاعدہ ہوتی ہیں۔ اس بیان سے رائے مذکورہ بالا قوی ہو جائے گی اور جس ذریعے سے اس امر میں تحقیقات ہوئی وہ بھی صاف ہو جائے گا۔

جو نتیجے در حقیقت وقوع میں آئے ہیں بے شک نہایت مفید ہیں اور علم اخلاق کے محقق علم الہیات کے ایسے قیاس پر چلے ہیں جو طبیعت کے علم سے متعلق ہے، لیکن جس تحقیقات کا میں ذکر کرتا ہوں وہ بالکل بے شمار واقعات پر مبنی ہے اور وہ واقعات ایسے ہیں جو بہت سے ملکوں میں پائے گئے ہیں اور نہایت صاف طور

ہر ہندسے کی صورت میں بتلائے گئے ہیں اور ایسے لوگوں نے
 اُن کو جمع کیا ہے جو سرکاری اہل کار تھے اور اُن کو کسی
 خاص مسئلے کی پچ یا کسی خاص فائدے کا پاس نہ تھا کہ جس کے
 سبب اُن باتوں کی رپورٹ کی سچائی کو جن کی تحقیقات کا ان کو
 حکم تھا بگاڑتے یا خراب کرتے۔ نہایت وسیع نتیجے جو انسان کے
 افعال کی نسبت نکالے گئے ہیں اور جن پر کسی کو اعتراض نہیں
 ہے، وہ اسی یا اسی قسم کے ذریعے سے نکالے گئے ہیں۔ ملکوں
 کے حالات کے سالانہ نقشوں سے ان کا ثبوت ہوتا ہے اور وہ علم
 حساب کے قاعدے پر بنائے گئے ہیں اور جو کوئی اس بات سے واقف
 ہوگا کہ اس ایک طریقے سے کتنی باتیں دریافت ہوئی ہیں، وہ صرف
 دل کی حرکات کے مطابق ہونے کو ہی نہیں مانے گا، بلکہ اس کو
 یہ بھی یقین ہو جائے گا کہ اگر وہ قوی ذریعے کام میں لائے جائیں
 جو علم کی موجودہ حالت میں حاصل ہو سکتے ہیں تو اور بھی
 بہت سی مفید باتیں دریافت ہوں گی۔ قطع نظر ان تحقیقاتوں کے جو
 آئندہ ہوں گی ہم کو بالفعل صرف انہی ثبوتوں سے مطلب ہے جن
 سے یہ پایا جاتا ہے کہ انسان کے حالات میں جو بذریعہ سالانہ
 نقشوں کے معلوم ہوئے ہیں بالکل مطابقت ہے۔

انسان کے افعال آسان طور پر دو قسموں میں منقسم ہیں؛
 ایک نیک اور دوسرے بد اور چونکہ یہ دونوں قسمیں باہم
 ایک دوسرے سے مناسبت رکھتی ہیں اور انہیں کا مجموعہ
 ہمارے اخلاق ہیں، اس لیے یہ لازم آتا ہے کہ جس سبب سے
 ایک قسم زیادہ ہوتی ہے اسی سبب سے اسی قدر دوسری قسم
 کم ہوتی ہے۔ پس اگر ہم کسی زمانے میں ایک قوم کی
 نیکیوں میں مطابقت پاویں تو ویسی ہی ان کی برائیوں میں
 مطابقت ہوگی۔ یہ دونوں قسم کے افعال جیسے کہ ان کے

نام سے ظاہر ہوتا ہے ، ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ، یا اگر اسی بات کو دوسرے طور سے بیان کریں تو یوں کہہیں گے کہ اگر یہ ثابت ہو سکے کہ انسان کے برے افعال میں سوسائٹی کے تبدیلات کے موافق فرق ہوتا ہے تو اس سے یہی نتیجہ نکلے گا کہ ان کے نیک افعال میں بھی ایسا ہی فرق ہوتا ہے اور نیز یہ بھی نتیجہ نکلے گا کہ اس قسم کا فرق بڑے بڑے اور عام اسباب کا نتیجہ ہے جو تمام سوسائٹی پر اپنا اثر پہنچاتے ہیں اور خاص نتیجہ پیدا کرتے ہیں ، بلا لحاظ ان خاص شخصوں کی خواہش کے جن سے سوسائٹی بنی ہوئی ہے ۔ اگر انسان کے فعل سوسائٹی کی حالت کے بموجب ہوتے ہیں تو اسی قسم کی مطابقت ملنے کی ہمیں امید ہے اور اگر ایسی مطابقت نہ ملے تو ہم لوگ یہی یقین کر سکتے ہیں کہ انسان کے فعل کسی ایسے اصول کے بموجب ہوتے ہیں جس کا کچھ ٹھیک نہیں ہے اور جو ہر ایک شخص میں خاص طور پر ہوتا ہے ، مثلاً خود مختاری وغیرہ ۔

اصل غرض قانون کی یہ ہے کہ بے گناہ بمقابلہ گنہگاروں کے معفوظ رہیں ، اس لیے یورپ کی گورنمنٹوں نے جب ان کو معلوم ہوا کہ لوگوں کے حالات کے نقشے کیسے مفید ہوتے ہیں تو ان جرائم کی نسبت ثبوت جمع کرنا شروع کیا جن کے لیے سزا دینی منظور تھی ۔ یہ ثبوت جمع ہوتا گیا یہاں تک کہ اب یہ از خود لٹریچر ، یعنی علم ادب بن گیا ہے اور بہت سے واقعات نہایت احتیاط سے اور تحقیقات کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں اور زمانہ سابق کے تجربے کی یہ نسبت انسان کے اخلاق کے حالات ان سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں ، مگر چونکہ اس تمہید میں پورا پورا بیان ان نتیجوں کا نہیں ہو سکتا جو نقشوں سے نکلے ہیں ، اس لیے میں دو نہایت ضروری اور بڑی بڑی باتوں کا ذکر کروں گا اور ان کی نسبت کو بیان کروں گا ۔

منجملہ سب جرموں کے قتل ایک ایسا جرم تصور کیا جاتا ہے جو بالکل بے قاعدہ ہے اور اس پر کچھ اختیار نہیں چلتا۔ گو یہ جرم ایک مدت کی بدیوں کا ایک بڑا کام ہے، تاہم جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ اکثر یہ دفعۃً وقوع میں آتا ہے اور جبکہ پیشتر سے بندش ہوتی ہے تو اس میں بھی موافق موقعوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے جو اختیار میں نہیں ہے اور جب وقت آ جائے تو شاید جرم کرنے والے کا دل ٹوٹ جائے اور پھر جرم کا کرنا یا نہ کرنا مخالف غرضوں پر منحصر ہوتا ہے، مثلاً قانون کا خوف، ان سزاؤں کی دھشت جو دین میں لکھی ہیں، جرم کرنے والے کی کانشنس نس و آئندہ افسوس کا اندیشہ و فائدے کی طمع و حسد و بدلہ لینے کا خیال، و نا اُمیدی وغیرہ۔ جب یہ سب باتیں جمع کی جائیں تو ایسے اسباب مخلوط ہو جاتے ہیں کہ ان سببوں میں جن کے ذریعے سے خون ہو سکتا ہے یا منع ہو سکتا ہے کوئی خاص قاعدہ نکلنے کی امید نہیں رہتی، لیکن اب دیکھنا چاہیے کہ اصل بات کیا ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ خون اسی طرح باقاعدہ ہوتا ہے اور خاص معلوم سببوں سے نسبت رکھتا ہے جیسے جوار بھاٹا اور تبدیل موسم۔ موسیو کیوئلٹ جس نے اپنی تمام زندگی مختلف ملکوں کے نقشوں کے جمع کرنے میں صرف کی، اپنی تحقیقات کا نتیجہ یوں بیان کرتا ہے کہ ہر ایک بات جو جرم سے علاقہ رکھتی ہے وہ مکرر ایک ہی تعداد پر وقوع میں آتی ہے اور ایسے جرائم کا بھی جن میں انسان کی پیش بینی کچھ کام نہیں کرتی یہی حال ہے، مثلاً خون جو عموماً اتفاقیہ لڑائیوں کے بعد ہوا کرتا ہے۔ ہم تجربے سے جانتے ہیں کہ ہر سال خون کی تعداد قریب برابر کے ہوتی ہے اور جن اوزاروں سے خون کیا جاتا ہے وہ بھی قریب ایک ہی تعداد پر کام میں لائے جاتے ہیں۔ یہ قول ۱۸۳۵ء میں یورپ کے چلے

اسٹائشین کا ہے اور مابعد کی تحقیقات سے اس کی صحت ہوتی آتی ہے۔ پچھلی تحقیقاتوں سے یہ ایک عجیب بات دریافت ہوئی ہے کہ جرم مکرر ایک تعداد پر صادر ہوتے ہیں اور یہ نسبت نیچر کے قانون کے جو ہمارے جسم کی بیماری اور بربادی سے علاقہ رکھتے ہیں، جرم کا حال پیشتر سے زیادہ معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً فرانس میں ابتدائے سنہ ۱۸۲۶ء لغایت سنہ ۱۸۴۴ء تک جتنے لوگ مجرم قرار پائے اتنے ہی مرد اس زمانے میں پیرس کے اندر موت سے مرے، فرق صرف اسی قدر ہوا کہ جرم کی تعداد کی کمی بیشی موت کی کمی بیشی سے کم ہوئی۔ اسی قسم کا قاعدہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ جرم میں پایا گیا ہے۔ سب جرم ایک ہی قاعدے کے بموجب ایک وقت معین کے بعد برابر صادر ہوتے گئے۔

جو لوگ یہ یقین کرتے ہیں کہ انسان کے افعال ہر شخص کے خاص مزاج کے موافق ہوتے ہیں اور سوسائٹی کی عام حالت سے کچھ تعلق نہیں ہوتا، ان کو یہ بات عجیب معلوم ہوگی، لیکن اس سے بھی زیادہ عجیب ایک بات یہ ہے کہ منجملہ جرائم قابل سزا کے کوئی جرم ہر شخص کے مزاج پر ایسا موقوف نہیں معلوم ہوتا جیسی کہ خود کشی۔ خون یا لوٹنے کی کوششیں رک سکتی ہیں اور روکی بھی گئی ہیں۔ بعض وقت وہی شخص ان کو روک دیتا ہے جس پر حملہ کیا جاتا ہے اور بعض وقت حاکم مانع ہوتے ہیں، لیکن خود کشی کی کوشش میں کم روک ٹوک ہو سکتی ہے۔ جو شخص اپنے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیتا ہے، اس کو اخیر وقت میں دشمن کی لڑائی مانع نہیں ہوتی اور وہ حاکم کی دست اندازی سے بھی آسانی سے بچ سکتا ہے۔ اس کا کام گویا تنہا ہو جاتا ہے، باہر سے اس پر کچھ مداخلت نہیں ہوتی اور

بہ نسبت اور کسی جرم کے زیادہ تر خاص ایک شخص کی مرضی اور خواہش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ برخلاف اور جرائم کے یہ جرم ساتھیوں کے ورغلانے سے بہت کم ہوتا ہے۔ پس جبکہ لوگ ساتھیوں کے ورغلانے سے یہ جرم نہیں کرتے تو ایک بڑی بیرونی بات کا اثر جس سے آزادی دب جائے ان پر نہیں ہوتا، اس لیے خود کشی کی نسبت، جو تنہائی میں ہوتا ہے اور جس پر قانون کا کچھ اختیار نہیں چلتا اور نہ ہوشیار پولیس اس کو کم کر سکتی ہے، عام اصول کا نکلنا اور قاعدہ تلاش کرنا غیر ممکن معلوم ہوتا ہوگا۔ ایک اور مشکل یہ ہے کہ خود کشی کا نہایت عمدہ ثبوت بھی ناکامل ہوتا ہے، مثلاً ڈوب کر مرنا اتفاقیہ خود کشی میں داخل ہو سکتا ہے، لیکن بعض وقت یہی عمدہ ہوتا ہے اور اس کو اتفاقیہ کہتے ہیں۔ پس خود کشی صرف غیر معین اور بے اختیار ہی نہیں معلوم ہوتی، بلکہ اس کا ثبوت بھی نہایت تاریک ہے۔ مذکورہ بالا وجہوں سے اگر اس کے عام سببوں کے دریافت کرنے میں ناامیدی ہو تو معقول ہے۔

جب کہ اس ایک جرم کے یہ حالات ہیں تو یہ بات بھی نہایت تعجب کی ہے کہ جو کچھ ثبوت اس کی نسبت ہمارے پاس ہے اس سے یہ ایک بڑا نتیجہ نکلتا ہے اور دل میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ خود کشی سوسائٹی کی عام حالت کا نتیجہ ہے اور مجرم صرف عمل میں لاتا ہے اس بات کو جو حالات سابق کا ایک ضروری نتیجہ ہے۔ سوسائٹی کی ایک خاص حالت میں ضرور ہے کہ کچھ لوگ جن کی تعداد معین ہے خود کشی کریں۔ یہی عام قاعدہ ہے اور یہ خاص سوال کہ کون یہ جرم کرے گا خاص قاعدوں سے متعلق ہے جو عمل میں بڑے سوشل قاعدے کے، جس کے وہ تابع ہیں، اطاعت کرتے ہیں اور بڑے قاعدے کی ایسی قوت

ہوتی ہے کہ نہ زندگی کی محبت اور نہ عاقبت کا خوف ان کے عمل کو روک سکتا ہے۔ اس عجیب قاعدے کے اسباب کو میں آئندہ لکھوں گا، لیکن قاعدے کا وجود ہر شخص کو معلوم ہے جو اخلاق کی باتوں کے نقشوں کو بھی جانتا ہے۔ مختلف ملکوں میں جہاں کے نقشے ہمارے پاس موجود دیں، معلوم ہوتا ہے کہ سال بسال خود کشی کرنے والوں کی تعداد برابر ہوتی ہے۔ پس بلحاظ اس کے کہ پورا پورا ثبوت نہیں مل سکتا ہم پیشتر سے بتا سکتے ہیں کہ آنے والے زمانے میں کتنے لوگ خودکشی کریں گے، بشرطیکہ سوسائٹی کے حالات کچھ زیادہ تبدیل نہ ہو جائیں۔ لندن میں بھی، باوجود ان تبدیلات کے کہ جو دنیا کے سب سے بڑے اور نہایت عیاش دارالخلافت میں ہوا کرتے ہیں، بہت مطابقت اور قاعدہ پایا جاتا ہے۔ امور متعلق انتظام ملکی و تجارت اور قحط سالی کی تکلیفیں، یہی سب خودکشی کے سبب ہیں اور یہ ہمیشہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں، تاہم اس وسیع دارالخلافت میں قریب دو سو چالیس آدمیوں کے خودکشی کرتے ہیں۔ عارضی سبب سے سالانہ خودکشی کی تعداد میں فرق بھی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد دو سو چھیاسٹھ ہوتی ہے اور کم سے کم دو سو تیرہ۔ ۱۸۴۶ء میں جس سال ریلوے کے سبب بڑا انقلاب ہوا، لندن میں دو سو چھیاسٹھ آدمیوں نے خودکشی کی۔ ۱۸۴۷ء میں کچھ کمی شروع ہوئی اور تعداد دو سو چھپن ہوئی۔ ۱۸۴۸ء میں دو سو سینتالیس اور ۱۸۴۹ء میں دو سو تیرہ اور ۱۸۵۰ء میں دو سو انتیس۔

یہی چند ثبوت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سوسائٹی کی یکساں حالت میں ایک قسم کے جرم ضرور مکرر ہوتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ نتیجہ خاص خاص منتخب واقعات سے

نہیں نکالا گیا ہے ، بلکہ یہ عام نتیجہ جرم کے بہت وسیع نقشوں سے نکالا گیا ہے اور ان نقشوں میں لاکھوں تجربے بہت سے ملکوں کے جن میں مختلف درجوں کی تہذیب ، مختلف قانون ، مختلف رائے ، مختلف اخلاق اور مختلف عادات جاری تھیں ، مندرج ہیں اور اگر ہم یہ بھی لکھیں کہ ان نقشوں کے حالات ایسے شخصوں نے جمع کیے جو خاص اسی کام کے لیے نوکر تھے اور ان کو ہر ایک ذریعہ حقیقت حال کے دریافت کرنے کا حاصل تھا اور دھوکا دینے میں ان کی کوئی غرض نہ تھی تو بے شک یہ بات تسلیم کی جائیگی کہ جرم کا ایک قاعدہ معین کے بموجب صادر ہونا ایک ایسا امر ہے کہ جو انسان کے اخلاق کی تاریخ کے اور کسی امر کی بہ نسبت زیادہ ثابت ہے ۔ ان نقشوں میں متوازی سلسلہ شہادت کا پایا جاتا ہے جو بموجب مختلف حالتوں کے نہایت احتیاط کے ساتھ جمع کیا گیا ہے اور سب سے یہی ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کے جرم ایک مجرم کی برائی کا نتیجہ نہیں ہے ، بلکہ اس سوسائٹی کی حالت کا نتیجہ ہے جس میں وہ مجرم رہتا ہے ۔ اس نتیجے کا ثبوت صاف و عیاں ہے اور دنیا میں سب لوگ اس کو دیکھ سکتے ہیں اور ایسا ہی کہ وہ تصورات جن کے ذریعے سے متافزیشین اور تھیولوجین نے گزشتہ واقعات کی تحقیقات کو پریشانی میں ڈال رکھا ہے ، اس کو رد نہیں کر سکتے ۔

وہ لوگ جو اس بات سے واقف ہیں کہ طبعی باتوں میں نیچر کے قاعدوں کے بجا لانے میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے ، وہ اخلاق کی باتوں میں بھی ویسا ہی فرق پاویں گے ۔ یہ فرق دونوں حالتوں میں چھوٹے چھوٹے قانونوں سے پیدا ہوتا ہے جو خاص موقعوں پر بڑے قانون سے ملتے ہیں اور ان کی اصلی اور باقاعدہ تاثیر کو تبدیل کر دیتے ہیں ۔ اس کی نہایت عمدہ مثال جرثقیل

کے اس عمدہ اصول میں پائی جاتی ہے جس کو متوازی الاضلاع کے زوروں کی قوت کہتے ہیں اور جس کے بموجب قوتوں میں وہی نسبت ہوتی ہے جو ان قوتوں کی شکل متوازی الاضلاع کی قوتوں میں ہوتی ہے۔ یہ قاعدہ بہت بڑے بڑے نتیجوں سے بھرا ہوا ہے اور قوتوں کا ملانا اور ان کا علیحدہ علیحدہ کرنا اسی قاعدے سے متعلق ہے اور جو شخص اس دلیل سے واقف ہے جس پر یہ قاعدہ مبنی ہے وہ کبھی اس کے ٹھیک ہونے میں کسی شبہ کا بھی خیال نہ کرے گا، مگر جب اس قاعدے کو کام میں لایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اور قاعدے اس کو چمٹے ہوئے ہیں، یعنی ہوا کی رگڑ کے قاعدے اور ان جسموں کی بناوٹ کا اختلاف جن پر زور لگایا جاتا ہے اور جب اس قسم کے امور پیش آتے ہیں تو اصلی اور سیدھا اثر جرتھقل کے قاعدے کا مختلف ہو جاتا ہے۔

لیکن گو قاعدے کے نتائج میں فرق ہوتا ہے، تاہم قاعدہ تبدیل نہیں ہوتا۔ اسی طرح پر اس بڑے سوشل قاعدے میں کہ انسان کے افعال ان کی خواہش کے نتیجے نہیں ہیں، بلکہ حالات ماسبق کے نتیجے ہیں، بہت فرق ہوتا ہے، لیکن اصل حقیقت پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ایک ملک کے جرم کی تعداد میں جو سال بسال نہوڑا تھوڑا فرق ہوتا ہے اس کے سمجھنے کے لیے بیان مندرجہ بالا کافی ہے۔ بلحاظ اس امر کے کہ بہ نسبت نیچر کے سامان کے اخلاق کے متعلق بہت سی چیزیں ہیں تعجب اس بات کا ہونا ہے کہ باوجود اس کے فرق زیادہ نہیں ہے اور فرق کے ایسے خفیف ہونے کے سبب سے ہم خیال کر سکتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے سوشل قاعدے کیسے قوی ہیں کہ جن میں ہمیشہ مداخلت ہوتی ہے، لیکن وہ ہر ایک مشکل کو طے کرتے ہیں۔

انسان کے جرائم میں ہی ایسی مطابقت نہیں پائی جاتی، بلکہ

جس قدر شادیاں ہر سال ہوتی ہیں وہ بھی لوگوں کے مزاج اور خواہش کے موافق نہیں ہوتیں، بلکہ بڑے بڑے عام واقعات کے سبب سے ہوتی ہیں جن پر آدمی کا کچھ اختیار نہیں چلتا۔ یہ امر ظاہر ہے کہ شادی اور اناج کی قیمت میں ایک قسم کی خاص نسبت ہوتی ہے۔ انگلستان میں سو برس کے تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ شادیوں کو لوگوں کے ذاتی خیالات سے کچھ تعلق نہیں ہوتا، بلکہ لوگوں کی جماعت کثیر کی آمدنی کے بموجب ہوتی ہیں۔ پس یہ بڑی سوشل اور مذہبی بات قیمت خوراک اور نرخ اجرت پر منحصر ہوتی ہے۔ اسی طور پر اور باتوں میں بھی مطابقت اور قاعدہ پایا جاتا ہے، گو سبب ان کے باقاعدہ ہونے کا اب تک ظاہر نہیں ہے، مثلاً یادداشت کی غلطیوں میں بھی ایسا ہی عام قاعدہ پایا جاتا ہے جس کو ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ لندن اور پیرس کے ڈاکخانوں میں اخیر زمانے میں ایسے خطوں کی فہرست مشترک ہوئی جن کے لفافوں پر لکھنے والوں نے بھول کر پتا نہیں لکھا تھا اور بالفرض اس بات کے کہ اس کا سبب مختلف ہوا ہوگا، سال بسال وہ فہرست ایک دوسرے کی نقل ہوتی تھی۔ ہر سال اسی تعداد کے چٹھی لکھنے والے اس آسان کام کو بھولتے تھے۔ پس ہم پیشتر سے بتا سکتے ہیں کہ ہر ایک زمانہ آئندہ معین میں کتنے لوگ اس خفیف کام کو جو اتفاقیہ بات معلوم ہوتی ہے بھولیں گے۔

ایسے لوگ جن کو واقعات کے باقاعدہ ہونے کا مضبوط خیال ہے اور جنہوں نے اس بڑی حقیقت کو خوب سمجھ لیا ہے کہ انسان کے افعال جو حالات ماسبق کے بموجب ہوتے ہیں کبھی بے قاعدہ نہیں ہوتے، گو ظاہر میں بے قاعدہ معلوم ہوں، لیکن اصل میں ایک بڑے عام انتظام کے جزو ہیں جس کے نقشے کو ہم علم کی موجودہ حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ جو اس بات کو

سمجھتے ہیں اور یہی تاریخ کی جڑ اور تاریخ کی کنجی ہے ، ان کو بیان مذکورہ بالا سے کچھ تعجب نہ ہوگا ، بلکہ صاف یہ معلوم ہو جائے گا کہ جن نتیجوں کا اوپر ذکر ہوا انہیں کی امید ہونی چاہتے تھے اور وہی بہت دن پیشتر معلوم ہو جانا چاہتے تھے ۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ تحقیقات کی ترقی اب بہت جلد اور دل سے ہوتی جاتی ہے اور مجھ کو کچھ شک نہیں ہے کہ ایک سو برس کے پیشتر سلسلہ ثبوت کا پورا ہو جائے گا اور پھر شاذ و نادر کوئی ایسا مورخ ملے گا جو اخلاق کی باتوں کے باقاعدہ ہونے سے انکار کرے ، جیسے کہ اب بہت کم ایسا کوئی عالم ہے جو دنیا کی باتوں کے باقاعدہ ہونے سے انکار کرتا ہو ۔

واضح ہو کہ ہمارے افعال کے لیے ایک قاعدہ ہونے کا ثبوت لوگوں کے حالات کے نقشوں سے نکالا گیا ہے ۔ یہ شاخ علم کی گو اب تک اپنی ابتدائی حالت میں ہے ، تاہم بہ نسبت تمام علوم کے انسان کے نیچر کی تحقیقات میں اس نے بہت روشنی بخشی ہے اور گو نہایت یہ قوی ذریعہ حقیقت کے دریافت کرنے کا ہے ، تاہم ہم کو یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ کوئی ذریعہ باقی نہیں ہے جو اس طرح پر ترقی پا سکتے ہیں اور نہ یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ علوم طبیعی سے اور تاریخ سے آج تک کچھ نسبت نہیں رکھی گئی ، اس لیے ان دونوں میں کچھ نسبت نہیں ہو سکتی ۔ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان اور بیرونی دنیا کیسے آپس میں ملتے ہیں تو کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ انسان کے افعال اور نیچر کے قاعدوں میں نسبت قریبی ہے ۔ اگر علم طبیعی اور تاریخ سے آج تک نسبت نہیں رکھی گئی تو اس کا سبب یا تو یہ ہے کہ مورخوں نے اس مناسبت کو دیکھا نہیں یا یہ کہ دیکھا ہو ، لیکن ان کو

اس قدر علم اور واقفیت نہیں کہ اس کے عمل کی تہ کو پہنچیں ۔ اسی سبب سے بیرونی اور اندرونی باتوں کی تحقیقات میں جدائی رہی اور گو یورپ کے لٹریچر کی موجودہ حالت سے آثار پائے جاتے ہیں کہ یہ مصنوعی روک توڑ ڈالی جائے ، تاہم یہ تسلیم کرنا ضرور ہوگا کہ اب تک اس بڑی غرض کی تکمیل کے لیے کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے ۔ علم اخلاق و علم النہیات و علم باطنی کے عالم اپنے اپنے علم کی تحصیل کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں سائنس جاننے والے لوگوں سے متعلق ہیں اور اکثر یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی تحقیقات مذہب کے لیے مضر ہے اور انسان کی سمجھ پر غیر واجب بھروسا ہوتا ہے ، لیکن برخلاف اس کے علم طبیعی کے بڑھانے والے ، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ ترقی کرنے والے ہیں ، اپنی کامیابی پر فخر کرتے ہیں اور اپنی تحقیقاتوں کا مقابلہ اپنے مخالفوں کی بے حرکت حالات سے کر کے ایسے علم کی تحصیل سے نفرت کرتے ہیں جس کا بے فائدہ ہونا سب پر ظاہر ہے ۔

مورخ کا یہ کام ہے کہ ان دونوں فریق کے بیچ میں پڑ کر ان کے مخالفانہ دعوے کو مطابق کر دے اور بتلا دے کہ کس مقام پر ان کے خاص خاص علوم کو مطابق ہونا چاہیے اور اس اتفاق کی صورت قائم کرنا وہی تاریخ کی بنیاد قائم کرنا ہے ۔ چونکہ تاریخ میں انسان کے افعال کا ذکر ہوتا ہے اور انسان کے افعال بیرونی و اندرونی باتوں کے میل سے پیدا ہوتے ہیں ، اس لیے ضرور ہے کہ ان باتوں کی حقیقت دریافت کی جائے اور یہ بھی دریافت کیا جائے کہ کہاں تک ان کے قاعدے معلوم ہیں اور علم باطن اور نیچر کے جاننے والوں کے پاس آئندہ تحقیقات کے لیے کیا سامان ہیں اس کا بیان آئندہ کیا جائے گا اور اگر

اس میں کچھ کامیابی ہوئی تو مصنف کی اس قدر تو تعریف ہوگی کہ اس نے اس اور بڑے خوفناک کڑھے کی ، جو ایسی باتوں کو علیحدہ کرتا ہے جس میں نسبت قریبی ہے اور جس کو کبھی جدا نہ ہونا چاہیے ، بھرنے کی کوشش کی ۔

کالڈیا کی نظم میں طوفان کا ذکر

(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۱۰ (دور سوم) بابت

یکم رجب ۱۳۱۳ء)

کالڈیا کے کھنڈرات جب کھودے گئے تو اُس میں سے بہت سی قدیم چیزیں بت اور مکانات وغیرہ نکلے ہیں۔ اُنہی کھنڈرات میں سے بہت سی اینٹیں نکلیں جن پر کالڈی حرفوں اور کالڈی زبان میں بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ اینٹیں بنائی گئیں اور ان پر جو لکھنا تھا وہ لکھا اور پھر اُن کو آگ میں پکا لیا۔ یہ اینٹیں نینوا کے کھنڈرات میں سے ملی ہیں اور لندن کے برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔

ان اینٹوں پر ایک نظم کندہ ہے اور گیارہ اینٹیں جو نکلی ہیں اُن پر مسلسل وہ نظم چلی جاتی ہے، مگر نظم کے سلسلے سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ اینٹیں تھیں اُن میں سے ایک اینٹ نہیں ملی۔ مسٹر جارج اسمتھ نے ۱۸۷۲ء میں اُن اینٹوں پر جو کچھ لکھا ہوا تھا اُس کو پڑھا اور مطابق سلسلہ نظم کے جو گیارہویں اینٹ ہے اُس پر طوفان کا قصہ اس طرح لکھا ہے۔

مگر اس قصے میں جو نام آئے ہیں وہ غیر مانوس ہیں، اس لیے ہم اول اُن ناموں کو مع اعراب لکھ دیتے ہیں، تاکہ پڑھنے والوں کو آسانی ہو۔

هَسَى سَادَرَا

نام شہر

سِرْبَاک

نام دیوتا

اَنُو

بے کا زیر اور یائے مجھول

بِیْل

پہلے دونوں نون پر کھڑا زیر

نَنِیْب

اَنُوکِی

الف کا زیر اور یائے مشدد

ایَا

نام بادشاہ

اَوْبَارْتُوْتُو

بفتح میم

شَمَش

نون کے نیچے کھڑا زیر۔ نام عطار

نِیْبُو

یعنی سرخ

نِرْکَال

پہلے نون پر پیش، دوسرا ساکن تیسرا مفتوح

اَنَنْکِی

رَمَان

یعنی زہرا

اَشْتَر

نام شہر

نَنِیْوَا

مضمون طوفان نظم میں جو گیارہویں اینٹ پر کندہ ہے

ہسی سادرا (صبح کا سورج) اپنی اولاد کے سوال کے جواب میں
اس طرح اپنا بیان شروع کرتا ہے :

اے ازدوبار! (آگ کا ڈھیر) میں تجھ کو بتاؤں گا کہ میں
طوفان سے کس طرح بچایا گیا تھا اور نیز بڑے خداؤں کا حکم بھی
تجھ کو بتلاؤں گا۔ تو شہر سر پاک کو جو دریائے فرات کے پاس
ہے جانتا ہے۔ یہ شہر بہت قدیم تھا۔ جبکہ خداؤں کے دلوں میں
اس بات کی تحریک ہوئی کہ ایک بڑے طوفان کا حکم دیں۔
آن مس کے دلوں میں، آن کے باپ آنو کے دل میں، آن کے
مشیر جنگجو بیل کے دل میں، آن کے تحت بردار ننیب اور ان کے
پیشوا انوگی کے دل میں لا اتھا عقل کا مالک، یعنی خدا ”ایا“
آن کے ساتھ تھا اور اسی نے مجھ کو خداؤں کا فیصلہ بتلایا۔
اُس نے، یعنی ”ایا“ نے کہا کہ ”سن اور توجہ کر۔!!“

سر پاک کے آدمی^۱ اوبار توتو کے بیٹے اپنے گھر کے باہر جا
اور اپنے لیے ایک جہاز بنا۔ اُنہوں نے، یعنی خداؤں نے ارادہ
کر لیا ہے زندگی کے بیج کے تباہ کرنے پر، لیکن تو اُس کو بچا
اور ہر قسم کی جان کا بیج جہاز میں لا۔ جو جہاز تو بنائے گا
اس کو اتنا طول میں ہونا چاہیے اور اتنا عرض اور بلندی میں
(ہندسے طول و عرض اور بلندی کے مٹ گئے) اور اس کو تختوں
سے ڈھانک دے۔

جب میں نے یہ سنا تو میں نے اپنے خداوند ایا سے کہا، اگر
میں جہاز بناؤں جیسا کہ تو مجھ کو حکم دیتا ہے تو اے خداوند

۱۔ یہ قدیم زمانے میں کالڈیا کے بادشاہوں میں سے نوان بادشاہ ہے

جن کا حال افسانوں میں درج ہے اور اس لفظ کے معنی ہیں شفق ۱۲۔

وگ اور آن کے بڑے بوڑھے مجھ پر ہنسیں گے ، لیکن ایسا نے اپنے ہونٹ ایک دفعہ اور کھولے اور مجھ اپنے نوکر سے بولا ”آدمیوں نے میرے خلاف بغاوت کی ہے اور میں آن کا انصاف کروں گا اعلیٰ و ادنیٰ سب کا ، لیکن تو جہاز کا دروازہ بند کر دیجو جب وقت آئے اور میں تجھ کو بتلا دوں گا تب جہاز میں داخل ہو اور اس میں اپنے اناج کا ذخیرہ لا ۔ اپنا تمام اسباب ، اپنے گھر بار کے لوگ ، اپنے مرد نوکر اور عورت نوکر اور اپنے قریب کے رشتہ دار ، میدان کے مویشی اور میدان کے جنگلی جانوروں کو میں خود تیرے پاس بھیج دوں گا ، تاکہ وہ تیرے دروازے کے پیچھے محفوظ رہیں ۔ تب میں نے جہاز بنایا اور کھانے پینے کی چیزوں کو اس میں ذخیرہ کیا اور میں نے اندر کے حصے کو (کمروں کی تعداد کے ہندسے مٹ گئے) کمروں میں تقسیم کیا اور دروازوں کو دیکھا اور آن کو بھر دیا ۔ میں نے اس کی بیرونی سطح پر اور اس کے اندر کی طرف روغن قیر مل دیا اور جو کچھ کہ میرے پاس تھا وہ میں نے فراہم کیا اور اس کو جہاز میں بھر دیا جو کچھ کہ میرے پاس سونے کا تھا یا چاندی کا اور ہر قسم کی جان کا بیج ، تمام اپنے مرد نوکر اور عورت نوکر اور میدان کے مویشی اور میدان کے جنگلی جانور اور اپنے نہایت قریبی دوست اور جبکہ شمس (آفتاب) مقررہ وقت کو لایا تو ایک آواز نے مجھ سے کہا کہ آج شام کو آسمان تباہی برسائیں گے ، اس لیے تو جہاز میں چلا جا اور اپنا دروازہ بند کر لے ؛ مقررہ وقت آ گیا ہے ۔ آواز نے کہا آج شام کو آسمان تباہی برسائیں گے اور اس دن کے سورج کے غروب ہونے سے مجھ کو بہت ہی ڈر لگا جس دن کہ میں اپنا دریائی سفر شروع کرنے کو تھا ۔ میں بہت ہی خوف زدہ تھا ، تاہم میں جہاز میں داخل ہوا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا ، تاکہ جہاز بند ہو جائے اور میں نے بڑے جہاز کو مع

آس کے تمام لدے ہوئے اسباب کے ہتواریے کے سپرد کر دیا ۔ تب ایک بڑا سیاہ بادل آسمانوں کی گہرائیوں میں سے اٹھتا ہے اور ”رمان“ اس کے پیچ میں گرجتا ہے اور اس اثنا میں ”نی بو“ (عطارد) اور ”نرگال“ (مریخ) ایک دوسرے کے مقابلے میں آتے ہیں اور تخت بردار پہاڑوں اور گھائیوں پر پھرتے ہیں ۔ زبردست خدا وبا کا آندھیوں کو کھول دیتا ہے ۔ ”نیب“ نہروں میں طغیانی کو برابر جاری کر دیتا ہے اور ”اننگی“ زمین کی گہرائی سے سیلابوں کو اوپر لاتے ہیں اور ان کی شدت سے زمین لرزتی ہے ۔ رمان کے پانیوں کا مجمع آسمان تک بلند ہوتا ہے ۔ روشنی تاریکی سے بدل جاتی ہے ۔ ابتری اور تباہی سے زمین بھر جاتی ہے ۔ بھائی بھائی کا خیال نہیں کرتا اور آدمی ایک دوسرے کا خیال نہیں کرتے ۔ آسمانوں میں خدایان بھی ڈرے ہوئے ہیں اور ”آنو“ کے سب سے اعلیٰ آسمان میں پناہ لیتے ہیں اور جس طرح کہ کتا اپنے بھٹ میں اسی طرح خدایان آسمان کے کھرے کے پاس دبک جاتے ہیں ۔ ”اشتر“ (زہرا) رنج میں چلاتی ہے ، دیکھو! سب کچھ کیچڑ ہو گیا ۔ جیسا کہ میں نے خداؤں سے پیشین گوئی کی تھی ۔ میں نے اس تباہی اور اپنی مخلوقات انسانی کی بربادی کی پیشین گوئی کر دی تھی، لیکن میں ان کو اس لیے پیدا نہیں کرتی کہ وہ سمندروں کو پھیلیوں کے جھول کی طرح بھر دیں ۔ سب خدایان آس کے ساتھ روئے اور ایک جگہ ہر روتے پیٹے بیٹھے ۔ چھ دن اور سات راتوں تک ہوا اور طغیانی اور طوفان نہایت زور شور پر رہا ، لیکن ساتویں دن کے طلوع ہونے پر طوفان کم ہوا اور پانیوں نے جو مثل عظیم الشان فوج کے لڑ رہے تھے اپنا زور کم کیا ۔ سمندر پسپا ہوا اور طوفان اور طوفانی دونوں بند ہو گئے ۔ میں سمندر میں ادھر ادھر جہاز کو چلاتا رہا ، اس بات پر زاری کرتا ہوا کہ آدمیوں کے گھر کیچڑ ہو گئے ۔

لاشیں لکڑیوں کے ٹکڑوں کی طرح ادھر ادھر بہہ رہی تھیں۔ میں نے ایک سوراخ کو کھولا اور جب دن کی روشنی میرے چہرے پر پڑی تو میں کانپنے لگا اور بیٹھ گیا اور رونے لگا۔ میں ان ملکوں پر جہاز کو چلاتا رہا جو اب خوفناک سمندر بن گئے ہیں۔ تب ایک قطعہ زمین پانی میں سے اٹھا۔ جہاز زمینِ نریر کی طرف چلا اور نریر کے پہاڑ نے جہاز کو مضبوط پکڑ لیا اور اس کو جانے نہیں دیا۔ اسی طرح پہلا دن اور دوسرا دن اور تیسرا دن اور چوتھا دن اور پانچواں دن اور چھٹا دن بھی گزرا۔ ساتویں دن کے طلوع ہونے پر میں نے ایک فاختہ لی اور اس کو بادر بھیجا، فاختہ ادھر ادھر گئی، لیکن کوئی قیام کی جگہ اس کو نہیں ملی اور واپس آئی۔ پھر میں نے ایک ابابیل لی اور اس کو باہر بھیجا۔ ابابیل ادھر ادھر باہر گئی، لیکن کوئی قیام کی جگہ نہیں پائی اور واپس آئی۔ پھر میں نے ایک کوا لیا اور اس کو باہر بھیجا۔ کوا باہر گیا اور جب اس نے دیکھا کہ پانی کم ہو گیا ہے تو پھر قریب آیا پانی میں احتیاط سے تیرتا ہوا، لیکن واپس نہیں آیا۔ تب میں نے تمام جانوروں کو باہر چھوڑ دیا، آسان کی ہواؤں کے چاروں طرف اور قربانی چڑھائی۔ پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی پر میں نے قربان گاہ بنائی اور پاک برتنوں کو سات سات کر کے اس پر رکھا اور نرسل بچھایا اور سیڈر درخت کی لکڑی اور میٹھی نباتات نرسل کے نیچے رکھی۔ خداؤں نے بو سونگھی۔ خداؤں نے میٹھی خوشبو سونگھی اور مکھیوں کی طرح قربانی کے گرد جمع ہو گئے۔ جب خدائی ”اشتر“ آئی تو اس نے بلندی پر اپنے باپ ”آنو“ کی بڑی کمانیں پھیلا دیں اور کہا مجھ کو اپنی گردن کی ہیکل کی قسم ہے کہ میں ان دنوں کا خیال

رکھوں گی اور ان کی یاد کو کبھی نہیں بھلاؤں گی ۔ تمام خدایان قربان گاہ پر آویں صرف ”ییل“ نہیں آئے گا ، کیونکہ اُس نے اپنے غصے کو ضبط نہیں کیا اور طوفان برپا کیا اور میرے آدمیوں کو تباہی کے سپرد کیا ۔ اس کے بعد جب ”ییل“ قریب آیا اور جہاز کو دیکھا تو بہت ہی بے چین ہوا اور خداؤں اور آسمان کی روحوں کے خلاف ”ییل“ کے دل میں غصہ بھر گیا اور وہ چلایا ”ایک جان بھی نہیں بچے گی ، ایک آدمی بھی تباہی سے بچ کر زندہ نہیں نکلے گا۔“ تب خدا ”نیب“ نے اپنے ہونٹ کھولے اور جنگجو ”ییل“ سے مخاطب ہو کر کہا ”سوائے ”ایا“ کے اور کون کر سکتا تھا ”ایا“ کو معلوم تھا اور اُس نے اُس کو ، یعنی ”ہسی سادرا“ کو ہر ایک چیز بتلا دی تھی۔“ تب ”ایا“ نے اپنے ہونٹ کھولے اور جنگجو ”ییل“ سے مخاطب ہو کر کہا ”تو خداؤں کا زبردست سردار ہے ، لیکن اس طرح بے سمجھے ہو جھے تو نے کیوں کام کیا اور یہ طوفان برپا کیا ۔ گنہگار اپنے گناہ کی سزا پائے اور بدکار اپنی بدکاری کی ، لیکن اس آدمی پر مہربان ہو کہ وہ تباہ نہ کیا جائے اور اُس کی طرف سے اچھا خیال رکھ ، تاکہ وہ حفاظت سے رہے اور بچائے ایک اور طوفان لانے کے شیروں کو اور چرغوں کو آنے دے اور ان آدمیوں کی تعداد میں سے لے جانے دے ۔ قحط بھیج زمین کے ویران کرنے کے لیے یا وبا کے خدا کو اجازت دے کہ آدمیوں کو گرا دے ۔ میں نے ”ہسی سادرا“ کو بڑے خداؤں کا فیصلہ بتلایا نہیں تھا ۔ میں نے تو صرف ایک خواب اس پاس بھیجا تھا اور وہ اس خواب کو سمجھ کر خبردار ہو گیا۔ تب ”ییل“ اپنے ہوش میں آیا اور وہ جہاز میں داخل ہوا ۔ میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو اوپر اٹھایا۔ اُس نے میری بیوی کو بھی اٹھایا اور اُس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھا ۔ پھر وہ ہماری طرف مڑا اور ہم دونوں کے بیچ میں

کھڑا ہو گیا اور یہ دعا ہم کو دی ” اب تک تو ” ہسی سادرا“ صرف انسان تھا، لیکن اب وہ مع اپنی بیوی کے خداؤں کی برابر بلند رتبہ کر دیا جائے گا۔ وہ ” ہسی سادرا“ دور دراز زمین میں دریاؤں کے دھانے کے پاس رہے گا، پھر انہوں نے، یعنی خداؤں نے مجھ کو لیا اور مجھ کو ایک دور دراز زمین میں دریاؤں کے دھانے کے پاس منتقل کر دیا۔ (انتہی)

اس قصے پر یورپ کے عالموں کے خیالات

یورپ کے عالموں کا خیال ہے کہ یہ نظم کم سے کم دو ہزار برس پیشتر ولادت حضرت مسیح کے ہے، یعنی ۲۰۰۰ دنیوی کے۔ وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ قصہ کوئی اصلی قصہ نہیں ہے، بلکہ صرف فرضی قصہ ہے۔ منطقة البروج کے بارہ برجوں میں جب آفتاب دورہ کرتا ہے اور ہر ایک برج میں آفتاب کے جانے سے موسم کا جو حال ہوتا ہے اسی کے مناسب استعارے میں اُس برج کا نام رکھا گیا ہے اور اسی کے مناسب اُس برج کی صورت قرار دی ہے۔ پس یہ فرضی قصہ ہے آفتاب کی گردش کا اور اس سے موسم میں تغیر ہونے کا جبکہ وہ گیارہویں برج، یعنی دلو میں ہوتا ہے۔ (انتہی)

واضح ہو کہ برج دلو کی صورت آسمان پر بلحاظ آن ستاروں کے جو اُس مقام پر ہیں اس طرح پر قرار دی ہے کہ ایک آدمی گھٹنے جھکائے کھڑا ہے، اُس کے ہاتھ میں اوندھا ڈول ہے اور بہت سا پانی اٹھیل رہا ہے، جس سے اشارہ کثرت بارش سے ہے اور ایک ہاتھ میں کسی درخت کے پتے ہیں، شاید زیتون کے ہوں۔ عربی زبان میں اُس صورت کا نام ”ساکب الماء“ رکھا گیا ہے۔ جب آفتاب اس برج میں ہوتا ہے تو کالڈیا میں نہایت کثرت سے بارش ہوتی ہے۔ کالڈیا والے اُس کو مصیبت کا مہینہ کہتے تھے اور کچھ شبہ نہیں کہ جب وہ وحشیانہ طور سے رہتے تھے اور مکانات بنانے نہیں

جانتے تھے اور بارش کی کثرت ہوتی تھی اور دجلہ اور فرات دریاؤں اور آس کی ندیوں میں طغیانی ہوتی تھی تو کالڈیا والوں کو نہایت مصیبت کا زمانہ ہوتا ہوگا۔ یورپ کے عالموں کا جب یہ خیال ہے کہ یہ اینٹیں جو نکلی ہیں بہت قدیم ہیں تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ”یہودیوں نے کالڈیا والوں سے طوفان اور دنیا کی پیدائش کا حال لیا ہے“ اور طوفان کا بیان صرف ایک افسانہ ہے۔

ہماری تحقیق اور رائے

ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہودیوں نے کالڈیا والوں سے طوفان کا حال لیا ہے، بلکہ طوفان جس کا ذکر توریت اور قرآن مجید میں ہے اصلی واقعہ ہے۔ فرضی اور غیر واقعی قصہ نہیں ہے۔ وہ قصہ نوح کی اولاد میں بطور روایت چلا آتا تھا۔ نوح کی اولاد اور آس ملک کے قریب رہنے والے جہاں طوفان آیا تھا اور جن کا ملک طوفان سے بچ گیا تھا جہاں جہاں جا کر بسے اس قصے کی روایت اپنے ساتھ لیتے گئے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جو اینٹیں نینوی سے نکلی ہیں وہ بہت قدیم ہیں، مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ واقعی اور اصلی طوفان کے بعد کی ہیں۔ اگرچہ ہم توریت کے زمانوں کو صحیح نہیں مانتے اور نہ اس پر یقین کرتے ہیں کہ صرف چار ہزار برس پیشتر حضرت مسیح کی ولادت کے دنیا پیدا ہوئی اور آج تک دنیا کی عمر صرف ۵۸۹۹ برس کی ہے، لیکن ہم اسی حساب سے بتلاتے ہیں کہ یہ اینٹیں جو نینوی سے نکلی ہیں طوفان سے پہلے کی نہیں ہو سکتیں۔

مطابق حساب عبری توریت کے طوفان آیا تھا سنہ ۱۶۵۷ دنیوی یعنی ۲۳۴۷ برس قبل ولادت حضرت مسیح کے۔ پس اگر تسلیم کر لیا جاوے کہ یہ نظم جو ان اینٹوں پر ہے حضرت مسیح

کی ولادت سے دو ہزار برس پیشتر کی ہے تو بھی اس حساب سے وہ نظم بعد طوفان کے لکھی گئی ہوگی اور روایت طوفان کی اس کے پہلے سے چلی آتی ہوگی۔

کوئی شخص جو نیچرل سائنس سے واقف ہے ہرگز یقین نہیں کر سکتا کہ طوفان ساری دنیا میں آیا تھا اور اونچے سے اونچے پہاڑ جو دنیا میں ہیں ان سے بھی پانی اونچا ہو گیا تھا اور ہمارے نزدیک قرآن مجید سے ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہے کہ تمام دنیا میں طوفان آیا تھا۔ پس طوفان ایک محدود قطعہ زمین میں تھا جو فرات اور دجلہ کے درمیان اور اس کے گرد و نواح کی نشیبی زمین میں سمندروں کے کنارے تک واقع ہے جہاں حضرت نوح رہتے تھے اور مینہ کی کثرت اور ان دونوں دریاؤں اور اس کی ندیوں کی طغیانی سے طوفان ہوا تھا۔ اس طرح کا طوفان ہونا کوئی عجیب اور غیر طبیعی امر نہیں ہے۔ اس زمانے میں بھی بعض قطعات ملک میں طوفان ہو جاتا ہے جیسے کہ ہمارے زمانے میں جونپور اور مراد آباد میں ان ندیوں کی طغیانی سے جو ان میں بہتی ہیں اور دریائے سندھ کی طغیانی سے پنجاب میں اور گوہنا کی جھیل کا بند ٹوٹنے سے اس کے اطراف میں ہوا تھا۔

کالڈیا کا ملک طوفان سے بالکل برباد ہو گیا تھا اور اس سے کوئی مورخ انکار نہیں کر سکتا کہ بعد طوفان کالڈیا میں نوح کی نسل کے لوگ اور غالباً اور ملکوں کے لوگ بھی جو طوفان کے صدمے سے محفوظ رہے تھے آکر آباد ہوئے تھے۔ ان ملکوں کے لوگ طوفان کی روایت سے ناواقف نہیں تھے اور طوفان کی روایت اپنے ساتھ لائے تھے۔ اگر ہم توریت کے بیان پر اعتاد کریں تو اس کے گیارہویں باب کی دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح کی نسل کے لوگ بعد طوفان شنعار میں مشرق کی طرف سے آکر آباد ہوئے۔ شنعار

کالڈیا کا جنوبی حصہ ہے۔ کالڈیا کا جنوبی حصہ قدیم زمانے میں شومر کہلاتا تھا جس کو توریت میں شنعار کے نام سے موسوم کیا ہے اور اب اس کو الجزیرہ اور عراق عرب کہتے ہیں اور کالڈیا کے شمالی حصے کو قدیم زمانے میں ”اکاد“ کہتے تھے۔ پس کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ نوح کی نسل کے جو لوگ کالڈیا میں آن کر آباد ہوئے وہ اپنے ساتھ طوفان کی روایت لائے تھے۔

ابتدائی حالت آن لوگوں کی جو قدیم زمانے میں کالڈیا میں آن کر آباد ہوئے کچھ شبہ نہیں کہ محض وحشیانہ تھی۔ کچھ علم و ہنر اور فن سے واقف نہیں تھے۔ کچھ کالڈیا ہی کے لوگوں پر موقوف نہیں ہے اگلے زمانے کی قدیم قوموں کا یہی حال تھا۔ رفتہ رفتہ آن میں علم و فن اور سویلریشن میں ترقی ہوتی گئی ہے۔ کالڈیا میں ایک غیر قوم کا شخصی آیا اور اس نے آن کو تعلیم دی اور آن کو مختلف علوم و فنون سکھائے اور حروف لکھنے بتائے اور شہر آباد کرنا اور مکان بنانا بھی اسی نے سکھایا۔ اس شخص کو آنہوں نے دیوتا مانا اور ”ایا ہان“ اس کا نام رکھا۔ چنانچہ اس کا بت کالڈیا میں زمین کھود کر متعدد جگہ سے نکالا گیا ہے اور جو برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ اس وقت سے جو طوفان کے بہت بعد ہے کالڈیا والوں میں سویلریشن شروع ہوئی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کالڈیا یا نینوا میں سے جو کچھ نکلا ہے طوفان کے بعد کا ہے۔ ہم اس بت کا پورا حال اور جو ہم کو اس پر لکھنا ہے اس وقت لکھیں گے جب اس بت کا حال بیان کریں گے۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ کالڈیا وانوں نے ہر ایک فن میں ترقی کرنی شروع کی اور جس زمانے کی یہ نظم ہے جو اینٹوں پر ملی ہے وہ زمانہ ایک اعلیٰ ترقی کا معلوم ہوتا ہے جبکہ وہ اجرام فلکی اور

منطقۃ البروج کے بارہ برجوں سے اور اُن کے حالات سے بخوبی واقف ہو گئے تھے اور علم ہیئت اُن میں ترقی کر گیا تھا اور لٹریچر میں بھی بہت زیادہ ترقی کی تھی اور ایسے درجے پر پہنچ گئے تھے کہ زبان کالڈنی میں اشعار نظم کرتے تھے۔ اب طوفان کا زمانہ کوئی قرار دو، اس درجے تک سوبلیزیشن میں ترقی کرنا کچھ شک نہیں ہے کہ بار برس ایچ، یعنی زمانہ وحشت کے بہت زمانے بعد ہوا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں اینٹوں پر لکھا گیا ہے اُس زمانے میں کاغذ یا اور کوئی چیز جو کتاب کی صورت میں بن سکے ایجاد نہیں ہوئی تھی اور اس لیے اُنہوں نے اپنے اشعار اینٹیں بنا کر اُن پر لکھے اور پھر اُن اینٹوں کو پکا لیا، تاکہ وہ قائم رہیں۔

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان اینٹوں پر جو اشعار لکھے ہیں اُس میں انہی موسموں کا بیان ہے جو بارہ برجوں میں سورج کے ہونے سے ہوتے ہیں۔ گیارہواں برج برج دلو ہے اور جب سورج برج دلو میں ہوتا ہے تو کالڈیا میں کثرت سے پانی برستا ہے۔ اُس موسم کا حال اُنہوں نے ان اشعار میں طوفان کے افسانے میں لکھا ہے اور اُس زمانے میں جن دیوتاؤں کو کالڈیا کے رہنے والے پوجتے تھے اُن کے نام اس افسانے میں داخل کر دیے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ملٹن میں پیراڈائز لاسٹ میں خدا اور شیطان کے حالات کو بطور ایک افسانے کے نظم کیا ہے۔ پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ طوفان کوئی اصلی واقعہ نہیں تھا، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ طوفان کا اصلی واقعہ ہوا تھا اور اس واقعے کو ایک افسانے کے طور پر اُس موسم کے حالات میں بیان کیا ہے جو آفتاب کے برج دلو میں آنے سے کالڈیا میں ہوتا ہے۔ بہت سے تاریخی واقعات ایسے ہیں جو اب بھی بطور افسانے کے نظم میں لکھے ہوئے موجود ہیں اور شاعروں نے بھی موسموں کے حالات

کو افسانے کے طور پر منظوم کیا ہے، غرض ہماری صرف اس قدر ہے کہ اس افسانے سے جو اینٹ پر لکھا ہوا ہے یہ لازم نہیں آتا کہ طوفان کوئی اصلی تاریخانہ واقعہ نہ تھا، بلکہ صرف کالڈیا والوں کا ایک طبع زاد افسانہ تھا۔

اس بات میں کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ یہ اینٹیں جو کالڈیا میں سے نکلی ہیں حضرت موسیٰ کے وقت سے بہت پہلے کی ہیں، مگر خود توریت کے جو پہلے باب ہیں خواہ ان کو موسیٰ نے لکھا ہو یا عزرا نے یا کسی اور نے، وہ سب ان روایتوں سے لکھے گئے ہیں جو اس زمانے میں بنی اسرائیل میں یا اور لوگوں میں بطور وراثت چلی آتی تھیں۔ خود توریت کا پہلا باب بلا کسی اس اشارے کے کہ خدا نے موسیٰ کو الہام کیا یا وحی بھیجی شروع ہوتا ہے اور اسی طرح شروع ہوا ہے جس طرح کوئی مشہور روایتوں کو لکھنا شروع کرے۔ توریت کے لکھنے والے کوئی ہوں، مگر وہ بنی اسرائیل اور نوح کی اولاد میں تھے۔ پس جو کچھ کہ توریت میں لکھا گیا ہے خود ان کی موروثی روایتوں سے لکھا گیا ہے، نہ یہ کہ انہوں نے کالڈیا والوں سے طوفان کی روایتوں کو لیا ہو۔

ہم پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ ہم نے توریت کے پہلے بابوں کو الہامی اور خدا کی طرف سے وحی کئے ہوئے نہیں مانا، حالانکہ قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے ”انا انزلنا التوراة فیہا ہدی ونور یحکم بہا النبیین الذین اسلموا للذین ہادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شہداء“ یعنی ہم نے بھیجی توریت اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق حکم کرتے تھے پیغمبر جو اس پر یقین رکھتے تھے ان

لوگوں پر جو یہودی تھے اور اُسی کے مطابق حکم کرتے تھے ربی اور احبار، یعنی یہودیوں کے عالم اُن احکام سے جو یاد رکھے تھے اللہ کی کتاب سے اور وہ اُس پر گواہ تھے، مگر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جہاں کہیں قرآن میں توریت کا لفظ آیا ہے اس سے وہ احکام اور وہ وحی مراد ہے جو خدا نے حضرت موسیٰ کو دی تھی۔ خود توریت کے معنی قانون کے ہیں جو دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ اس سے وہی احکام الہی مراد ہیں جو حضرت موسیٰ کو دیے گئے تھے اور بہت سے واقعات اور تاریخی حالات شامل ہیں اور اس لیے ہم اُس تمام مجموعے کو جو بین الاقبتین موجود ہے سوائے وحی اور احکام الہی کے جو اُس میں ہیں توریت منزل من اللہ نہیں سمجھتے، بلکہ اُس مجموعے پر مجازاً توریت کا اطلاق کرتے ہیں۔

جو حالات اور واقعات کہ بطور روایت کے لکھے گئے ہوں اُن میں کمی اور بیشی ہونے کا احتمال قوی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں مشتبہ واقعات اور حالات کا ذکر نہیں ہے، بلکہ صرف صحیح اور محقق حالات بیان ہوئے ہیں جن میں کسی طرح کا شک نہیں ہو سکتا اور توریت موجودہ بین الاقبتین اور بالتخصیص واقعات قدیم ما قبل خلق انسان اس سے خالی نہیں ہیں، مگر قرآن مجید کا حال اس سے مختلف ہے۔ اُس میں کوئی لفظ بجز اُن لفظوں کے جو از روئے وحی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے شامل نہیں ہے اور اُسی زمانے میں وہ لکھ بھی لیے گئے، اس لیے قرآن مجید میں وہ احتمالات نہیں ہو سکتے جو توریت کی نسبت ہوتے ہیں، گو قرآن مجید میں بھی تقلاً عقائد مسلمہ یہود یا قصص مسلمہ یہود کا بطور حجت الزامی بغیر اس بات کی بحث کے کہ وہ صحیح ہیں یا نہیں بیان ہوا ہے۔

قوم نوح کے مذہبی حالات کی تحقیق

(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۹ (دور سوم) بابت یکم جہادی الثانی
(۵۱۳۱۳)

حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو۔
اُس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔ جو لوگ کہ اُن کی
قوم میں کافر تھے اُنہوں نے کہا کہ جیسے تم آدمی ہو اس
سے زیادہ یہ کچھ نہیں ہے۔ تم پر اپنی بڑائی چاہتا ہے۔ اگر
خدا چاہتا تو کوئی فرشتہ بھیجتا اور ہم نے اپنے پرکھوں سے
کوئی ایسی بات نہیں سنی۔ یہ تو مجنون آدمی سے زیادہ کچھ
نہیں ہے، پھر چند روز اس کو اور دیکھو۔ (سورہ مومنون)

حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ کے سوا کسی
کی عبادت نہ کرو۔ جو لوگ کہ اُن کی قوم میں کافر تھے اُنہوں
نے کہا کہ ہم تو تمہیں میں اپنا سا آدمی ہوئے۔ اے سوا کچھ
نہیں دیکھتے، اور ہم نہیں دیکھتے کہ بجز کمینہ سپاٹ عقل کے
آدمیوں کے اور کسی نے تیری پیروی کی ہو اور ہم تو اپنے پر
تم میں کچھ بزرگی نہیں دیکھتے، بلکہ تم کو جھوٹا گمان
کرتے ہیں۔ حضرت نوح نے کہا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں
اُن کو میں اپنے سے جدا نہیں کر سکتا، لیکن میں تم کو ایک
جاہل قوم پاتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس

خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں اپنے تئیں فرشتہ کہتا ہوں۔ (سورۃ ہود)

حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔ اُن کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ ہم تو تجھ کو صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ حضرت نوح نے کہا کہ میں تو گمراہی میں نہیں ہوں، بلکہ خدا کا رسول ہوں۔ خدا کا پیغام تم تک پہنچاتا ہوں۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار سے کچھ نصیحت تم میں سے کسی آدمی کے پاس آئے پھر انہوں نے حضرت نوح کو جھٹلایا۔ (سورۃ اعراف)

حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میری نصیحتیں تم پر گراں ہیں تو تم اور تمہارے شریک مل کر ہکا ارادہ کرو اور اپنی بات کو سوچو تو تم پر چھپی نہیں رہے گی اور پھر میرے پاس آؤ۔ (سورۃ یونس)

اس آیت میں جو ”شُرکاء“ کا لفظ ہے تفسیر کبیر میں اُس سے اُن کے اہل مذہب سے مراد لی ہے اور ایک قول یہ لکھا ہے کہ اس سے بت مراد ہیں جن کو وہ اپنا معبود سمجھتے تھے، مگر ظاہراً پہلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (جلد سوم صفحہ ۶۱۴)

اور ہم نے نوح کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کو مدد دی اُس قوم پر جس نے جھٹلایا ہماری نشانوں کو۔ بیشک وہ قوم تھی سوء، یعنی بدکار۔ (سورۃ انبیاء)

جب نوح اپنی قوم کو نصیحت کرتے تھے تو ان کی قوم نے کہا کہ اے نوح! اگر تم نہ باز آؤ گے تو تم سنگسار کئے جاؤ گے۔ (سورۃ شعراء)

قوم نوح کی فاسق، یعنی بدکار تھی۔ (سورۃ ذاریات)

اور نوح کی قوم تھی اظلم اور اظغی ، یعنی بہت ظالم اور
اور حد سے گزرنے والی - (سورہ نجم)

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ نوح
نے کہا کہ اے قوم میں! تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرانے
والا ہوں۔ عبادت کرو اللہ کی اور اس سے ڈرو اور میری تابعداری
کرو، خدا تمہارے گناہ بخشے گا۔ نوح نے خدا سے کہا کہ
اے میرے پروردگار! میں نے دن رات قوم کو سمجھایا اور
میرے سمجھانے سے بجز اس کے کہ بھاگیں اور کچھ نہیں ہوا۔
وہ اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے اور اپنے کپڑے لیٹ
لیتے تھے اور اپنی بات پر اصرار کرتے تھے اور نہایت مغرور تھے۔
میں نے ان کو پکار کر سمجھایا، پھر میں نے ان کو علانیہ
اور خاموشی سے تبلیغ کی۔ پھر میں نے ان کو کہا کہ معافی
چاہو اپنے پروردگار سے، بیشک وہ بخشنے والا ہے۔ تم پر مینہ
برساوے گا زور کا اور مال سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا
اور تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور نہریں بہائے گا۔ تم کو
کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی بڑائی کا اعتقاد نہیں رکھتے، حالانکہ
آس نے تم کو پیدا کیا ہے طرح طرح کا۔ کیا تم نہیں دیکھتے
کہ کس طرح پیدا کیا اللہ نے سات آسمانوں کو اوپر تلے اور
پیدا کیا ان میں چاند کو چمکتا ہوا اور پیدا کیا سورج کو
روشن اور اللہ نے آگیا تم کو زمین سے ایک طرح کا اگانا۔
پھر تم کو لے جاوے گا اسی میں اور نکالے گا تم کو ایک طرح
کا نکالنا، اور بنایا اللہ نے تمہارے لیے زمین کو پھیلا ہوا، تاکہ
تم آس میں چوڑے رستوں پر چلو۔ نوح نے کہا کہ اے میرے
پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی، اور پیروی کی ان کی جن کے
مال نے اور جن کی اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا

اور مکر کیا بہت بڑا مکر اور انہوں نے کہا کہ مت چھوڑو اپنے معبودوں کو اور مت چھوڑو ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔ بیشک انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور ظالموں کو بجز گمراہی کے اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ بسبب اپنے گناہوں کے وہ غرق کیے گئے اور ڈالے گئے آگ میں۔ نہ پایا انہوں نے اپنے لیے خدا کے سوا کوئی مدد دینے والا۔ نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مت چھوڑ زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو۔ بیشک اگر تو اُن کو چھوڑے گا گمراہ کریں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے بجز فاجروں اور کافروں کے۔ (سورہ نوح)

قرآن مجید میں جو کچھ کہ حضرت نوح کی قوم کا بیان ہوا ہے اور جس کا خلاصہ ہم نے لکھا ہے اُس سے بجز ایک آیت کے جس میں بتوں کا ذکر ہے اور جس پر ہم بحث کریں گے قوم نوح کی بت پرستی معلوم نہیں ہوتی۔ صرف ایک آیت سے استدلال ہو سکتا ہے کہ وہ معاد اور حشر اجساد کے منکر تھے۔ ہاں اسی کے ساتھ تعجب ہوتا ہے کہ حضرت نوح نے دین کی جزا کو دنیاوی باتوں میں بتلایا، عقبیٰ کے ثواب عذاب کا ذکر نہیں کیا، مگر یہ بات بیشک ثابت ہوتی ہے کہ نوح کی قوم نہایت بدکار، ظالم اور نافرمان تھی اور انہوں نے سوائے خدا کے اور الہ قرار دیے تھے اور اُن کی پرستش کرتے تھے، مگر یہ بات تحقیق طلب ہے کہ جو الہ انہوں نے قرار دیے تھے اُن کی صورتیں بھی بنا کر رکھی تھیں اور اُن کی پرستش کرتے تھے۔

توریت میں جس قدر بیان حضرت نوح اور اُن کی قوم کا ہے اُس میں بھی اُن کی شرارت، گمراہی اور بدی کا ذکر ہے، مگر بت پرستی کا ذکر نہیں۔ چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب اول

آیت ۵ میں لکھا ہے ”خداوند دید کہ شرارت انسان در زمین بسیار شد و اینکه هر تصویری از تدبیرات قلب ایشان همواره محض بدی می بود“ اور اسی باب کی آیت ۱۱ و ۱۲ میں ہے ”و زمین در حضور خدا فاسد شد ، چه زمین از ظلم پر گردید و خدا بزمین ملاحظه نمود کہ اینک فاسد شدہ چونکہ ہر بشر بروئے زمین طریقہ خود را فاسد گردانیدہ بود ۔

ایک اور بات بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ توریت کتاب پیدائش باب ۱ آیت ۲۶ میں لکھا ہے :

”و یومر الوہیم نعسہ آدم بصلمنوا لک موتنو“
یعنی اور کہا خدا نے بناوین ہم آدم کو اپنی پرچھائیں سے مانند اپنی شبیہ کی ، اور چوتھے باب کی چھبیسویں آیت میں ہے :
ولشیث کم ہو یولت بن و یقرا ایث شمو
انوش ازہو حل لقرو بشم یہواہ ۔

اور شیش اس سے پیدا ہوا بیٹا اور پکارا آس کا نام انوش ، مگر اس سے آگے جو الفاظ آئے ہیں ان کے ترجمے میں بہت اختلاف ہے ۔ مترجموں نے بعض الفاظ کو اصل سے زیادہ کر کے ترجمہ کیا ہے ۔ بشپ پیٹرک کہتے ہیں کہ مشہور آدمیوں نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ آس وقت آدمی یعنی اولاد شیش کی اپنے تئیں خدا کے نام سے پکارنے لگی ۔ بشپ پیٹرک کہتے ہیں کہ یعنی بامتیاز اولاد قائن کے اور بامتیاز اور کافر شخصوں کے جنہوں نے خدا سے انحراف کیا تھا ، اپنے تئیں خدا کا خادم اور خدا کا ہوجنے والا پکارا ۔

پھر حال اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ جو لوگ مقدس اور پاک تھے ان کو خدا کہہ کر پکارتے تھے اور یہی بنیاد پڑی خدا کے سوا اوروں کو خدا ماننے کی ، مگر اب تک یہ ظاہر

نہیں ہوا کہ نوح کی قوم میں بت پرستی جاری ہو گئی تھی ۔
اب ہم کو بحث کرنے کی ہے قرآن مجید کی اس آیت پر
”وقالوا لا تذرن آلهتکم ولا تذرن ودا ولا سواعاً
ولا یغوث و یعوق و نسر“ یعنی انہوں نے کہا کہ کبھی
نہ چھوڑو اپنے الہوں ، یعنی معبودوں کو اور ہرگز نہ چھوڑو ودا کو
اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو ۔

اس آیت میں اس بات پر بحث ہے کہ ”قالوا“ میں جو
ضمیر ہے اُس کا مرجع کیا ہے اور کہنے والے کون ہیں ۔ اگر اُس
کے کہنے والے نوح کی قوم کے لوگ ہوں تو اس آیت سے ثابت
ہوتا ہے کہ یہ پانچوں بت جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں ،
قوم نوح کے بت تھے اور اگر اس کو جملہ مستانفہ قرار دیا جائے
جیسا کہ سورہ ہود میں حضرت نوح کے قصے کی اس آیت کو
”ام یقولون افتراء قل ان فتریتہ فعلی اجرامی
وانا بریئ مما تجرمون“ جملہ مستانفہ قرار دیا ہے
اور افتراء اور افتریثہ کی ضمیر کو قرآن کی طرف راجع کیا ہے
تو ”قالوا“ میں جو ضمیر ہے اُس کا مرجع کفار ہوں گے
اور اس صورت میں یہ پانچوں بت جن کے نام اوپر مذکور ہوئے ہیں
کفار عرب کے بت ہوں گے ، نہ قوم نوح کے ۔

ہم ابھی اس کا کچھ تصفیہ نہیں کرتے ، اس لیے کہ
مسٹر جارج نے جو بغداد میں برٹش رزیڈنٹ تھے ۱۸۲۰ء میں
اور مسٹر بوٹا نے جو موصل میں فرینچ کونسل تھے ۱۸۴۲ء میں
اور مسٹر لیاڈ نے جو انگریزی سیاح تھے ۱۸۴۷ء میں بابل اور
نینوا کے کھنڈرات کو کھود کر بہت سے قدیم زمانے کے بت
نکالے ہیں ۔ ہم چاہتے ہیں کہ اول ان بتوں کا حال وقتاً فوقتاً
تہذیب الاخلاق میں لکھیں اور نیز اس بات کو بھی دیکھیں کہ

بائیل میں بھی ان بتوں میں سے کسی بت کا ذکر ہے یا نہیں اور جو بت کہ نکلے ہیں یا جن کا ذکر بائیل میں ہو وہ طوفان سے پہلے کے تھے یا طوفان کے بعد کے ۔ اس تحقیق کے بعد اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ ”قالوا“ کی ضمیر قوم نوح کے لوگوں کی طرف پھرتی ہے یا کفار عرب کی طرف ۔

ذی القرنین کا وجود تاریخ کی روشنی میں

(سرسید کا ایک نہایت ہی قابل قدر تاریخی مقالہ)

سرسید کے مضامین میں یہ ایک بہت لطیف اور اعلیٰ پائے کا تاریخی اور تحقیقی مقالہ ہے جسے سرسید نے ”ازالة الغین عن ذی القرنین“ کے نام سے ۱۸۸۹ء میں لکھا تھا۔ قرآن کریم میں جو ”ذی القرنین“ کا واقعہ مذکور ہے یہ مضمون در اصل اس کی تاریخی اور تحقیقی تفسیر اور تشریح ہے جو سرسید نے بڑی قابلیت اور لیاقت کے ساتھ کی ہے۔ سرسید تاریخی حقائق کے بیان کرنے میں جس محنت و کاوش اور تلاش و جستجو سے کام لیتے تھے جس اور عمدگی و نفاست کے ساتھ اسے مرتب کرتے تھے یہ مقالہ اس کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے۔

الحمد لله الذی له الملك والملکوت
وله الکبرياء والجبروت والصلوات والسلام
علی رسولہ محمد خاتم النبیین وعلی آلہ الطاہرین
واصحابہ اجمعین۔

اس رسالے میں میرا قصد ہے کہ ستر یا جوج و ماجوج کی

نسبت جو قصہ ذی القرنین کا قرآن مجید میں مذکور ہے ، اس کو مؤرخانہ تحقیقات سے بیان کروں اور قرآن مجید کی آیتوں کو واقعی حالات سے مطابق کر کے دکھلاؤں کہ درحقیقت وہ قصہ کیا ہے ، اور جس قدر بے سند اور ناقابل قبول روایتیں ہماری کتابوں اور تفسیروں میں اس کے ساتھ شامل کی ہیں ان سے لوگوں کو آگاہ کروں ، اور جو حقیقت اس قصے کی ہے اس کو کھول دوں ، اس لیے میں نے اس رسالے کا نام "آزالۃ الغین عن ذی القرنین" رکھا ہے اور خدا سے امید ہے کہ جیسا اس کا نام ہے ویسا ہی

تفسیر کبیر

(وہم سئلوک عن ذی القرنین قل سأتلبو علیکم منه ذکرانا مکنا له فی الارض و آتیناه من کل شیئ سببا فاتبع سبباً اعلم ان هذا هو القصة الرابعة من القصص المذكورة فی هذه السورة وفيها مسائل (المسئلة الاولى)

قد ذکرنا فی اول هذه السورة ان الیمردا امر والمشرکین ان یسالوا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عن قصة اصحاب الکہف وعن قصة ذی القرنین وعن الروح فالمراد من قوله وہم سئلونک عن ذی القرنین هو ذلک السؤال (المسئلة الثانية) اختلف الناس فی ان ذی القرنین من هو ذکرنا فیہ اتوا (الاول) انه الاسکندر بن فیلقوس الیونانی قالوا والدلیل علیہ ان القرآن دل علی ان الرجل المسمی بذی القرنین بلغ ملکہ الی اقصى المغرب بدلیل قوله حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب فی عین حمئة ایضا بدلیل قوله حتی اذا بلغ الشمس وایضا بلغ مطلع الشمس وایضا بلغ ملکہ اقصى الشمال

وہ ہوگا واللہ المستعان ۔

يسئلونك عن ذى القرنين

خدا نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ ”تجھ سے پوچھتے ہیں ذی القرنین کا حال“ اب مسلمان مؤرخوں اور مفسروں نے اس بات پر غور کرنی شروع کی کہ ذی القرنین کون تھا ۔

قرآن مجید میں یہ لفظ آیا تھا ”انا مکننا له فی الارض“ یعنی ہم نے اس کو قدرت دی تھی زمین میں ، اس لیے اکثر مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ وہ کوئی بہت بڑا بادشاہ تھا ۔ اب یہ سوچ ہوئی کہ ایسا بڑا بادشاہ جس نے تمام دنیا کو مشرق سے مغرب تک لے لیا ہو کون تھا ۔ غالباً ایسا بادشاہ تو ان کو کوئی نہیں ملا ، اس لیے انہوں نے تلاش کیا کہ سب سے بڑا بادشاہ کون ہوا ہے ۔ تاریخ کی کتابوں کو ٹٹولا اور یہ قرار دیا کہ سکندر اعظم بن فیلقوس یونانی سب بادشاہوں میں بڑا

بدلیل ان ہا جوج و ما جوج قوم من الترتک یسکنون فی اقصى الشمال و بدلیل ان السد المذکور فی القرآن یقال فی کتب التاریخ انه مبني فی اقصى الشمال فهذ الانسان المسمى بذالقرنین فی القرآن قد دل القرآن علی ان ملکہ بلغ اقصى المغرب و المشرق و الشمال و هذا هو تمام القدر المعمور من الارض و مثل هذا الملک البسیط لا شک انه خلاف المعادات و ما کان کذاک و جب ان یکون ذکره مغلدا علی وجه الدهر و ات لا یبقى مخفیا مستلزما و الملک الذی اشتهر فی کتب التواریخ انه بلغ ملکہ الی هذا الحدیث الاسکندر و ذالک لانه لمامات ایوه جمع ملوک الروم بعد ان کانوا طوائف ثم جمع ملوک المغرب و قهرهم و اسعن حتی انتهی الی البحر الا

بادشاہ تھا ، کیونکہ جب اُس کا باپ مرا تو مملکت روم میں جو طوائف الملوک تھی اُن سب کو مغلوب کر کے ایک سلطنت بنا لی ، پھر مغرب کے بادشاہوں کو مغلوب کیا اور بحر اخضر تک جا پہنچا ، پھر وہاں سے پھرا اور مصر میں جا پہنچا اور وہاں اپنے نام پر اسکندریہ بنایا ۔ پھر شام میں پہنچا اور بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور بیت المقدس میں پہنچ کر قربانی کی ۔ پھر آرمینہ اور باب الابواب میں آیا اور اہل عراق اور قبطنی اور اہل بربر تک پہنچا ۔ پھر دارا پر حملہ کیا اور اُس کو شکست دی اور فارس کے ملک پر قبضہ کر لیا ۔ پھر ہندوستان اور چین پر چڑھائی کی اور دور دور کے ملکوں کو فتح کرتا ہوا خراسان میں آیا اور بہت سے شہر آباد کئے اور پھر عراق میں آیا اور شہر زور میں بیمار ہو کر مر گیا ۔

اب امام رازی صاحب فرماتے ہیں کہ جب قرآن سے ثابت ہوا کہ ذی القرنین ایک ایسا شخص تھا کہ جس نے تمام زمین پر

ذخر ثم عاد الى المصر فبنى الاسكندرية وسماها باسم نفسه ثم دخل الشام وقصد بنى اسرائيل ورد بيت المقدس وذبح في مذبحهم ثم اطفأ الى ارمينية و باب الابواب ودانت له العراقيسون والقيط والبربر ثم توجه مهودارا ابن داروث مسزمنه الى ان قتله صاحب حرسه فاستولى الاسكندر على ممالك الفرس ثم قصد والبعين دغز الاسم البعيدة رجع الى خراسان وبنى المدن الكثيرة ورجع الى العراق ومرض بشهر زود ومات بها فلما ثبت بالقرآن ان ذى القرنين كان رجلا ملك الارض بالكلية وما يقرب منها وثبت بعلم التواريخ ان الذى لهذا شأنه ما كان الا الاسكندر وجب القطع بان المراد بذى القرنين هو الاسكندر بن فيلقوس اليونانى ثم ذكروا فى سبب تسمية بهذا الاسم وجوها

یا قریباً کل پر بادشاہت کی تھی اور تواریخ سے ثابت ہوا کہ ایسا بادشاہ سوائے سکندر کے اور کوئی نہیں ہوا تو اب بالیقین قرار پایا کہ ذی القرنین سے مراد سکندر بن فیلقوس یونانی ہے ۔
(ہکذا فی تفسیر الکبیر)

اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جب قرآن مجید میں اس بادشاہ کا نام نہیں بتایا ، بلکہ صرف اس کے چند پتے بتائے ہیں تو ہر شخص کو اس پہلی کے بوجھنے کا خیال پیدا ہوگا ، مگر ہم کو افسوس ہے کہ امام صاحب نے اس کو ٹھیک ٹھیک نہیں بوجھا ۔ نہ سکندر کے زمانے کی تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ وہ تمام دنیا پر مشرق سے مغرب تک بادشاہ ہو گیا تھا ، اور نہ وہ وہاں تک جہاں آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے پہنچا تھا ، اور نہ دنیا کا جغرافیہ ان باتوں کی ، جن کا ذکر امام صاحب نے اپنی تفسیر میں کیا ہے ، تصدیق کرتا ہے ، اس لیے ہم کو

(الاول) انه لقب بهذا الاسم لاجل بلوغه قرنى الشمسى
مسطوحها ومغربها كما لقب اردشير بن بهمن بطويل
اليدين لنفوذ امره حيث اراد (الثانى) ان الفرس قالوا ان
دارالاکبر کان قد تزوج بابنة فيلقوس فلما قرب منها
وجد منها رائحة منكرة فرددھا علی ابیھا فیلقوس وکان
قد حملت منه بالاسکندر رفولدت الاسکندر بعد عودھا
ابیھا فبقی الاسکندر عند فیلقوس واطهر فیلقوس انا
ابنه وهو فی الحقيقة ابن دارالاکبر قالوا والدلیل علیہ ان الاسکندر
اما ادرك دارا ابن دارا و به رسی وضع راسه فی حجره وقال لدا رابا
ابی اخبرنی عنمن فعل هذا الانتقم لک منه فهذا ما قاله
الفرس قالوا و علی هذا التقدير فی الاسکندر ابوه دارالاکبر
واسه بنت فیلقوس فهوا انما تولد من اصلین مختلفین

جرات ہوئی ہے کہ اپنے یقین سے یہ بات کہیں کہ امام صاحب نے جو ذی القرنین سے اسکندر یونانی مراد لیا ہے ، محض غلط ہے ۔ اب امام صاحب اس بات پر متوجہ ہوئے ہیں کہ سکندر کو ذی القرنین کیوں کہا ہے اور اُس کی کئی وجہیں بیان کی ہیں ۔ ایک یہ کہ وہ قرنی الشمس تک ، یعنی مشرق و مغرب تک پہنچا تھا اور ایک جھوٹی حدیث کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر بنائی ہے کہ ”سمی بذی القرنین لانه طافه قرنی الدنيا یعنی شرقها و غربها ۔“ غالباً اس وجہ کے بیان کرتے وقت امام صاحب کا خیال ہے کہ زمین مربع ہے اور اُس کا ایک کنارہ مشرق ہے اور دوسرا کنارہ مغرب ہے اور اُن کناروں سے آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے ، لیکن اگر درحقیقت زمین گول ہے تو انسان مشرق و مغرب تک کیونکر پہنچ سکتا ہے ، کیونکہ آفتاب کا طلوع و غروب باعتبار آفاق کے کہا جاتا ہے ۔ پس انسان جہاں تک

الفرس والروم و هذا الذي قاله الفرس انما ذكروه لانهم ارادوا ان يجعلوه من نسل ملوك المعجم حتى لا يكون ملك مثله من نسل غير نسل ملوك المعجم وهو في الحقيقة كذب و انما قال الاسكندر لداريا ابى على سبيل التواضع و اکرم و ارا بذلك الخطاب (والقول الثاني) قال ابو الريحان البيروني المنجم في كتابه الذي سماه بالاثار الباقية عن القرون الخالية قيل ان ذی القرنین هو ابو كرب شمس ابن عییر ابن اقريقش الحمیری فانه بلغ ملكه شارق الارض و مغاربها و هو الذي اقتحربه احد الشعراء من حمير حيث قال قد كان ذی القرنین قبل مسلما مسلکا علی فی الارض غیر مقلد بلغم المشارق والمغارب ینبغی اسباب ملک من کریم سید ثم قال ابو ریحان و يشبه ان يكون هذا القول اقرب لان

چلا جاوے آفقی بدلتا جاوے گا اور مشرق و مغرب کی یکساں حالت رہے گی اور کبھی بھی مشرق و مغرب تک نہ پہنچ سکے گا ، اور اگر ہم بالفرض باعتبار کسی ملک کے آفقی کے یا بالتخصیص ملک روم کے آفقی کے جہاں سکندر کا دارالسلطنت تھا ، زمین کے نصف کرۂ فوقانی کے ایک نقطے کو مشرق اور دوسرے کو مغرب قرار دیں تو بھی سکندر وہاں تک نہیں پہنچا تھا ۔ پس یہ دلیل جو وجہ تسمیہ کی بیان کی ہے سرتا پا غلط ہے ۔

ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ سکندر دارا کا بیٹا ہے نہ فیلقوس کا ۔ فیلقوس نے اپنی بیٹی کی شادی دارا سے کر دی تھی ، مگر دارا نے اس کو نکال دیا اور اس کے باپ کے گھر بھیج دیا ، لیکن وہ حاملہ ہو چکی تھی اور اپنے باپ کے گھر بیٹا جنی ۔ فیلقوس نے اس کو اپنا بیٹا بنا لیا ۔ اس کے ثبوت میں یہ دلیل بیان کی ہے کہ جب دارا زخمی ہوا اور سکندر اس کا سر گود میں لے کر بیٹھا

الا ذواء کانوا من الیمن و هم الذین لا ینخلوا اسماءہم من ذی کذا کذی النادو ذی نواس و ذی النون و غیر ذلک (والقول الثالث) انه کان عبدا صالحا ملک الله الارض و اعطاه العلم والحکمة و البصیة الہیبة و ان کننا لانعرف انه من هو ثم ذکرنا فی تسمیة وجوها (الاول) سال ابن الکوا علیا رضی الله عنه ذی القرنین و قال ام ملک ہوام بنی فقال لا ملک و لا بنی کان عبدا صالحا ضرب علی قرنہ الایمن فی طاعة الله فمات ثم بعث الله فضرِب علی قرنہ الایة فمات فبعثه الله فمی بذی القرنین و ملک ملکہ (الثانی) سمي بذی القرنین لانه انقرض فی وقته قزمان من الناس (الثالث) قبل کان صفحتاً رأسه من النحاس (الرابع) کان علی رأسه ما یشبه القرنین - (الخامس) لتاجہ زنان (السادس) عن النبی

تو سکندر نے دارا سے کہا کہ اے ابا جان تم کو کس نے زخمی کیا؟ پھر سکندر اگر دارا کا بیٹا نہ ہوتا تو اس کو ابا جان کیوں کہتا۔ پس سکندر کا باپ تو دارا تھا اور اس کی ماں رومی تھی؛ دو نسلیں مل گئیں، اس لیے اس کو ذی القرنین کہا گیا۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس کے وقت میں انسانوں کے دو قرن گزرے تھے، مگر نہیں بتایا کہ دو قرن گزرنے سے کیا مراد ہے۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس کے سر کی دو طرفیں تانبے کی تھیں۔ کان صفحتا راسہ من النحاس، مگر اس کی کچھ تشریح نہیں کی کہ کان صفحتا راسہ من النحاس سے کیا مراد ہے۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس کے سر پر پیدائشی کوئی

صلی اللہ علیہ وسلم سَمِی ذی القرنین لانه طاف قرنی الدنیا
یعنی شرقها وغربها (السابع) کان له قرنان ای ضفیرتان
(الثامن) ان الله تعالى مسخر له النور والظلمة فاذا سرى
یهدیه النور من امامه وتمده الظلمة من وراه (التاسع)
یجوز ان یقلب بذالک لشجاعته کما یمی الشجاع کبش
کانه یسطح اقرانه (العاشر) (ای فی المنام) کانہ صعد الفلک
فتعاقب بطرفی الشمس وقرینها وجانبها فسمی لهذا
السبب بذی القرنین (الحادی عشر) سَمِی بذالک لانه دخل
النور والظلمة (القول الرابع) ان ذی القرنین ملک من
الملئکة عن عمرائه سمع رجلا یقول یذی القرنین فقال اللهم
اغفر اما رضیتم ان تسموا باسماء الانبیاء حتی تسموا
باسماء الملئکة فهذا جملة ما قیل فی هذا الباب والقول

ایسی چیز تھی جو دو سینگوں کے مشابہ تھی ۔ غالباً اسی خیال سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ سکندر کے سر پر دو سینگ تھے ۔

ایک یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس کے تاج میں دو سینگ بنے ہوئے تھے ۔

ایک یہ کہی ہے کہ اس کی دو زلفیں تھیں ، ان ہی کو دو سینگ کہا ہے ۔

سب سے بڑی دلچسپ یہ وجہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور و ظلمت دونوں کو اس کا مسخر کیا تھا ، اس لیے اس کو ذی القرنین کہتے تھے ۔

ایک یہ وجہ لکھی ہے کہ بسبب شجاعت کے اس کو ذی القرنین کہتے تھے ، جیسے کہ شجاع آدمی کو مینڈھے سے تشبیہ دیتے ہیں ، جس کے دو سینگ ہوتے ہیں ۔

الاول اظهر لاجل الدليل الذي ذكرناه وهو ان مثل هذا الملك العظيم يجب ان يكون معلوم الحال عنه اهل الدنيا والذي هو معلوم الحال بهذا السلك العظيم هو الاسكندر فوجب ان يكون المراد بذي القرنين هو هو الا ان فيه اشكالا قويا وهو انه كان تلميذا ارسطا طاليس الحكيم وكان على مذهبه لتعظيم الله اياه يوجب الحكم بان مذهب ارسطا طاليس حق وصدق وذلك مما لا سبيل اليه والله اعلم (المسئلة الثالثة) اختلفوا في ذی القرنین هل كان من الانبياء ام لامنهم من قال انه كان بنيا واحتجوا عليه بوجوه (الاول) قوله انا مكننا له في الارض والاولى حملة على التمكنين في الدين والتمكن الكامل في الدين هو النبوة (الثاني) قوله واتيناه من كل شئ سببا ومن جملة

ایک اور دلچسپ وجہ لکھی ہے کہ سکندر نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا ہے اور آفتاب کے دونوں کنارے یا دونوں سینک (بہتر یہ کہنا ہے کہ دونوں کان) پکڑ کر لٹک گیا تھا ، اس لیے ذی القرنین کہتے ہیں ۔

ایک یہ وجہ لکھی ہے کہ آس نے نور میں اور ظلمات میں دونوں میں سفر کیا تھا ، پس ذی القرنین ہو گیا ۔

ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب آثارالباقیہ عن قرون الخالیہ میں حمیری خاندان کے بادشاہوں میں سے ابو کرب بن عیبر بن افریقس کو ذی القرنین قرار دیا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا ملک مشرق و مغرب تک پہنچ گیا تھا اور آس پر بڑا فرینہ یہ قائم کیا ہے کہ ذو کا لفظ حمیری خاندان کے بادشاہوں کے نام کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے جیسے ذی نواس وغیرہ ۔

مگر یہ دلیل بھی ٹھیک نہیں ہے ، اس لیے کہ اول یہ ثابت

الاشیاء النبوة فمقتضى العموم فى قوله و آتیناه من كل شیئ سببا هو انه تعالى اتاه فى النبوة سببا (الثالث) قوله تعالى قلنا یا ذی القرنین اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیهم حسنا والذی ینکلم الله معه لایدو ان یکون بنییا و منهم من قال انه کان عبدا صالحا و ما کان نبیا (المسئلة الرابعة) فى دخول السین فى قوله ساءلوا معنا دانى سببا فعل هذا ان وقفنى الله تعالى علیه و انزل فیہ وحیا و اخبرنى عن کیفه تلک الحال و اما قوله تعالى انا ممکنا له فى الارض فهذه التمكنین یحتمل ان یکون المراد منه التمكنین بسبب النبوة و یحتمل ان یکون المراد منه التمكنین بسبب المملک من حیث انه ملک مشارق الارض و مغاربها و الاول اولی لان التمكنین بسبب النبوة اعلى من التمكنین بسبب المملک و حمل

ہونا چاہیے کہ ذی القرنین اسی ملک کی زبان کا لفظ ہے جس ملک کا وہ بادشاہ تھا ، حالانکہ یہی امر تحقیق طلب ہے ، معہذا جس قدر اعتراضات سکندر کی سلطنت اور قرآن مجید کی آیات کو اُس کی مملکت کی حالت کے مطابق ہونے پر ہیں وہی سب اعتراضات ابو کرب کی سلطنت و مملکت پر بھی وارد ہوتے ہیں ۔

بعض مؤرخوں کا قول ہے کہ ذی القرنین ایک نیک بندہ تھا ، خدا کی عبادت میں اس کے دائیں قرن میں مارا گیا وہ مر گیا ۔ خدا نے اُس کو پھر زندہ کیا ، پھر بائیں قرن پر مارا گیا پھر مر گیا۔ پھر خدا نے اُس کو زندہ کیا اور ذی القرنین اُس کا نام ہوا اور بادشاہ ہو گیا ۔ کیا یہ کچھ کم افسوس کی بات ہے جبکہ ایسی بے سروپا باتیں قرآن مجید کی تفسیروں میں لکھی ہوئی دیکھتے ہیں ۔

بعض مؤرخوں نے کہا ہے کہ ذی القرنین فرشتوں میں سے

کلام اللہ اعلم الوجہ الاکمل الافضل اولی ثم قال و اتیناہ من کل شیئ سبباً قالوا السبب فی اصل اللفظۃ عبارة عن الحبل ثم استعیر لكل ما يتوصل به الى المقصود و هو يتناول العلم والقدرة والالة فبقوله و اتیناہ من کل شیئ سبباً معناه اعطیناه من کل شیئ ۔ من الامور التي يتوصل بها الى تحصیل ذلك الشئ ثم ان الذين قالوا انه كان نبیاً قالوا من جملة الاشیاء النبوة فهذه الآية تدل علی انه تعالیٰ اعطاه الطريق الذي به يتوصل الى تحصیل النبوة والدين الكروا كونه نبیاً قالوا المراد به و اتیناه من کل شیئ يحتاج الیه فی اصلاح ملکہ سبباً الا ان لقامل ان يقول تخصیص العموم خلاف الظاهر فلا یصار الیه الا بدلیل ثم قال فاتبع سبباً ومعناه انه تعالیٰ لما اعطاه

ایک فرشتہ تھا۔ یہ تمام اقوال جو ہم نے بیان کیے ہیں تفسیر کبیر میں منقول ہیں۔

اب ہمارے مفسروں نے اس بات کی تحقیق شروع کی کہ ذی القرنین نبی، یعنی پیغمبر تھا یا نہیں؟ بعضوں نے کہا ہے کہ نبی تھا، بعضوں نے کہا کہ نبی نہیں تھا۔ جو لوگ اس کے نبی ہونے کے قائل ہوئے، انہوں نے یہ دلیل پکڑی کہ خدا نے فرمایا ہے ”انا مکنالہ فی الارض“ یعنی ”ہم نے اس کو قدرت دی زمین میں“ تو قدرت کے لفظ سے قدرت فی الدین قرار دینا اولیٰ ہے اور پوری قدرت دین میں نبوت ہے، اس لیے ذی القرنین نبی تھا۔

دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے ”وآتیناہ من کل شیئ سبباً“ یعنی ہم نے دیا اس کو ہر ایک چیز کا سامان اور ہر چیز کے لفظ میں نبوت بھی داخل ہے اور اس لیے ذی القرنین کو نبوت

من کل شیئ سبباً فاذا اراد شیئاً اتبع سبباً اتبع یوصلہ الیہ و یقریہ منہ قرا نافع و ابن کہ بتشدید التاء و کذلک ثم اتبع ای سلک و سارو الباقون فاتبع یقطع الالف مکنون التاء مخففة قوله تعالیٰ (حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب فی عین حمئة وجد عندها قوما قلنا یا ذالقرنین اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیہم حسنا قال اما من ظلم فسوف نعذبه ثم یرد الی ربہ فیعذبه عذابا نکرا و اما من امن وعمل صالحا فلہ جزاء الحسنی و سنقول لہ من امرنا یسرا) اعلم ان المعنی انه اراد بلوغ المغرب فاتبع سبباً یوصلہ الیہ حتی بلغا قولہ وجدها تغرب فی عین حمئة فضیہ مباحث (الاول) قرا ابن عمر و حمزہ و الکسانی و ابو بکر عن عامر فی عین حامية بالالف بغير الهمزة ای حارة وعن

بھی دی گئی تھی۔

تیسری جگہ خدا نے فرمایا ہے ”قلنا یا ذی القرنین“ یعنی ہم نے کہا ”اے ذی القرنین“ اور خدا جس سے بات کرتا ہے وہ نبی ہوتا ہے ، پس ذی القرنین بھی نبی تھا ۔

بعضوں نے کہا کہ ذی القرنین نبی نہیں تھا ، مرد صالح تھا ۔ اور ”مکننا له فی الارض“ سے اس کی قوت سلطنت اور ”من کل شیئی سببا“ سے ذریعہ حصول تسلط ملک پر مراد لینی چاہیے ، مگر امام رازی صاحب ان الفاظ سے ذی القرنین کے نبی ہونے کو تقویت دیتے ہیں ۔

مفسرین کو جو اس قدر غلطیاں یا مشکلیں ان آیتوں کی تفسیر میں پڑیں ، اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے واقعات کی تحقیق میں الٹی راہ اختیار کی ہے ، یعنی اول اس بات کی تحقیق شروع کی ہے کہ ذی القرنین کون تھا ، حالانکہ اول اس بات کو

ای ذر قال کنت ردیف رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم علی جمل فرای الشمس حسین غابت فقال اقدری یا ابا ذر این تغرب هذه قبلت الله ورسوله اعلم قال فانها تغرب فی عین حامية وهي قراة ابن مسعود وطلحه و ابن عام والباقون حمشة وهي قراة ابن عباس واتفق عن ابن عباس کان عند معاوية نشوء معاوية حامية بالف فقال ابن عباس حمشة فقال معاوية لعبدالله ابن عمر کیف تقرأ قال کما یقرأ امیر المومنین ثم وجه الی کعب الاحبار کیف نجد الشمس تغرب قال فی ماء وطین کذلک نجد فی التوریه والحمشة ما فیہ ماء وحماء سوداء واعلم انه لا تناف فی بین الحمشة والحامشة فجاء یزان تبكون العین جو معة للوصفین جمیعاً (البعث الثاني) انه ثبت بالدلیل ان الارض کرة وان السماء محیط بها

دریافت کرنا تھا کہ وہ سد جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ، اور ایسی مستحکم و مضبوط بنائی گئی ہے کہ مفسرین اور مؤرخین کے زمانے تک اس کا معدوم ہو جانا غیر ممکن ہے ، فی الحقیقت کس جگہ واقع ہے ۔ صرف قیاساً یہ کہہ دینا کہ شال میں بنی ہوگی کافی نہیں، صاف طور پر اور بالتحقیق بتانا چاہیے کہ وہ سد فلاں مقام پر موجود ہے ۔

اس کے بعد تحقیق کرنا چاہیے کہ اس کو کس بادشاہ نے بنایا تھا ۔ جس بادشاہ نے بنایا ہو اسی پر قرآن مجید میں ذی القرنین کا اطلاق ہوا ہے ۔ ممکن ہے کہ اس بادشاہ کو ذی القرنین کہنے کی وجہ نہ معلوم ہو یا مشتبہ رہے ، مگر اس کے نہ معلوم ہونے یا مشتبہ رہنے سے کوئی ہرج اصل واقعے کے ثابت ہونے میں نہیں ہوتا ، کیونکہ واقعہ جس کا ثبوت درکار ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ وہ سد بنی اور فلاں مقام پر موجود ہے اور فلاں بادشاہ نے

ولاشك ان الشمس في الفلك وايضا قال ووجد عندها
قوما ومعلوم ان جلوس قوم في قرب الشمس غير
موجود وايضا الشمس اكبر من الارض بمران كثيرة
فكيف يعقل دخولها في عين من عيون الارض اذا ثبت
هذا فنقول تاويل قوله تغرب في عين (خمسثة من وجوه
(الاول) ان القرنين لما بلغ موضعها في المغرب
ولم يبق بعده شئ من العمارات وجد الشمس كانهما
تغرب في عين
- - - - -
- - - - -
- - - - -
- - - - -
- - - - -
- - - - -
هذه مظلمة وان

آس کو بنایا ۔

اس کے بعد آس بادشاہ کی مملکت اور آس کی سلطنت پر غور کرنا ہے کہ وہ حالات آن باتوں کے مطابق ہیں جو قرآن مجید میں آس بادشاہ کی سلطنت یا مملکت کی نسبت بیان ہوئے ہیں یا نہیں، کیونکہ اگر وہ مطابق ہوں تو کافی یقین ہوگا کہ اسی بادشاہ کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور آسی پر ذی القرنین کا اطلاق ہوا ہے ۔

اسی کے ساتھ یاجوج اور ماجوج کا تاریخانہ طور سے حال بیان کرنا چاہیے، نہ قصے اور کہانی کے طریقے پر، اور قرآن مجید کے الفاظ کے سیدھے اور صاف معنی لینے چاہئیں، نہ پیچیدہ اور دور از کار۔ چنانچہ اب ہم اس واقعے کے بیان کرنے میں اسی طریقے کی پیروی کریں گے ۔

یاجوج و ماجوج

ہمارے بعض علماء نے یاجوج و ماجوج کو عربی زبان کا

لہ تکن کذا لک فی الحقیقة کما ان را کب البحر ہری الشمس کا نہا تغیب فی البحر اذا لم یزال الشط وہی فی الحقیقة تغیب وراء البحر هذا هو التاویل الذی تکره ابو علی الحیاتی فی تفسیرہ (لثانی) ان للجانب الغربی من الارض مساکن یحیط البحر بہا فالناظر الی الشمس یتخیل کا نہا تغیب فی تلک البحار ولا شک ان البحار الغربیة قویة السخونة فہی حامیة وہی ایضا حمیلة لکثرة ما فیہا من الحمأة السوداء والماء فقولہ تغرب فی عین حمیلة اشارة الی ان الجانب الغربی من الارض قد احاط بہ البحر و هو موضع شدید السخونة (الثالث) قال اهل الاخبار ان الشمس تغیب فی عین کثیرة الماء والحمأة و لهذا فی غایة البعد

لفظ بنانا چاہا ہے۔ کسائی کا قول ہے کہ یاجوج ناجج النار سے نکلا ہے جس کے معنی شعلے کے بھڑکنے کے ہیں، اور ماجوج موج البحر سے نکلا ہے۔ جو کہ وہ قوم چلنے اور دوڑ مارنے میں بہت تیز اور سریع الحرت تھی، اس لیے اس نام سے موسوم ہوئی۔ بعضوں نے کہا ناجج الملح سے نکلے ہیں جس کے معنی نمک کی نمکینی کی شدید تیزی کے ہیں۔

قتیبی کا قول ہے کہ اج الظلم سے نکلا ہے جس کے معنی دوڑ کر چلنے کے ہیں۔

خلیل کا قول ہے کہ اج مسور کی مانند دانہ ہوتا ہے اور مج الریق بھی عرب میں بولا جاتا ہے، پس یاجوج و ماجوج آن لفظوں سے مشتق ہوئے ہیں۔

مگر یہ سب قول غلط ہیں، صحیح قول یہ ہے جس کو تفسیر کبیر میں بھی نقل کیا ہے کہ ”انہا اسمان اعجمیان

وذلك لانا اذا ارصدنا سوف اقمربا فاذا اعتبارنا وراينا ان المغربيين قالوا حصل هذا الكسوف في اول النهار الثاني عند اهل الشرق بل ذلك الوقت الذي هو اول الليل عندنا فهو وقت العصر في بلد و وقت الظهر في بلد آخر و وقت الضحوة في بلد ثالث و وقت طلوع الشمس في بلد رابع و نصف الليل في بلد خامس و اذا كانت هذه الاحوال معلومة بعد الاستقراء و الاعتبار و علمنا ان الشمس طالعة ظاهرة في كل هذه الاوقات كان الذي يقال انها تغيب غيب الطين و الحماة كلاما على خلاف اليقين و كلام الله تعالى سيرا عن هذه التهمة فلم يبق الا ان يصر الى التاويل الذي ذكرناه ثم قال تعالى و وجد عندها

موضوعان بدلیل منع الصرف۔“

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ دونوں لفظ عجمی زبان کے ہیں۔ توریت کتاب پیدائش باب دہم آیت دوم میں یافت کے ایک بیٹے کا نام آیا ہے ماغوغ۔ عبری زبان میں غین کا تلفظ گف کی آواز سے ہوتا ہے۔ پس ماغوغ بولا جاتا ہے ماگوگ۔ عربی میں گف کو جیم سے بدل لیتے ہیں، اس لیے ماگوگ کا ماجوج ہو گیا۔ بائبل کا عربی ترجمہ جو پوپ کے حکم سے ہوا اور ۱۶۷۱ء میں چھپا، اس میں بھی ماغوغ کو ماجوج عربی میں لکھا ہے۔

یورپ کی زبانوں میں واؤ کا تلفظ ایسی آواز سے ہوتا ہے جو آواز مابین آواز حرف الف اور حرف واؤ یا واؤ منقلب بالف ہو۔ اس وجہ سے جب توریت کا ترجمہ یونانی زبان میں ہوا، تو ماغوغ کا تلفظ ماگوگ یا میگاگ لکھا گیا اور میگاگ کی نسل، یعنی اس

قوس المضمیر فی قوله عنه ہا الی ماذا یعود فیہ قولان (الاول) انه عاید الی الشمس و یکون التانیث للشمس لان الانسان لما تخیل ان الشمس تغرب هناك کان مکان هذا الموضع کانهم سکونوا بالقرب من الشمس (والقول الثانی) ان یکون المضمیر عایدا الی العین العاسیة و علی هذا القول قالتا ویل ما ذکرناه ثم قال تعالیٰ قلنا یاذا القرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیہم حسنا بدل علیٰ انه تعالیٰ تکلم معہ من غیر واسطۃ وذلک بدل علیٰ انه کان بنیا وحمل هذا التلفظ علی ان المراد انه خاطبہ علی السنة بعض الانبیاء فهو عدول عن الظاہر (البحث الثانی) قال اهل الاخبار فی صنف ذلک الموضع اشیا

قوم کا جو میگاگ سے نکلی گوگ یا گاگ نام ہوا اور پھر اُس ملک پر بھی جہاں وہ آباد تھی گاگ کا استعمال ہونے لگا ، مگر استعمال میں یہ دونوں لفظ ساتھ ساتھ بولے جاتے تھے جیسے گاگ میگاگ اور ایک دوسرے پر بھی اطلاق ہوتا تھا ۔ عربی زبان میں بجائے گاگ میگاگ کے یاجوج ماجوج کا استعمال ہوا ۔ پس یہ دونوں لفظ ”عجمہ“ ہیں اور بطور علم کے مستعمل ہوتے ہیں اور اسی لیے عربی زبان میں غیر متصرف مستعمل ہوتے ہیں ۔

کتاب حزقیل نبی باب ۳۸ - ورس ۲ میں گوگ کا لفظ قوم پر اور ماگوگ کا لفظ ملک پر بولا گیا ہے ۔

بعض مسلمان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یاجوج و ماجوج نہایت قلیل الجثہ اور صغیر القامت ہیں ، یعنی صرف بالشت بھر کا اُن کا قد ہے ، یعنی بالشتے ہیں ، اور بعضوں نے کہا کہ نہایت قوی الجثہ اور طویل القامت ہیں ۔ اُن کے ناخن اور دانت ڈاڑھ

عجیبة قال ابن جریر ہنال مدینة لہا اثنا عشر الف باب اول اصوات اہلہا سمع الناس وجبة الشمس حسین تغیب (البحث الثالث) قوله تعالی قلنا یا ذالقرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیہم حسنا یدل علی ان ساکن آخر المعذب کالوا کفار اخیر الله ذالقرنین فیہم بین التعذیب لہم ان اقاموا علی کفرہم و بین المن علیہم والعفو عنہم و هذا التخییر علی معنی الاجتہاد فی اصلاح الارین کما خیر نبیہ علیہ السلام بین المن علیہم والعفو علیہم و هذا التخییر علی معنی الاجتہاد فی اصلاح الارین کما خیر نبیہ علیہ السلام بین المن علی المشرکین و بین قتلہم وقال الا کثرون هذا التعذیب

درندہ جانوروں کی مانند ہیں ۔ وہ آدمیوں کو مار کر آن کا کچا گوشت کھا جاتے تھے اور کھیتی پکنے کے موسم میں نکل کر تمام کھیتوں کو چٹ کر جاتے تھے ۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آن کے کان اتنے بڑے ہیں کہ ایک کو بچھا کر اور ایک کو اوڑھ کر سو رہتے ہیں ۔

مگر یہ سب کہانیاں جھوٹ اور محض بے اصل ہیں ۔ وہ لوگ تاتاری ترک ہیں ۔ ہمارے علماء نے بھی لکھا ہے اور تفسیر کبیر میں اس قول کو نقل کیا ہے کہ ”قیل انھما من الترك“ یہ قوم اب تک موجود ہے اور تمام ملک تاتار اور چینی تاتار میں آباد ہے ۔

مگر جب میں نے یہ بیان کیا کہ یاجوج و ماجوج گاہ میگاہ سے معرب ہو گیا ہے اور ان میں سے ایک کو قوم کا اور ایک کو ملک کا نام بتایا ہے تو یاجوج و ماجوج کو دوشخص سمجھنا جیسے کہ

هو القتل واما اخذ الحسنی فیہم فہوا ترکہم
احیاء ثم قال ذوالقرنین اما من ظلم ای ظلم نفسه
بالاقامة علی الکفر والدلیل علی ان هذا هو المراد
انه ذکر فی مقاتلته واما من آمن وعمل صالحا ثم
قال فسوف نعذبه ای بالقتل فی الدنیا ثم یرد الی ربہ
فیمعذبه عذابا نکرا ای منکرا قطیعا واما من آمن
وعمل صالحا فله جزاء الحسنی قرا حمزة والکسانی
وحفص عن عاصم جزاء الحسنی بالنصب والتنوین
والباقون بالرفع و الاضافة فعلى القراءة الاولى یكون
التقدير فله الحسنی جزاء کما تقول لک هذا
الشوب هبة واما علی القراءة الشاذیة فی التفسیر
وحسان (الاول) فله جزاء الفعلة الحسنی والفعلة

ہمارے مؤرخوں اور مفسروں نے سمجھا ہے ، صحیح نہیں ہوگا ، بلکہ اُن سے وہی مطلب سمجھا جائے گا جو گوگ اور ماگوگ سے سمجھا جاتا ہے ۔ جو ملک کہ اب بھی تبت کے شمال میں واقع ہے اور جو قدیم زمانے میں ستھیا اور تاتار کہلاتا تھا اور حال کے نقشوں میں چینی ترکستان کے نام سے لکھا جاتا ہے ، اس قوم کے رہنے کی جگہ تھی اور تاتاری اُن ہی کی نسل سے ہیں ۔ بہت سے لوگوں نے تاتاریوں کو دیکھا ہوگا وہ مثل عام انسانوں کے ہیں ، ان میں کوئی بھی عجیب بات نہیں ہے ، البتہ کھوسی ہوتے ہیں ۔

سد (یا گریٹ وال)

کچھ شبہ نہیں کہ جس سد کا ذکر قرآن مجید میں ہے ، وہ وہی دیوار ہے جو چین اور تاتار یا ستھیا کی سرحد پر بنائی گئی ہے اور جس کو چی وانگ ٹی فغورچین نے درمیان ۲۴۰ و ۲۳۵ قبل مسیح میں بنایا تھا ۔

الحسنیٰ ہی الایمان والعمل الصالح (والثانی) ان یکون التقدير فله جزاء المشوبة الحسنیٰ ویکون المعنیٰ فله ذالجزاء الذی هو المشوبة الحسنیٰ والجزاء موصوف بالمشوبة الحسنیٰ ویکون المعنیٰ فله ذی الجزاء الذی هو المشوبة الحسنیٰ والجزاء الموصوف بالمشوبة الحسنیٰ واضافة الموصوف الى الصفة مشهورة كقوله والدار الاخرة وحسب اليقين ثم قال وسنقول له من امرنا يسرا ای لانا مسره بالصعب الشاق ولكن بالسهل الميسر من الزكاة والخراج وغيرهما وتقدير ذایسر لا كقوله قولا

یہ دیوار ہانگ ہو دریا کے غربی موڑ سے جو پہاڑ کے قریب ۳۷ درجے ۱۵ دقیقہ عرض بلد اور ۱۰۷ درجے طول بلد پر واقع ہے بنائی شروع ہوئی اور پھر اُس دریا کے دوسرے موڑ کو قریباً ۲۹ درجے عرض بلد اور ۱۱۱ درجے طول بلد پر کاٹ کر اور خنجان پہاڑوں کے جنوبی سلسلے کے نیچے ہو کر خلیج لیو ٹونگ کے کنارے پر ٹھیک چالیس درجے عرض بلد اور ایک سو بیس درجے طول بلد پر ختم ہوئی ہے۔ طول اس دیوار کا بارہ سو سے پندرہ سو میل کا بیان ہوا ہے۔

حال سلطنت چی وانگ ٹی

چین کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فغفور ای جن کے مرنے کے بعد تیرہ برس کی عمر میں چی وانگ ٹی ۲۴۷ قبل مسیح میں تخت پر بیٹھا اور لی زی نامی ایک عاقل شخص کو اپنا

میسورا و قری بسرا بضممتین قولہ تعالیٰ ثم اتبع سببا حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدها تطلع علی قوم لم نجعل لهم من دونها سترا کذا لک وقد احطنا بمالذیہ خبرا۔ اعلم الله تعالیٰ کما بین اولا انه قصد اقرب الاماکن المسکونة من مغرب الشمس ابتعہ ببیان انه قصد اقرب المساکن المسکونة من مطلع الشمس فبین الله تعالیٰ انه وجد الشمس تطلع علی قوم لم نجعل لهم من دونهم سترا وفيه قولان (الاول) انه لیس هناك شجر ولا جبل ولا انبیته تمنع من وقوع شعاع الشمس علیهم فلهذا السبب اذا طلعت الشمس دخلوا فی اسراب واغلة فی الارض او غاصوا فی الماء فیکون عند طلوع الشمس بتعذر

وزیر مقرر کیا ۔

اس کی سلطنت دو زمانوں پر منقسم ہوتی ہے ، پہلا زمانہ وہ ہے جبکہ اس بادشاہ نے اپنی تمام ہمت رویہ جمع کرنے اور ہر قسم کا سامان اکٹھا کرنے میں صرف کی ، اور دوسرا زمانہ وہ ہے جبکہ اس نے ہر قسم کا سامان جمع کرنے کے بعد ملک گیری اور فتوحات نمایاں حاصل کیں ۔ اُس کی اس حالت کا صاف اشارہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے ، ” انا مکننا له فی الارض و آتیناه من کل شیئی سببا فاتبع سبیاً ۔“

یعنی ہم نے دی اُس کو قدرت زمین میں اور ہم نے دیا اُس کو ہر چیز کا سامان پھر وہ درپے ہوا سامان کے ، یعنی سامان جمع کرنے کے ۔ یہ فقرہ قرآن مجید کا اور خصوصاً الفاظ فاتبع سببا بالکل اُس بادشاہ کے پہلے قرن یا زمانے کی ہسٹری

علیہم التصرف فی المعاش و عند غرو بہا یشغلان
بتحصیل مہمات المعاش حالہم بالضد من احوال
سائر الخلق (القول الشافی) ان معنہ انہ لا یبنات
لہم و یكونون کسائر الحيوانات عراة ابداء و یقال
فی کتب الہیئۃ ان حال اکثر الزمیع کذلک جال
کل من یمکن البلاد القریۃ من خط الاستواء کذلک
و ذکر فی کتب التفسیر ان بعضہم قال سافرت حتی
جاوزت الصين فسالت عن هؤلاء القوم فقیل بینک
و بینہم مسیرۃ یوم و لیلۃ قبل غم فاذا احدہم یفرش
اذمہ الواحدۃ و یلبس الاخری و لما قرب طلوع
الشمس سمعت کھیئۃ الصلیبۃ فعنشی علی ثم افقت
و ہم یمسحونتی بالدهن فیلما طلعت الشمس اذا ہی

بتاتے ہیں ۔

مکنا کے لفظ سے اور من کل شیئی کے لفظ سے قدرت فی الدین سمجھنا اور پھر قدرت فی الدین کو نبوت قرار دینا اور اس بادشاہ کی نسبت یہ بحث کرنا کہ وہ نبی تھا اور پھر اس کے نبی ہونے کو ترجیح دینا ایسے دوراز کار خیالات ہیں جن کا ذرا بھی اشارہ قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا اور جو شاعرانہ خیالات سے بھی بڑھے ہوئے ہیں ۔

”انا مکنا له فی الارض“ میں جو لفظ فی الارض کا آیا ہے اس سے تمام دنیا از مشرق تا غرب آقی مراد لینا، جبکہ وہ لفظ ایک بادشاہ کی بادشاہت کے حال میں آیا ہے، اس شاعرانہ خیال سے بھی زیادہ عجیب ہے ۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ لفظ الارض کا خاص ملک پر، بلکہ خاص زمین پر اطلاق ہوا ہے ۔ جن لوگوں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور وہیں کافر مرے،

فوق الماء كهيئة الزيت قاد خلونا سربا لهم فلما
ادتفع النهار جعلوا يصطادون السمك ويطرحونه
في الشمس فيمضج ثم قال تعالى كذلك وقد احطنا
بما لديه خبرا وفيه وجوه (الاول) اي كذلك فعل
ذوالقرنين اتبع هذه الاسباب حتى بلغ ما بلغ وقد
علمنا حين ملكناه ما عنده من الصلاحية لذلك
الملك والاستقلال به (والثاني) كذلك جعل الله امر
هؤلاء القوم على ما قد اعلم رسوله عليه السلام في
هذا الذکر (والثالث) كذلك كانت حالته مع اهل
المطلع كما كانت مع اهل المغرب قضی فی هؤلاء كما
قضی فی اولئك من تعذيب الظالمين والاحسان الى
المؤمنين (الرابع) انه ثم الكلام عند قوله كذلك

آن سے فرشتے پوچھیں گے ”فیم کنتم؟“ یعنی تم کس حال میں تھے؟ وہ کہیں گے ”مستضعفین فی الارض“ یعنی ہم لاچار تھے زمین میں، یعنی مگے میں لاچار و مغلوب تھے۔ فرشتے کہیں گے ”الم تکن ارض الله واسعة فتهاجروا فیها“ یعنی کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی، تاکہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟

یہ تو ایک مثال ہے، بیسیوں جگہ قرآن مجید میں الارض کا لفظ خاص ملک پر اطلاق ہوا ہے۔ پس ”مکنا له فی الارض“ سے صاف مراد یہ ہے کہ ہم نے اس کو ایک ملک پر بادشاہت دی تھی۔

سلطنت چین کی ایک بہت وسیع سلطنت تھی، تبت اور تمام ملک جو اس کے قریب واقع تھے، جیسے برہما، انام، سیام اور ملایا سب اس میں شامل اور فغفور چین کے باجگزار تھے۔ چین کی

والصفتی انه تعالیٰ قال امر هؤلاء القوم کما وجد
 هم علیه ذوالقرنین ثم قال بعده وقد احطنا بما
 لدیه خبرای کنا عالمین بان الامر کذلک قوله
 تعالیٰ ثم اتبع سببا حتی اذا بلغ بین السدین وجد
 من دونهما قوما لایکا دون یفقهون قولاً قالوا یا
 ذوالقرنین ان یا جوج وما جوج مفسدون فی الارض
 فهل نجعل لک خرجاً علی ان تجعل بیننا و بینهم
 سداً قال ما مکنی فیہ ربی خیر فاعینونی بقوة اجعل
 بینکم و بینهم ردماً اعلم ان ذالقرنین لما بلغ
 المشرق والمغرب اتبع سبباً اخر وسلك الطريق
 حتی بلغ بین السدین وقد اتاه الله من العلم والقدرة
 ما یقوم بهذه الامور وههنا مباحث (الاول) قرا حمزة

تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چوسی انگ فغفور کے وقت میں اکثر صوبے اور باجگذار ملک باغی ہو گئے تھے ۔ ای جن جب اس کا بیٹا تخت نشین ہوا تو اس نے بعض کو شکست دی ، مگر کل ملک پر تسلط نہ کر سکا ۔

چی وانگ ٹی جو کہ بانی سد کا ہے جب بادشاہ ہوا اور اس کا پہلا قرن یا پہلا زمانہ ساز و سامان اور اسباب قوت اور سطوت سلطنت کے جمع کرنے کا ختم ہو گیا اور اس کی سلطنت کا دوسرا قرن یا دوسرا زمانہ شروع ہوا ، تو اس نے ملک میں فتوحات شروع کیں ۔

خدا نے فرمایا ” حتیٰ اذا بلغ مغرب الشمس وجدها تغرب فی عین حمته و وجد عندها قوما “ یعنی جب وہ وہاں تک پہنچا جہاں آفتاب ڈوبتا ہے تو اس کو پایا کہ وہ ایک گدلے پانی کے چشمہ میں ڈوبتا ہے اور وہاں اس نے ایک قوم

والکسانی السدین بغض السین و سدا بفتحهما حیث کان و قرا حفص عن عاصم بالفتح فیہا فی کل القران و قرا النافع وابن عامر و ابوبکر عن عاصم بالضم فیہما فی کل القران و قرا ابن کثیر و ابو عمر السدین و سدا ہمنا بفتح السین فیہما و ضمہما فی السین فی الموضعین قال الکسانی ہما نعتان وقیل ماکان من صنعة بنی آدم فہو السد بفتح السیر۔ والجمع سدود ہو قول ابی عبییدہ وابن الانباری قال صاحب الکشاف السد بالضم فعل بمعنی مفعول ای ہو مّا فعلہ اللہ وخلقہ والسد بالفتح مصدر حدث یحدثہ الناس (البحث الثانی) الاظہران موضع السدین فی ناحیة الشمال وقیلا جیلان بین ارمینیة و بین اذربیدجان

کو پایا ۔

”مغرب الشمس“ کے یہ معنی لینے کہ جس جگہ آفتاب ڈوبتا ہے ، کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتے ، کیونکہ آفتاب کہیں نہیں ڈوبتا ، مگر آدمی ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اس کو آفتاب غروب ہوتا معلوم ہوتا ہے ۔

امام رازی صاحب نے بھی اس امر پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ زمین گول ہے اور آسمان اس پر محیط ہے اور کچھ شک نہیں کہ آفتاب آسمان میں ہے ، اور یہ بھی خدا نے کہا ہے کہ اس کے پاس اس نے قوم کو پایا اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی قوم آفتاب کے پاس موجود نہیں ہے اور یہ بات بھی ہے کہ آفتاب کئی مرتبہ زمین سے بڑا ہے ، پھر کس طرح اس کا زمین کے چشموں میں سے کسی چشمے میں ڈوبنا عقل میں آ سکتا ہے اور جب یہ بات ثابت ہے تو ہم خدا کے اس قول کی کہ ”تغرب فی عین حمته“ کی کئی وجہ سے تاویل کریں گے ۔

اول یہ کہ جب ذی القرنین مغرب میں ایک جگہ پہنچا اور

وقیل هذا المكان في مقطع ارض التترك وحكي بعد بن
جرير الطبري في تاريخه ان صاحب اذر بيجان ايام
فتحتها وجه انسانا اليه من ناحية الخزرفشاهه
ووصفانه بيمينان رفيع وراء خندق عميق وثيق منيع
وذكر ابن خرددار في كتاب السالك والساالك ان
الواثق بالله راى في المنام كانه فتح هذا الروم فبعث
بعض الخدم اليه ليعلنوا فخر جوامع باب الابواب
حتى وصلوا اليه وشاهدوه فوصفوا انه بناء من
لبن من هذه مشدود بالنحاس المذاب وعليه باب

اُس کے بعد کوئی معمورہ باقی نہ رہا تو اُس نے آفتاب کو پایا کہ گویا وہ پانی کے چشمے میں ڈوبتا ہے ، گو کہ درحقیقت ایسا نہ ہو، جس طرح کہ سمندر میں مفر کرنے والا، جبکہ اُس کو کنارہ نہ دکھائی دیتا ہو، آفتاب کو دیکھتا ہے کہ وہ سمندر میں ڈوبتا ہے ، حالانکہ وہ سمندر سے بہت دور ڈوبتا ہے ، یہ وہ تاویل ہے جس کو ابو علی الجبائی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے ۔

دوسرے یہ کہ زمین کی جانب غرب آبادی ہے جو سمندر سے گھری ہوئی ہے ، تو دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ آفتاب اُس سمندر میں ڈوبتا ہے ۔

تیسرے یہ کہ اہل اخبار، یعنی روایتوں کو تسلیم کرنے والے کہتے ہیں کہ آفتاب گرم پانی کے چشمے میں نہایت گرم اور بہت زیادہ پانی میں ڈوبتا ہے ۔ یہ قول نہایت بعید ہے ، اس لیے کہ جب ہم کسوف قمری کو رصد کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کے رہنے والے کہتے ہیں کہ کسوف شام کے وقت ہوا ہے اور مشرق کے رہنے والے کہتے ہیں کہ صبح کے وقت ہوا ہے ۔ پس ہم نے جانا کہ مغرب کے رہنے والوں کی جو شام ہے

مقفل ثم ان ذلک الانسان لما حاول الرجوع اخرجهم الدلیل علی البقاع المحاذیة لسمر قند قال ابو الريحان مقتضی هذا ان موضعة فی الربع الشمالی الغربی من المعمورة والله اعلم بحقیقة الحال (البعث الثالث) ان ذا القرنین لما بلغ ما بین السدین وجد من دونهما ای من ورائهما فجاءوا عنهما قوما ای امة من الناس لا یكادون یفقهون قولا قرا حمزه والكسائی یفقهون بضم الیاء وكسر القاف علی معنی لا یمکنهم تفهیم غیرهم والباقون بفتح الیاء والقاف والمعنی

مشرق کے رہنے والوں کے لیے وہ دوسرے دن کی صبح ہے ، بلکہ جو شام کا وقت ہمارے لیے ہے وہ کسی دوسرے شہر میں عصر کا وقت ہے ، اور ظہر کا وقت ہے دوسرے شہر میں ، اور چاشت کا وقت ہے کسی تیسرے شہر میں ، اور صبح کا وقت ہے کسی چوتھے شہر میں ، اور آدھی رات ہے کسی پانچویں شہر میں ، اور جبکہ بعد تجربے اور استقراء کے یہ حال معلوم ہے اور اس پر اعتبار ہے اور ہم نے جان لیا کہ آفتاب ان تمام وقتوں میں نکلا ہوا رہتا ہے ، تو یہ کہنا کہ وہ دلدل میں ڈوب جاتا ہے ، ایسا کلام ہے جو خلاف یقین کے ہے اور خدا کا کلام اس تہمت سے پاک ہے ۔ پس اب کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم وہ تاویل کریں جو ہم نے بیان کی ۔

اب امام صاحب کی اس تقریر پر غور کرو تو نتیجہ اس کا وہی ہے جو مختصر لفظوں میں ہم نے بیان کیا ہے کہ مغرب الشمس سے ایسی جگہ مراد ہے جہاں سے آدمی کو آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہو ، جیسے سمندر میں سفر کرنے والے کو یا سمندر کے مشرق کنارے پر کھڑے رہنے والے کو سمندر

انہم لا یعرفون غیر لغة انفسہم و ما کانوا یفہمون اللسان الذی یتکلم بہ ذوالقرنین ثم قال تعالیٰ قالوا یا ذالقرنین ان یا جوج و ما جوج مفسدون فی الارض فان قیل کیف فہم ذوالقرنین منہم ہذا لکلام بعدان وصفہم اللہ بقولہ لا یکا دون یفہمون قولاً والجواب ان نقول فیہ قولاً (الاول) ان اثباتہ نفی ونفیہ اثبات فقولہ لا یکا دون یفہمون قولاً لا یدل علی انہم لا یفہمون شیئاً بل یدل علی انہم قد یفہمون علی مشقة و صعوبة (والقول الثانی) ان

میں آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔

اب ملک کے جغرافیے پر نظر کرو ، جب یہ بادشاہ فتوحات کرتا ہوا برہما اور ملایا کے کنارے پر پہنچا تو اُس کی جانب غرب خلیج آف بنگالہ تھی تو اُس نے وہاں ملایا قوم کو پایا اور آفتاب کو فی عین حمۃ ، یعنی خلیج بنگالہ میں ڈوبتا ہوا دیکھا ۔ سمندر کا پانی خود میلا اور کیچڑ سا دیکھائی دیتا ہے اور سورج کے غروب ہوتے وقت اُس کی شعاعوں سے اُس پر سرخی جھلکتی ہے اور اسی واسطے اُس کو عین حمۃ سے تشبیہ دی ۔ پھر خدا نے کہا کہ ” قلنا یا ذی القرنین اما ان

تعذب واما ان تتخذ فیہم حسنا قال اما من ظلم فسوف نعذبه ثم یردّ الی ربہ فیعذبه عذابا نکرا۔ واما من امن و عمل صالحا فله جزاء الحسنی و سنقول لہ من امرنا یسرا“ یعنی ہم نے کہا کہ اے ذی القرنین (اُس قوم کو جو یہاں ملی ہے ، غالباً ملایا کے لوگوں کو) یا تو عذاب دے (یعنی سزا دے) یا اُن پر احسان رکھ (یعنی معاف کر) اُس نے کہا جس کسی نے

کادمعناہ المتقاویۃ و علی ہذا القول فقوله لا یکادون یفتہون قولای لا یعلمون و لیض لہم قَرَب من ان یفقیہوا و علی ہذا القول فلا بد من اضرار و ہوان یقال لا یکادون یفہمونہ الا بعد تقریبہ مشقۃ من اشارۃ و نحوہا و ہذا الایۃ تصیح انہ یحتج بہا علی صحتہ القول الاول فی تفسیر کاد (البحث الرابع) فی ماجوج و ماجوج (الاول) اہما اسمان اعجمیان موضوعات بذلیل منع الصرف (القول الثانی) انہما مشتقان و قراءعاصم یا جوج ماجوج بالہمزۃ و قرالباقون

زیادتی کی ہے اس کو ہم عذاب ، یعنی سزا دیں گے ، پھر پلٹا دیا جاوے گا اپنے پروردگار کے پاس (یعنی مار ڈالا جاوے گا) پھر وہ اس کو عذاب دے گا عذاب سخت ، اور جو کوئی ایمان لایا (یعنی فرمانبرداری کی) اور اچھا کام کیا تو اس کے لیے اچھا بدلہ ہے اور میں کہوں گا (یعنی حکم دوں گا) اس کے لیے اپنے معاملات میں سہولت کا ۔“

یہ بیان اس بادشاہ کے سلوک کا ہے جو اس نے اپنی مفتوحہ قوم کے ساتھ کیا۔ ”قلنا یا ذی القرنین“ سے یہ سمجھنا کہ خدا نے اس بادشاہ سے کلام کیا تھا صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ایسے مقاموں پر قلنا کا لفظ بمعنی شُنا کے آتا ہے جیسے کہ خدا نے ان یہودیوں کی نسبت جنہوں نے سبت کے دن زیادتی کی تھی فرمایا ہے ”قلنا لهم کونوا قردة خاسئين“ اسی طرح اس کے جواب میں قال کا لفظ آیا ہے۔ پس اس طرح کا استعمال نہ نبوت کی نشانی ہے اور نہ خدا کے ساتھ سوال و جواب ہونے کی دلیل ہے ، بلکہ جو سلوک کہ اس فتحمند بادشاہ نے اس مفتوح قوم کے ساتھ کیا اس کا بیان ہے ۔

یا جوج ماجوج و قری فی رواۃ اجوج و ماجوج و قائلون یکون ہذین الاسمعین مشتقین ذکر و وجوها (الاول) قال الکسانی یا جوج ماخوذ من تا جج النار و قلہما قل سرعتہم فی الحركة سمو بذالک و الماجوج من موج البحر (الثانی) ان یا جوج ماخوذ من قولہم اج الظلیم فی مشیہ ینج ابا اذا هرول و سمعت خفیہ فی عدوہ (الرابع) قال الخلیل الاج حب کالعدس و المچ مچ الریق فیحقل ان یکونا ماخوذین منها و اختلفوا فی انہما من ای الاقوام

مذکورہ بالا بیان سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس بادشاہ پر دو زمانے ایسے گزرے جن کا اشارہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے اور یہ نہایت قوی قرینہ ہے کہ ان ہی مختلف دو زمانوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس کی نسبت ذوالقرنین کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اس فتح کے بعد اس نے مشرق کی طرف حملہ شروع کیا اور اس ملک کے مشرق کنارے پر پہنچا، چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ثم اتبع سببا حتى اذا بلغ مطلع الشمس وجدها تطلع على قوم لم نجعل لهم من دونها سترا كذلك وقد احطنا بما لديه خبرا۔“

یعنی پھر اس نے سفر کا سامان کیا، یہاں تک کہ جب وہ پہنچا جہاں آفتاب نکلتا ہے تو اس نے ایسی قوم پر اس کو نکلتا ہوا پایا کہ ہم نے ان کے لیے آفتاب کے ورے کوئی اوٹ نہیں رکھی۔ یہ حال (اس جگہ کا) تھا اور بے شک ہم نے جان لیا تھا جو کچھ اس کے پاس وہاں کی خبر پہنچی تھی۔

”وقد احطنا بما لديه خبرا“ کی نسبت ابن عباسؓ

فقیل انہما من الترك وقیل یاجوج من الترك و
یاجوج من الجبیل والدیلم ثم من الناس من وصفهم
بقصر القامة و صغیر الجثة یكون طول احدہم
شبرا و متہم من وصفہم بطول القامة و کبیر الجثة
وانبتوا لہم محالیم فی الاظفار واضراما کاضرام
السباع واختلفوا فی کیفیة افسادہم فی الارض
فقیل کانوا یقتلون الناس وقیل کانوا یاکلون لحوم
الناس وقیل کانوا یمرجون ايام الربیع فلا یترکون
لہم شیئا اخضروا بالجملة فلقط الفساد محتمل لكل

تفسیر میں لکھا ہے ”قد علمنا بما كان عنده من الخبر والبيان“ اسی کے مطابق ہم نے بھی ترجمہ کیا ہے۔ جو معنی ہم نے ابھی مغرب الشمس کے بیان کیے ہیں وہی معنی مطلع الشمس کے ہیں، یعنی وہ ایسی جگہ پہنچا جہاں اُس کو آفتاب نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

یہ حال مملکت چین کے شرقی کنارے کا ہے جو بہت بڑے سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ جب آفتاب نکلتا ہے اُس کنارے کے رہنے والوں میں اور آفتاب کو نکلتا ہوا دکھائی دینے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ سمندر کے پانی کی صاف سطح ہوتی ہے اور آفتاب کا نکلتا بغیر کسی حجاب کے اُن ہی لوگوں پر ہوتا ہے۔

اس طرف کے ملک کے لوگوں کو زیر کرنے کے بعد اُس بادشاہ نے پھر سامان درست کیا، چنانچہ خدا فرماتا ہے ”ثم اتبع سببا حتى اذا بلغ بين السدين وجد من دونهما قوما لا يكا دون يفقهون قولا۔“

یعنی پھر اُس نے سامان سفر کیا، یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو سدوں، یعنی دو پہاڑوں میں تو اُس نے اُن کے ورے ایک قوم

هذه الاقسام والله اعلم بمراده ثم انه تعالى حكى عن اهل ما بين السدين انهم قالوا الذي القرنين فهل نجعل لك خرجا على ان تجعل بيننا وبينهم سدا قرا حزمزة والكسائي خراجا والباقون خرجا قبل الخراج والخراج واحد وقيل هما امران متغايران وعلى هذا القول اختلفوا قيل الخرج بغير الف هو ان يجعل لان الناس كانوا واحد منهم شيئا فيخرج هذا اشيئا وهذا اشيئا والخراج هم الذي يهبه السلطان كل سنة وقال القراء الخراج هو الاسم الاصل والخرج

کو پایا کہ بمشکل آن کی بات سمجھتے تھے ۔

یہ مقام مملکت چین کی شمالی حد پر ہے اور جس قوم کا ذکر ہے وہ تاتاری اور قدیم ستھیا کی رہنے والی تھی جو غارت گری اور لٹیرے پن میں مشاق اور لوٹ مار کی عادی تھی ۔ آن کی زبان چین کے رہنے والوں سے مختلف تھی ۔

جب وہ بادشاہ اس مقام پر پہنچا تو لوگوں نے کہا جو قرآن مجید میں مذکور ہے ، چنانچہ خدا فرماتا ہے ”قالوا یا ذا القرنین ان جوج و ما یا جوج مفسدون فی الارض فهل نجعل لك خرجا علی ان تجعل بیننا و بینهم سدا قال ما مكنی فیہ ربی خیر فاعینونی بقوة اجعل بینکم و بینهم ردا ما۔“

یعنی آن لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین یا جوج و ما جوج فساد کرنے والے ہیں زمین (یعنی ملک) میں ، پھر کیا ہم تیرے لیے کوئی محصول (یعنی ٹیکس یا باجھ) مقرر کریں ، اس بات پر کہ تو بنا دے ہم میں اور آن میں سد (یعنی فصیل یا دیوار یعنی ایسی روک کہ وہ ہمارے ملک میں نہ آسکیں)

کالمصدر وقال قطرب الخراج الجزية والخراج فی الارض فقال ذوالقرنین ما مكنی فیہ ربی خیر فاعینونی ای ما جعلنی مکنی من المال الكثير و اليسار الواسع خیر مما تبذلون من الخراج فلا حاجة لی الیه و هو کما قال سلیمان علیہ السلام فماتانی الله خیر مما اتاکم قرأ ابن کثیر ما مكنی ینولین علی الاظهار والبقاؤن بنون واحدة مشددة علی الادغام ثم قال ذوالقرنین فاعینونی بقوة اجعل بینکم و بینهم ردا ما ای لا حاجة لی فی مالکم ولكن

اُس بادشاہ نے کہا کہ خدا نے جو مقدور مجھ کو دیا ہے وہ بہت اچھا ہے (یعنی کافی ہے ، محصول لگا کر روپیہ لینے کی ضرورت نہیں) پھر تم میری مدد کرو۔ محنت کرنے سے میں بنا دوں گا تمہارے اور اُن کے بیچ میں مضبوط دیوار۔

پہلی بات اس آیت میں جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ ”قالوا یا ذا القرنین“ کس کا قول ہے۔ مفسروں کا یہ خیال ہے کہ یہ اُسی قوم کا قول ہے جو اُس جگہ ملی تھی اور جس کی نسبت کہا گیا ہے ”لایکادون یفقهون قولاً“ مگر یہ خیال ہرگز صحیح نہیں۔ یہ قول اُن لوگوں کا ہے جو سرحد چین کے اندر اور فغفور کے ملک میں رہتے تھے اور اُسی قوم کی لوٹ مار کے بچنے سے جس کی نسبت کہا گیا ہے ”لایکادون یفقهون قولاً“ دیوار بنوانا چاہتے تھے۔

دوسری چیز جو اُس بادشاہ نے علاوہ محنت کے اُن سے چاہی وہ لوہا تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ”اتونی زبر الحديد حتی اذا ساوی بین الصدین قال

اعینونی برجال وآلة ابنی بها السد وقیل المعنی اعینونی بمال اصرقہ الی هذه المهم ولا اطلب المال لاخذہ لنفسی والردم هو السد یقال ردمت الباب ای سدته و ردمت الثوب رقعة لانه یسد الخرق بالرقعة والردم اکثر من السد من قولهم ثوب مردوم ای وضعت علیہ رقاع قوله تعالیٰ ، اتونی زبر الحديد حتی اذا ساوی بین الصدین قال انفخوا حتی اذا جعلہ نارا قال اتونی افرغ الیہ قطرافما استطاعوا ان یظہروہ وما استطاعوا لہ لقبا قال هذا

انفخواحتلی اذا جعله نارا قال اتونی افرغ علیہ
قطرا۔“

یعنی لا دو مجھ کو لوہے کے ٹکڑے، یہاں تک کہ جب
وہ دونوں پہاڑوں میں برابر کر چکا تو کہا، دھونکو، یہاں تک کہ
جب اس لوہے کو آگ، یعنی لال کر دیا تو اس نے کہا مجھ کو
لا دو میں اس پر ڈال دوں پگھلی ہوئی دھات، یعنی تانبا یا پیتل
یا میسہ۔

یہ آیتیں نہایت صاف ہیں، مگر مفسرین نے ان کو عجیب
طرح پر بیان کیا ہے۔ قرآن مجید میں جو لفظ زبر الحديد آیا ہے
اس کے معنی لوہے کی تختی یا لوہے کی اینٹیں قرار دیے ہیں اور
پھر یہ قرار دیا ہے کہ ان لوہے کی اینٹوں کو اوپر تلے رکھ کر
بطور دیوار کے چنا اور اس کو پہاڑ کی چوٹی تک اونچا کر دیا اور
جب وہ پوری ہوگئی جس کی لمبائی پندرہ سو میل کے قریب تھی
تو آگ جلا کر اس دیوار کو آگ کے مانند کر دیا، یعنی جیسے
لوہا آگ میں جلانے سے لال مثل آگ کے ہو جاتا ہے، اسی طرح
ساری دیوار مثل آگ کے ہوگئی۔ پھر اس دیوار پر پگھلا ہوا تانبا

رحمة من ربی فاذا جاء وعد ربی جعله دكا و كان وعده
ربی حقا اعلم ان زبرا الحديد قطعہ قال الخلیل
الزبرہ من الحديد القطعہ الضخمة قراءة الجميع
اتوی بمد الالف الاحمزة فانه قرأ الثنونی من الایتان
وقد روی ذلک عن عاصم والتقدیر الثنونی زبرا الحديد
ثم حذف الیاء کقوله وشکرتہ له وکفرته وکفرت
له وقوله حتی اذا ساوی بین الصدقین فیہ اضمارای
فاتوه بها فوضع تلک الزبر بعضہا علی بعض حتی
صارت بحیث تسد ما بین الجبلین الی اعلاهما ثم

ڈالا اور وہ درزوں میں بیٹھ کر جم گیا اور سب مل کر لوہے کی ایک ڈال دیوار یا ایک ڈال مثل لوہے کے پہاڑ کے ہو گئی۔

یہ تفسیر ایسی ہے جو نہ عقل میں آسکتی ہے اور نہ قرآن مجید کی آیتوں میں اس خارج از عقل کارستانی کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ کسی طرح قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا ہے کہ وہ دیوار لوہے کی اینٹوں سے چنی گئی تھی۔ لوہا بلاشبہ دیوار کے بنانے میں کام میں لانے کو منگوا یا گیا تھا، مگر یہ بات کہ اس لوہے سے دیوار چنی گئی تھی، ہرگز قرآن مجید میں نہ مذکور ہے نہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

یہ دیوار جو سد کے نام سے مشہور ہے پہاڑی ملک میں بنائی گئی تھی اور کچھ شبہ نہیں کہ پتھروں کی چٹانوں سے بنائی تھی، مگر پتھروں کی چٹانوں کے مضبوط کرنے اور ایک کو دوسرے سے جوڑنے کو لوہا درکار تھا۔ اس کی نسبت اس بادشاہ نے کہا کہ لوہے کے ٹکڑے مجھ کو لا کر دو۔

اس دیوار کو بنے اکیس سو بائیس برس "تزرے" ہوں گے، اس زمانے کی بہت سی عارتوں کے نشان اور کھنڈر اب بھی موجود

وضع المناقح علیہما حتی اذا صارت کالنار صب النحاس المذاب علی الحديد المحی فانصق بعضه ببعضها وصار جبلا صه لداو اعلم ان هذا معجزا قاهر لان هذه الزبر الکثیرة اذا نفخ علیها حتی صارت کالنار لم یقدر الحیوان علی القرب منها والنفخ علیها لا یمکن الا مع القرب منها فکانه تعالی صرف تاثیر الحرارة العظيمة عن ابدان اولئک المنافخین علیها قال صاحب الکشاف قیل بعد ما بین السدین ماتہ فرسخ والصدفین بفتحتین

ہیں۔ پتھر کی چٹانوں کی دیوار بنانے کا اور آس کو مضبوط کرنے کا کہ کوئی پتھر دیوار میں سے نکالنے سے نہ نکل سکے یہ دستور ہے کہ دو چٹانوں کو برابر رکھ کر دونوں کے سروں کے پاس سوراخ کرتے ہیں اور ان میں لوہے کے پانوں لگاتے ہیں، تاکہ ایک دوسرے سے جڑ جاوے اور نکالنے سے نکل نہ سکے اور آس لوہے کے پانوں کو جس کا ایک سرا ایک چٹان کے چھید میں اور دوسرا سرا دوسری چٹان کے چھید میں رہتا ہے، آگ سے لال کر کے ان چھیدوں میں لگاتے ہیں اور کوئی پگھلی ہوئی دھات ان چھیدوں میں ڈال دیتے ہیں، تاکہ پانوں کے سرے چھیدوں میں جم جاویں اور پتھر نکلنے نہ پاویں اور کسی طرح بغیر دیوار کے منہدم کیے نہ دیوار میں چھید ہو سکے اور نہ کوئی پتھر ٹل سکے۔

قرآن مجید کے ان لفظوں کے کہ ”حتیٰ اذا ساوای بین الصد فین“ یہ معنی سمجھنے کہ جب وہ دیوار دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر اونچی ہو گئی تھی، صحیح نہیں ہے، بلکہ ساوای بین الصد فین کا اطلاق دونوں پہاڑوں میں دیوار کی بنیاد کے برابر کرنے پر صادق آتا ہے اور بنیاد کو برابر کر کے آس پر ردہ

جانبا الجبلین لانہما یتصاد فان ای یتقابلان و
قری الصد فین بضم فین والصد فین بضمه و سکون
والقطر النحاس المذاب لانہ یقطر وقوله قطرا
منصوب بقوله افزع و تقدیرہ اتونی قطرا افزع
علیہ قطرا فحذف الاول لدلالة الشاف علیہ ثم قال
فما استطاعوا فحذف التاء للخفہ لان التاء قریبۃ
المخرج من الطاء و قری فما استطاعو بقلب السین
صادا ان یظہر وہ ان یعلوہ اے ما قدر و اعلی الصعود
علیہ لاجل ارتفاعہ و ملاءتہ و اعلیٰ نقبہ لاجل صلابۃ

لگایا جاتا ہے۔ پس قرآن مجید کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اُس نے دونوں پہاڑوں کے بیچ میں دیوار کو برابر، یعنی موافق محاورۂ عمارت لیول میں، یعنی پنسال میں کیا اور اُس پر جو ردہ لگایا تھا اس میں لوہے کے ہانوں لگانے کی غرض سے کہا کہ لوہے کو پھونکو اور جب وہ مثل آگ کے لال ہو جاوے اُس کو لگاؤ اور اُس پر پگھلی ہوئی دھات ڈال دو۔ پس یہ دیوار اسی طرح پر بنی ہے جس طرح عموماً اس قسم کی دیواریں بنتی ہیں۔ عجیب بات اس میں جو ہے وہ یہی ہے کہ پندرہ سو میل کے قریب لمبی ہے اور پہاڑوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور میدانوں میں اور دریاؤں پر برابر بنتی چلی گئی ہے۔

اس دیوار کی مضبوطی ظاہر کرنے کو خدا نے فرمایا ”فما استطاعوا ان يظهروه وما استطاعوا له نقبا“ قال هذا رحمة من ربى فاذا جاء وعد ربى جعله دكاء وكان وعد ربى حقاً۔“

یعنی پھر قوم یا جوج و ماجوج اُس پر نہ چڑھ سکی اور نہ اُس میں نقب لگا سکی۔ اُس بادشاہ نے کہا کہ یہ دیوار ایک

وئحانة ثم قال ذوالقرنین هذا رحمة من ربى فقلوه هذا اشارة الى السداى هذا السد نعمة من الله رحمة على عباده او هذا لاقتدار والتمكين من تسوية فاذا جاء وعداى اذا دنا مجبى القيمة جعل السد دكا اے مدكو كا مستويا بالارض وكل ما انبسط بعد الارتفاع فقد افدك وقرى وكاء بالسداى ارضا مستوية و كان وعد ربى حقاً وههنا آخر حكاية ذى القرنين۔ (تفسير كبير)

رحمت ہے ، میرے پروردگار کا وعدہ آوے گا تو اس کو ریزے ریزے کر دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے ۔

ان آیتوں کی نسبت مفسرین نے محض بے سند اور افواہی کہانی آمیز روایتوں سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یاجوج و ماجوج اس دیوار کے توڑنے کے درپے ہیں ۔ آنحضرت صلعم کے زمانے میں رویہ برابر سوراخ کر چکے تھے ، جب حضرت عیسیٰؑ آسمان پر سے آئیں گے اس وقت وہ اس کو توڑ کر نکلیں گے ، گویا یہ وعدہ ہے خدا کا جو اس آیت میں مذکور ہے اور جب وہ نکلیں گے تو تمام دنیا کو لڑائی سے عاجز کر دیں گے ۔ آسمان پر تیر چلاویں گے وہ لہو بھری آویں گے آخر کو حضرت عیسیٰؑ کی بد دعا سے سب مر جاویں گے ۔

یہ محض بے اصل کہانیاں ہیں ۔ اب اس زمانے میں تمام تاتار پر جو یاجوج و ماجوج کی قوم ہے چینیوں کی عملداری ہے جو چینی ترکستان کے نام سے موسوم ہے ۔ یاجوج و ماجوج ، یعنی تاتاری تمام دنیا میں پڑے پھرتے ہیں ، نہ کسی کے کان بڑے ہیں اور نہ کسی کا گوشت کھاتے ہیں ، خاصے بھلے چنگے آدمی ہیں ۔

جس طرح کہ خدا تعالیٰ بجا فرماتا ہے کہ اخیر کو تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اسی طرح اس دیوار کی نسبت بھی فرمایا ہے جیسے کہ زمین کی نسبت فرمایا ”کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملك صفاً صفاً۔“

مسٹر جیمس کارکرن نے ایک چینی تاریخ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔ اس تاریخ میں اس بادشاہ اور اس دیوار کی نسبت جو کچھ لکھا ہے ، اس مقام پر نقلی کرتے ہیں ۔

تاریخ جن جیمس کارکرن

ای جن کے بعد جی وانگ ٹی فغفور ہوا اور اکثر ختائی مؤرخوں کی روایت ہے کہ وہ ای جن کے لطفے سے نہ تھا، کیونکہ اس کی ماں جب ایک مرد سوداگر سے حاملہ ہو چکی تھی تب اس نے فغفور کے ہاتھ اس عورت کو بیچا تھا اور اس شخص نے یہ حرکت اس امید سے کی، تاکہ تمنا دل کی پوری ہووے اور اپنی اولاد کو تخت پر دیکھے۔ اگرچہ یہ امر بعید القیاس نہیں ہے، لیکن شبہ اس نقل کی راستی پر اسی جہت سے ہوتا ہے کہ علماء ختا بسبب ایک سانحے کے جو ذیل میں مذکور ہے، اس کے نام پر ہزارہا لعنتیں کرتے ہیں اور یہ فقرہ اس کے حرام زادہ ہونے کا توہین کے قصد سے انہوں نے تیار کیا ہے۔ غرض یہ تحقیق ہے کہ سوداگر نے فغفور ای جن سے یہ دوستی بڑھائی اور اپنی لیاقت اس طرح اس کے نزدیک ظاہر کی کہ ای جن نے خدمت وزیر اعظم کی اسے دی۔ خیر جب فغفور نے انتقال کیا وہی لڑکا تیرہ برس کی عمر میں گدی پر جلوہ بخش ہوا اور ایسے بہادر اور مدبر فغفور گنتی کے دو تین ہی ہوئے ہیں اور ایسا کام اس نے کیا کہ نام اس کا قیامت تک رہ جائے گا۔

اعیان دولت سے ایک شخص بنام لی زی غیر ملکی تھا، یعنی وطن اس کا ریاست فغفور چین سے باہر دوسرے ایک سلطان کی حد میں واقع تھا۔ جب فرمان اس مضمون کا نکلا کہ جتنے غیر ملکی اس سرکار کی ریاست میں آئے ہیں سب اپنے اپنے وطن کو چلے جاویں، تب اس لی زی نے ایسی ایک عرضی حضور میں گزرائی اور ریاست میں اغیار کے رہنے سے جو فائدے متصور تھے سب اس خوبی اور فصاحت کے ساتھ اس نے بیان کیے کہ فغفور نے اپنے حکم کو دوسرے ہی روز منسوخ کیا اور لی زی کو

وزیر اعظم بنایا اور اسی کی صلاح سے بادشاہ نے تمام سلاطین کو سر کیا اور شہنشاہ ختا اصل حقیقت میں ہوا۔ اس کی صورت اس طور سے ہوئی کہ پہلے کئی برس تک فغفور نے اپنے اخراجات کو حد اعتدال پر رکھا، لڑائی بھڑائی سے وہ باز رہا اور خزانے کو خوب ہی معمور کیا۔ جب دولت با مراد حاصل ہوئی فغفور نے زر پاشی شروع کی اور سلاطین میں زر کے وسیلے سے بگاڑ ڈلوا دیا اور جب ایک دوسرے سے لڑ کر قریب تباہی کے پہنچا اور اس کا حریف بھی علیٰ هذا القیاس ضعیف ہوا، تب فغفور نے کوئی بہانہ کر کے دونوں سے یا ایک سے بگاڑ کیا اور آنا فنا میں اس کا ملک چھین لیا اور اسی تدبیر سے تمام سلاطین کو اس نے بے تحت و تاج کیا اور ساری مملکت ختا کا مالک ہوا، اور شہنشاہ اسی وقت سے کہلایا اور حالانکہ دولت و ملکیت خواہش سے زیادہ ہاتھ آئی تھی اور تبت بزرگ کی حد سے مشرق سمندر تک اور ملک تاتار سے بحر جنوب تک حکمرانی ہوئی، لیکن آرام و عیش طلبی مطلق مزاج میں نہ سہائی۔ باوجودیکہ مکانات عالیشان اس نے بہت بنائے اور بے غایت تکلفات سے آراستہ کیا اور باغات میں بھی علیٰ هذا القیاس سامان بے پایان عیش و نشاط کا مہیا کر دیا اس پر بھی یہ قاعدہ تھا کہ چند آدمی کو لیے پوشیدہ جاتا تھا اور احوال وہاں کے حکام عدالت اور تحصیل اور محاصل زراعت کے خود دریافت کرتا تھا اور شوق اس کے دل میں یہی تھا کہ مملکت ختا کا از سر نو بند و بست کرے اور قدیم فغفوروں کی زویۃ پر نہ چلے اور اس ارادے سے جب دستورات قدیم سے اندک فرق کرتا تھا علماء کا شور اٹھتا تھا کہ فلانی بات یاؤ اور شن اور یو کے خلاف حکم کے ہے، اس کو کرنا امتناع ہے اور یہ روک ٹوک جب فغفور کو ناگوار گزری، لی زی سے اس نے مشورت کی اور وزیر نے

تمام کتب قدیم کو جمع کر کے آگ لگا دینے کی صلاح دی اور یہی بات وقوع میں آئی۔ اس سبب سے تاریخ ختا کے اکثر مقامات میں خلاء واقع ہوا ہے اور بہت سے احوال کو مؤرخوں نے فقط یاد سے لکھا ہے اور یہ حرکت ختائی علماء اور شعراء کو ایسی بری معلوم ہوئی کہ چی وانگ ٹی اور شیطان میں انہوں نے فرق نہیں کیا اور ولد الزنا ٹھہرانے کے علاوہ ابلیس مجسم کا لقب اُس کو دیا ہے۔ حقیقت میں اُن کی ہجو بے سبب نہیں تھی، کیونکہ ایک تو کتب قدیم کے نقصان کرنے اور سب فاضلوں کے گھر سے کتاب جبراً منگوا کے جلادینے کی حرکت اُس نے کی ہی تھی، علاوہ اس کے چار سو ساٹھ علماء کو اس قصور پر اُس نے جیتا گڑوا دیا کہ اپنے اپنے کتب خانے کو بادشاہ کے پیادوں کے حوالے انہوں نے نہیں کیا تھا۔ سوائے اس کے خوف فغفور کو یہ تھا کہ اگر زندہ رہیں گے تو حافظے سے اُن کتابوں کو پھر لکھیں گے اور ہم کو عاجز کریں گے۔ غرض طیش میں آکر چی وانگ ٹی نے یہ خون ناحق کیا اور بے رحم اور سنگدل اور خوفخوار بجا کہلایا، لیکن ان عیبوں کے ساتھ اتنا تھا کہ ختا میں اگر پانچ فغفور متواتر اسی طرح کے ہوتے تو واللہ اعلم کیا کیا وہ نہ کر۔ اور کس کس ملک کو عمل میں نہ لاتے۔ القصہ جب کشت و خون اور لڑائی بھڑائی سے فارغ ہوا اور انتظام ملک کا تردد کر چکا، ہمیشہ جینے اور باقی رہنے کی ہوس اُس کے ذل میں ازبس پیدا ہوئی اور اس خیال باطل کو خوشامدیوں نے ترقی دی۔ آخر الامر چند نوجوان مرد اور عورتوں کو اس مشرق سمندر کی طرف روانہ کیا، اس لیے کہ سن چکا تھا کہ آدھر کے جزیروں میں ایک جزیرہ ایسا تھا کہ وہاں کے چشمے کا پانی جس نے پیا مرگ اُس کے نزدیک نہیں آئی۔ غرض وہ لوگ گئے اور

پھر آئے اور اُن کا بیان یہ تھا کہ مشرقی سمندر میں طوفان نے آگے بڑھنے نہ دیا ، لیکن ایک مردک کا جہاز چونکہ طوفان میں بحر سے الگ ہو گیا تھا اُس نے چندے بعد اُن کر یہ قترہ سنایا کہ منزل مقصود تک پہنچا تھا ، لیکن چشمہ اُس ایام میں جاری نہ تھا۔ غرض اس کے ہاتھ ایک کتاب آئی تھی جس میں یہ بات اُس نے لکھی پائی کہ چین کا گھرانہ اُس خاندان کے ہاتھ سے تباہ ہوئے گا جس کا نام ہو کے لفظ سے شروع ہے۔ اس واہیات بات کے اعتبار پر فغفور نے فوراً جنگ کا سامان تیار کیا اور چونکہ ایک قوم تاتار کا نام ہوانگ تو تھا اور پہلے حروف ہو تھے ، دفعۃً ان کے ملک پر چڑھ گیا اور چونکہ اچانک جا پہنچا اور سب کو بے فکر پایا ، اس سبب سے اُن کو پائمال کیا والا اگر پیشتر سے خبر اُن کو ملتی تو شاید شکست نہ ہوتی ، بلکہ غالب ہے کہ وہ تاتار خونخوار سب فغفور کو نہایت تنگ کرتے ، کیونکہ وہ بڑے جنگی اور صحرا کے رہنے والے تھے اور لوٹ تاراج سے اُن کی اوقات اور شکار پر اُن کی گزران تھی اور ہر وقت گھوڑوں پر سوار ہاتھ میں تیرکان تلوار لیے خونخوار بنے رہتے تھے ، اگرچہ وہ بھی قوم ختا سے تھے ، چنانچہ بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ شہزادہ چنکوئی خاندان ہیا کے تباہ ہونے سے صحراے تاتار میں جا چھپا تھا اور بعض کا بیان ہے کہ اُسی ہیا ، یعنی یو کے گھرانے کا وہ شہزادہ باپ سے روٹھ کر صحرا میں چند آدمیوں کو لیے چلا گیا تھا ، وہی جد اُن لوگوں کا تھا ، لیکن صحرا کی آب و ہوا کی خاصیت اور قنات کے نیچے بود و باش کرنے اور کچے گوشت کھانے اور رات دن کمر بندھے رہنے کی عادتوں نے ان کو ایسا مضبوط بنایا تھا کہ شہری ختاہوں سے اور اُن سے کچھ نسبت باقی نہ رہی اور اُن کی گروہ ایک دوسری قوم ہو گئی اور یہی لوگ تھے کہ کسریل اور سکندر

بھی آن کی بہادری اور مضبوطی اور سپہ گری کے قائل ہوئے اور ان سے باج نہ لے سکے اور اسی قوم کے پہلوانوں سے رسم اور اسفندیار کا مقابلہ ہوا اور افراسیاب بھی تاتار ہی تھا۔ یہ لوگ تیر اندازی اور تلوار کے دھنی تھے اور ان کے گھوڑے بجلی تھے اور ان سے جب کسی سے بگڑتی تھی دشمنوں کو لاکھوں گھوڑوں

کی ٹاپوں سے روند ڈالتے تھے اور غنیم پر دفعۃً ایسے جا پڑتے تھے کہ ان لوگوں کو حربہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی تھی، گویا اجل سامنے موجود ہو جاتی تھی، اور ان کی رکاوٹ نہ دریا نہ جنگل نہ کوہستان کسی سے ممکن تھی۔ حاصل کلام تاتاری رسالوں میں ہر شخص ایک شہسوار خونخوار تھا اور ان لوگوں نے سینکڑوں تختوں کو آٹ دیا اور جو سامنے پڑا، خواہ دشمنی کی راہ سے خواہ لوٹ تاراج سے وہ بچ گئے نہیں گیا۔ الغرض چونکہ ان کا حال اسی جلد کے تیسرے دفتر میں طوالت کے ساتھ ہے یہاں پر اتنا ہی بیان کا موقع تھا کہ نتیجہ غفلت کا معلوم ہووے کہ غافل رہنے سے ایسے تاتار خونخوار بھی مارے پڑے۔ القصہ چی وانگ ٹی باوجود اس شکست دینے کے خوب جانتا تھا کہ یہ قوم موقع پا کر انتقام ضرور لے گی اور تاوقتیکہ بدلہ اور عوض معقول نہ ہووے اس شکست کی یاد ہمیشہ دل کو صدمہ پہنچائے گی، اس سبب سے اس نے دیوار ختا کی بنا کی جس کا تمام احوال عاصی نے جلد اول کے دوسرے دفتر کے چودھویں باب کے چار سے صفحے میں بیان کیا ہے۔

سینتیس برس اس نے سلطنت کی اور اس کے ایام انتقال کو مؤرخوں نے ۲۱۰ قبل مسیح قرار دیا ہے۔

ذکر بنائے دیوار

یہ دیوار قریب آٹھ کوس کے لمبی ہے اور سرحد ختا اور

تاتار پر واقع ہے اور وجہ اس کی تیاری کی یہ ہوئی کہ جب قوم تاتار نے اس طوف سے بار بار یورش کر کے ختائیوں کو سخت عاجز کیا اور کوئی تدبیر ان کو ضبط کرنے کی نہیں سوچھی تب اس دیوار کی بنا کی گئی اور فغفور جی وانگ ٹی نے دو سو چالیس برس قبل حضرت عیسیٰ کے اسے شروع کیا اور عرصہ قلیل ، یعنی صرف پانچ برس میں یہ تمام ہوئی اور حال اس کا یہ ہے کہ نہ پہاڑ نہ دریا کوئی مانع اس کی ساخت کا ہوا اور آٹھ سو کوس تک جو موانع سامنے آئے سب کو دفع کرتی ہوئی یہ دیوار اپنی منزل مقصود تک پہنچی ہے اور کئی مقام پر آدھ آدھ کوس کے آونچے پہاڑوں کی چوٹی پر سے یہ دیوار کھینچی ہوئی ہے اور بعض جگہ بڑے بڑے دریا پر پہلوں کے اوپر سے بہ گئی ہے اور زیادہ تکلف یہ ہے کہ سمندر کے بیچ سے شروع اس طرح پر ہوئی ہے کہ صدھا جہاز پتھروں سے لدے ہوئے ڈبا دیے گئے اور اس پر اس کی بنیاد قائم ہوئی ہے اور آٹھ سو کوس تک تین گز اونچی اور اس قدر چوڑی ہے کہ چھ سوار پہلو بہ پہلو فراغت سے اس پر گھوڑے دوڑا سکتے ہیں اور سو سو قدم پر دو منزلہ اور سہ منزلہ برج بنے ہوئے ہیں ، اور جب تک کہ تاتاریوں نے اپنی دولت کی بنا ختا میں نہیں ڈالی تھی تب تک ہزاروں توپیں ان پر چڑھی رہتی تھیں اور دس لاکھ فوجوں کی تقسیم تمام برجوں میں تھی ۔ غرض جب سے قضاے فلکی سے وہی لوگ جن کی یورش کے سبب سے یہ دیوار بنی تھی ختا کے مالک ہوئے تب سے وہاں کی فوج موقوف ہوئی اور برج اور دیوار بے مرمت رہنے لگے ، مگر کئی باتیں عجیب و غریب اس دیوار کی ساخت میں ہوئیں کہ ختائیوں کی حکمت اور قدرت اور مستقل مزاجی کی دلیلیں ہیں ، چنانچہ اول یہ کہ معاری کے سر انعام اور بڑے بڑے تختے پتھروں

کے ان لوگوں نے آدھ آدھ کوس کے بلند پہاڑوں پر پہنچائے جہاں چڑھنے کا کوئی سہارا نہیں معلوم ہوتا ، اور کڑارے کی بلندی ایسی ہے کہ آدمی کی چڑھائی ناممکن نظر آتی ہے ، اور دوسری بات تعجب انگیز ہے کہ سمندر میں جہاں تھاہ گم اور جوش و خروش بحر ذخار کا زیادہ ہے وہاں کس طرح سے نیو ڈالی گئی کہ دو ہزار برس سے ہلی نہیں ، باوجودیکہ ختا کے سمندر میں ایسا طوفان دس بیس دفعہ ہر سال میں آتا ہے کہ صدہا جہاز اور تھمینہ بارہ چودہ ہزار آدمی سالانہ ان ہی طوفانوں میں ہلاک ہوتے ہیں اور زور و شور ہوا کا ایسا ہوتا ہے کہ ایک انگریز نا خدا بہت تجربہ کار اور عقلمند کا بیان اس طور پر ہے کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ایک ہی جہاز کی گلی پر دس ہزار قرنا اور دس ہزار تقارے دفعہ بجائے جاتے تو اسی جہاز کی پتوار پر سوا طوفان کے غل اور شور کے ان قرناؤں کی آواز کوئی شخص نہیں سن سکتا ۔ الغرض جس سمندر میں ہر سال دس بیس مرتبہ یہ قیامت برپا ہو اس میں اس دیوار کا قیام عجائبات سے ہے ۔ تیسری بات یہ کہ باوصفیکہ آدھی خلقت سے زیادہ اس کی تیاری میں مطابق فرمان کے ہر وقت حاضر رہتی تھی ، لیکن پانچ برس کے قلیل عرصے میں اس دیوار کا تمام ہونا تعجبات سے ہے ، کیونکہ ایک انگریز سیاح نے حساب کیا تو دیکھا کہ اس دیوار کے فقط برجوں کی ساخت میں اس قدر اسباب معماری کا صرف ہوا ہے کہ انگلستان کی ہر طرح کی عمارتوں میں جو خرچ ہوا ہے شاید اس کے مقابلے میں بہت کم نکلے گا اور منصفی شرط ہے کہ تمام دیوار میں کس قدر اسباب صرف ہوا ہو گا اور چوتھی بات حیرت افزا یہ ہے کہ جس ناکے پر یہ کھینچی ہے وہاں سے منزلوں تک نہ ہستی نہ انسان کی نشانی تھی اور آٹھ سو کوس تک فقط صحرا اور کوہستان اور جنگل

تھا اور وہاں پر اس کارخانے کے لیے لازم ہوا ہو گا کہ سینکڑوں کوس سے مزدوروں اور کاریگروں کے لیے رسد اور دیوار کے واسطے سرانجام آوے اور اس وجہ سے مشکلیں دہ گئی ہوئی ہوں گی ، لیکن ختائیوں کی حکمت اور استقلال اور ثابت قدمی سب موانع پر غالب ہوئی اور ایک نشانی ایسی رہ گئی ہے کہ روئے زمین پر کوئی یادگار انسان کی اولوالعزمی کی اس کے مقابلے میں نہیں ہے ، بجز آس نہر بزرگ کے جو ختا میں تین سو بیس کوس تک بنائی گئی ہے اور جس کے لیے قبلا خاں چنگیز کے پوتے کی عص اور ختائیوں کے علم اور ثابت قدمی پر لاکھ لاکھ درود بھیجنا مقتضائے انصاف ہے ۔
 انتہی ۔

یہ بات کچھ کم تعجب کی نہیں ہے کہ سکندر کی نسبت بھی کہا گیا ہے کہ جو آس کا باپ مشہور تھا وہ آس کا بیٹا نہ تھا ، اسی طرح چی وانگ ٹی کی نسبت بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے مشہور باپ کا بیٹا نہ تھا ۔

سکندر کی نسبت بھی کہا گیا ہے کہ آس نے آب حیات کی تلاش کی تھی اور چی وانگ ٹی کی نسبت بھی آب حیات کا دھونڈنا مذکور ہوا ہے اور اسی لیے شبہ ہوتا ہے کہ چی وانگ ٹی کے حالات کو سکندر کے حالات میں ملا دیا ہے ۔

چین ایسا ملک تھا کہ اگلے زمانے میں بہت کم اس کی تاریخ معلوم تھی اور ظاہر یہی سبب ہوا ہے کہ مؤرخوں اور مفسروں کو سد کا مقام بتانے اور آس کے بننے کے حالات بیان کرنے میں دھوکا پڑا ہے ۔ فقط

عرب کے بتوں کے نام اور ان کے حالات

(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۱۲ (دور سوم) بابت
یکم رمضان ۱۳۱۳ء)

کتابوں میں تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں
یالیس بت تھے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس سے زائد ہوں، مگر
کتابوں میں اسی قدر نام ملے ہیں۔ منجملہ ان کے آٹھ بت وہ ہیں
جن کا نام قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔

ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، لات، منات، عزی۔
علاوہ ان کے چونئیس اور بت ہیں جو لغت کی کتابوں اور
دیگر کتابوں سے پائے جاتے ہیں۔

ذوالکلب، ہبل، اساف (مجاور الريح) نائلہ (مطعم الطیر)
سعد، کثری، تیم، ذوالشری، باجر، جہار، اوال، محرق،
سعیر، عمیانس، فلس، رضا، ذوالکفین، بجمہ، جریش، جلد،
شارق، عاثم، اقبصر، کسعہ، مدان، عوف، مناف، یالیل،
جہہ، ابراطالہ، خلصہ، شمس، ریام، فراض۔

قرآن مجید میں جو پانچ نام ہیں، یعنی ود، سواع، یغوث،
یعوق، نسر، ان کی نسبت مختلف اقوال کتابوں میں لکھے ہیں۔
بعضے کہتے ہیں کہ قایل ابن آدم کی اولاد کے یہ نام ہیں

جن کے مرنے کے بعد ان کے بت بنائے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ قوم نوح میں سے چند نیک آدمی تھے جن کے یہ بت بنائے گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ادریس کے پانچ بیٹے تھے جن کے یہ بت ہیں۔ ان اقوال پر دو وجہ سے اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اول اس لیے کہ اس بات کی کوئی قابل طمانیت سند موجود نہیں ہے کہ قابیل یا ادریس کی اولاد کے یہ نام تھے اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ قوم نوح میں سے ان ناموں کے چند آدمی مشہور تھے۔ دوسرے یہ کہ ان بتوں کی صورتیں جو کتابوں میں بیان کی ہیں، بعض تو ان میں سے مرد اور عورت کی صورت ہیں اور بعض جانوروں کی صورت ہیں۔ اگر انسانوں کے بت بنائے گئے ہوتے تو سب انسانوں کی صورت کے ہوتے۔ اگرچہ بخاری میں یہ روایت ہے کہ یہ قوم نوح میں چند نیک آدمیوں کے نام ہیں جن کے بت بنائے گئے ہیں، مگر اس حدیث کے سلسلہ رواۃ میں ابن جریج، عطا اور ابن عباس راوی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ عطا کی ملاقات ابن عباس سے کبھی نہیں ہوئی اور ابن جریج نے بھی عطا سے یہ حدیث نہیں سنی اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابن جریج جو حدیث عطا سے روایت کرتا ہے وہ ضعیف ہوتی ہے^۱۔

ایک عام خیال یہ ہے اور ہمارے نزدیک صحیح بھی ہے کہ بت پرست یہ سمجھتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے کواکب کو مدبر بنایا ہے اور ان میں روحانیت بھی مانتے تھے اور اسی لیے ان کی پرستش کرتے تھے کہ خدا سے ان کے سفارشی ہوں اور ارواح طیبہ اور ارواح خبیثہ کو مؤثر امور کائنات سمجھتے تھے اور اسی لیے ان کی پرستش کرتے تھے، تاکہ وہ مہربان ہوں اور ان کی مضرت

سے محفوظ رہیں اور اپنے خیالات کے موافق ان کی مورتیں بناتے تھے اور نیک اور خدا رسیدہ آدمیوں کی بھی مورتیں بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے اور ان کی ارواح سے اپنی حاجات مانگتے تھے جیسے کہ اس زمانے میں اولیاء اللہ کے مزارات متبرکہ سے حاجات مانگی اور منتیں مانی جاتی ہیں - پس اس خیال سے مختلف صورتوں کے بت، بت پرستوں نے بنائے تھے جن کی وہ پرستش کرتے تھے -

عراق عرب جو قدیم ملک کلدانیوں کا تھا وہاں بت پرستی کثرت سے رائج تھی - پس ہم کو اس بات کی تحقیق کرنی منظور ہے کہ عرب میں جو بت تھے ان میں سے کون سے بت خاص عرب کے تھے اور کون سے بت ایسے تھے جو کلدانی قوموں میں سے عرب میں آگئے تھے - ان امور کی تحقیق قابل اطمینان نہایت مشکل ہے ، کیونکہ ہمارے ہاں کی عربی کتابوں میں ان تمام امور کا قابل اطمینان ملنا محالات سے ہے ، مگر جہاں تک ہم سے ممکن ہوگا ہم اس کی تحقیق کریں گے - سب سے پہلے ہم ”نسر“ جو عرب کا مشہور بت تھا اس کی نسبت لکھتے ہیں -

یہ بات پہلے سمجھ لینی چاہیے کہ برجوں کے یا کواکب کے مجموعوں کی جو صورتیں علمائے ہیئت نے قرار دی ہیں درحقیقت آسمانوں میں وہ صورتیں بنی ہوئی نہیں ہیں ، بلکہ ایک مجموعہ ستاروں کا اس طرح پر واقع ہوا ہے کہ اگر اس مجموعے کے اطراف کے ستاروں پر خط فرض کیا جاوے تو ایک صورت پیدا ہوتی ہے اور جو صورت کہ اس طرح پر پیدا ہوتی ہے ستاروں کے اس مجموعہ کا اسی صورت پر نام رکھ دیتے ہیں - اس کا سبب یہ ہے کہ جب ایک جگہ ستاروں کا مجموعہ ہے اور ان میں سے ہم کسی ایک ستارے کا نشان دینا چاہیں تو اس کا نشان دینا نہایت ہی مشکل ،

بلکہ غیر ممکن ہو جاتا ہے ، لیکن جب ہم نے ایک صورت فرض کر لی مثلاً انسان کی یا جانور کی ، تو جو ستارہ اس مقام پر آیا ہے جہاں کہ ہم نے اس صورت کا سر فرض کیا ہے اور اس ستارے کا ہم نشان دینا چاہتے ہیں تو ہم بخوبی بتا سکتے ہیں کہ وہ ستارہ اس صورت کے سر پر ہے ۔ اسی طرح جو ستارہ پاؤں پر ہے اس کو بخوبی بتا سکتے ہیں کہ وہ ستارہ اس صورت کے پاؤں کے مقام پر واقع ہے ۔ پس یہ صورتیں واسطے آسانی نشان دینے ستاروں کے فرض کر لی گئی ہیں ، نہ یہ کہ درحقیقت آسمان پر یہ صورتیں ہیں ۔

نسر

آسمان کے شمالی حصے میں ایک مجموعہ ستاروں کا واقع ہے جس پر بطور مذکورہ بالا خطوط فرض کرنے سے ایک اڑتے ہوئے جانور کی صورت بن جاتی ہے جس کا نام نسر طائر قرار دیا گیا ہے اور چند ستارے اور ہیں جن پر خط فرض کرنے سے ایک جانور کی شکل بن جاتی ہے جو اوپر سے کندھے تول کر نیچے اترتا ہو اور مثلث کی مانند دکھائی دے ، اس کا نام نسر واقع رکھا ہے ۔

نسر کہتے ہیں کرگس یا عقاب کو جس کو ہندی میں گد اور انگریزی میں ایگل (Eagle) کہتے ہیں ۔ نسر ارض حمیر میں قبیلہ ذوالکلاع کا بت تھا اور بنو چشم ظہور اسلام تک اس کی پرستش کرتے رہے ۔ عربی کی کسی کتاب میں بجز اس کے کہ یہ بت گد کی صورت کا تھا اور کچھ زیادہ تفصیل نہیں ہے ۔ عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ طوفان نوح میں یہ پانچویں بت جن کا ذکر سورہ نوح میں ہے زمین کی تہ میں دب گئے تھے ، عربوں نے سالہا سال کے بعد ان کو زمین سے نکال کر اپنا معبود

ٹھہرایا تھا ، مگر مشکل یہ ہے کہ قرآن مجید سے یا توریت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ امت نوح نے قبل زمانہ طوفان مجسم بت بنا کر آن کی پرستش کی ہو ۔ امت نوح بے شک مشرک تھی اور وہ لوگ غیر خدا کی پرستش کرتے تھے ، مگر یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ انہوں نے روحانیت یا کواکب یا اور کسی کی صورتوں کے بت بنا کر آن کی پرستش کی ہو ۔ جناب مولوی عنایت رسول صاحب نے اپنے خط میں جو یکم رجب ۱۳۱۳ھ کے تہذیب الاخلاق میں چھپا ہے ارقام فرمایا ہے کہ روحانیت ، خواہ ملائکہ ہوں یا ارواح کواکب یا اور کوئی ارواح ، آن کی پرستش بھی بت پرستی میں داخل ہے ۔ یہ بات بالکل درست ہے اور قوم نوح میں بلا شبہ غیر خدا کی پرستش جاری تھی ، مگر ہم کو اس بات کی تلاش ہے کہ قوم نوح نے قبل طوفان مجسم مورتیں بنائی تھیں اور ان مجسم مورتوں کی پرستش کرتے تھے ۔ اس بات کا ٹھیک پتا اور صاف صاف ثبوت ہم کو نہیں ملتا ہے ۔

حال میں کالڈیا اور نینوا کے میدان اور ٹیلے کھودے گئے ہیں اور آن میں سے بہت سے قدیم بت نکلے ہیں اور ایک بت نسر کا بھی نکلا ہے ۔ اگر ہم توریت کے مندرجہ حساب کو صحیح سمجھیں تو حضرت نوح سنہ ۱۰۵۶ دنیوی میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۶۵۷ دنیوی میں طوفان ہوا تھا اور بابل کی تعمیر سنہ ۱۷۷۰ دنیوی میں ہوئی ، یعنی ۱۱۳ برس بعد طوفان کے اور نینوا کی تعمیر سنہ ۱۷۸۶ دنیوی میں ہوئی ، یعنی ۱۳۰ برس بعد طوفان کے ۔ پس جو بت کہ وہاں بنائے گئے تھے وہ غالباً اسی زمانے میں یا اس کے بعد بنائے گئے ہوں گے جب وہ شہر تعمیر ہوئے تھے اور اس لیے جو بت کہ وہاں سے نکلے ہیں آن کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ طوفان سے پہلے کے ہیں ۔

یہ بت جو کالڈیا میں سے نکلا ہے اُس کی کیفیت ہم اس آرٹیکل میں چھاپتے ہیں، اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا بدن، ہاتھ، پاؤں، قد و قامت سب انسان کا سا ہے، صرف چہرہ گد کا ہے اور دو پیر ہیں۔ اُس کے ایک ہاتھ میں مقدس درخت کی تصویر ہے، یعنی اُس درخت کی جو بہشت میں تھا اور جس کا پھل کھانے سے آدم کو منع کیا گیا تھا اور اس درخت کے دونوں طرف دو فرشتے ہیں جو اس کی نگہبانی یا ہوجا کر رہے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں ایک پھل ہے غالباً اُسی درخت کا۔ نہایت قدیم زمانے کے بت اکثر اسی طرح کے ہوتے تھے۔ اُن میں کچھ اعضاء انسان کے اور کچھ حیوان کے بنائے جاتے تھے۔ اب یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ عرب میں جو نسر کا بت تھا اُس کی یہی شکل تھی یا اور کسی طرح کی۔ چونکہ عرب میں کالڈیا سے بت لائے گئے تھے اس لیے سمجھا جا سکتا ہے کہ عرب میں نسر کا بت اسی شکل کا تھا۔

کالڈیا میں یہ بت معلوم نہیں کس نام سے موسوم تھا، مگر کتاب دوم سلاطین اور کتاب اشعیا میں نسر وک اس کا نام آیا ہے۔ اُس کا ایک مندر تھا اور سنحیریب بادشاہ اشور کو اس بت کی ہوجا کرتے وقت اس کے بیٹے نے مار ڈالا تھا، چنانچہ کتاب دوم سلاطین میں یہ عبارت مندرج ہے :

”پس سنحیریب ملک اشور رحلت بمبودہ و روانہ شدہ برگشت و در نیونہ ساکن شد و واقع شد۔ ہنگامیکہ در خانہ خدائے خود نسر وک سجدہ میکرد پسرانش اور ملک و شراصر اورا بشمشیر زدند و بولایت اراراط فرار کردند و پسرش ایسرحدون بجایش ملک شد۔“

(کتاب دوم سلاطین باب ۱۹ ورس ۳۶ و ۳۷ و کتاب اشعیا باب ۳۷ ورس ۳۷ و ۳۸)۔

ود

یہ بھی ایک بت عرب میں تھا جس کی قبیلہ بنو کلاب پرستش کرتا تھا اور یہ بت دو مة الجندل میں تھا - عربی لغتوں میں واقدی کی روایت کی بنا پر صرف اس قدر لکھا ہے کہ یہ بت مرد کی صورت پر تھا اور کچھ تشریح نہیں لکھی -

قرآن مجید میں ود منصرف آیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے ، کیونکہ اگر یہ عجمی لفظ ہوتا تو عجمہ اور علمیت پائے جانے کے سبب سے غیر منصرف ہوتا -

ود کے معنی دوستی کے ہیں ، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس خیال پر اس بت کا نام ود رکھا گیا ، اور یہ بت ان پانچوں بتوں میں سے ہے جن کا ذکر سورة نوح میں آیا ہے اور جن کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ طوفان نوح میں زمین کی تہ میں دب گئے تھے ، عربوں نے کھود کر نکالا اور اپنا معبود ٹھہرایا -

ہم بیان کر چکے ہیں کہ کوئی کافی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ طوفان سے پہلے مجسم مورتیں بتوں کی بنا کر پوجی گئی تھیں ، مگر کالڈیا میں جب بعد طوفان کے وہ آباد ہوا ، بت پرستی کا بہت رواج ہو گیا تھا ، کچھ عجب نہیں کہ عرب میں وہاں سے کوئی بت لایا گیا ہو اور اس کی پرستش ہونے لگی ہو - کالڈی زبان میں (اد) سورج کو کہتے تھے ، لیکن اس بات کا کوئی قرینہ نہیں ہے کہ ود وہی لفظ ہے جو کالڈیا میں (اد) کہلاتا تھا ، مگر کالڈیا میں (اد) یعنی سورج کا جو مندر تھا اور زمین کھودنے سے وہ برآمد ہوا ہے اس کا ذکر ہم پچھلے تہذیب الاخلاق میں لکھ چکے ہیں اور جو تصویر اس مقام سے نکلی ہے وہ وہاں کے عجائب خانہ میں رکھی ہوئی ہے - جس تختی پر یہ تصویر ملی ہے اس پر لکھا ہے کہ یہ ”شہاش“ یعنی سورج کے خدا کی تصویر ہے - اس تصویر

کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص جس کی صورت مرد کی ہے تخت پر بیٹھا ہے جو سورج کا خدا ہے۔ اس کے آگے آسمانی روحیں سورج کو ڈوریوں میں باندھ کر لٹکا رہی ہیں اور لوگ اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ اس شخص کے سر پر تین دائرے بنے ہوئے ہیں جو چاند، سورج اور اشتر (زہرہ) کے نشان ہیں۔

آسمان پر ستاروں کے متعدد مجموعے ہیں جن کے اطراف پر خط کھینچنے سے مرد کی شکل پیدا ہوتی ہے۔ ان مجموعوں کے نام یہ ہیں: قیقاؤس، عوا جاثی، برساؤش، ممسک الاعنہ، حوا، جبار وغیرہ۔ یہ تحقیق نہیں ہو سکتا کہ ”ود“ جس کی صورت واقدی کی روایت کی بناء پر مرد کی بیان ہوئی ہے ان مجموعوں میں سے کس مجموعے کی طرف منسوب ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ اس کی پرستش کسی مجموعہ کواکب کی پرستش ہوگی، کیونکہ بت پرست قومیں جو عرب یا کالدیا میں بستی تھیں ستاروں میں روحانیت کو تسلیم کرتی تھیں اور ان کو مدبر فی الکائنات خیال کر کے انہی کی مجسم مورتیں بنا کر پوجتی تھیں۔ پس ود کی صورت کسی ایسے ہی مجموعہ کواکب پر بنائی گئی ہوگی جس کے اطراف پر خط کھینچنے سے مرد کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔

سواع

یہ بھی ان پانچ بتوں میں سے ایک تھا جن کا ذکر سورہ نوح میں آیا ہے۔ واقدی کی روایت میں کوئی تشریح اس بت کی سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ عورت کی شکل پر بنایا گیا تھا۔ بخاری کی حدیث میں جو ابن عباس سے مروی ہے، مذکور ہے کہ یہ بت قبیلہ بنو ہذیل کا تھا۔ علامہ ابن حجر نے ابن اسحاق کے

حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ بت مقام رھاط میں تھا جو ملک حجاز میں سمندر کے کنارے پر واقع ہے اور احمد بن واضح کاتب عباسی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ اس بت کو قبیلہ کنانہ کے لوگ پوجتے تھے ، مگر اس کا مقام بیان نہیں کیا ۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ بت ذوالکلاع الحمیری کی اولاد کے پاس تھا ، پھر ان سے بنو حمیر کے سب قبائل کے پاس پہنچا ۔ محیط المحيط میں ہے کہ اس بت کی بنو ہمدان پرستش کرتے تھے ۔

واقدی کی روایت کو اگر تسلیم کیا جائے تو کچھ عجب نہیں ہے کہ یہ بت بھی کسی ایسے مجموعہ کواکب کے خیال سے بنایا گیا ہوگا جس کے اطراف پر خط کھینچنے سے عورت کی شکل پیدا ہوتی ہے ۔ ذات الكرسي ، مراة المسلسله اور سنبلہ تین ایسے ہی مجموعے ستاروں کے ہیں جن کی شکل علما نے ہیئت نے عورت کے مشابہ بنائی ہے ۔ ذات الكرسي آسمان کے نصف کرہ شمالی میں واقع ہے اور اس میں تیرہ ستارے ہیں ۔ اس مجموعے کی اطراف پر خطوط کھینچنے سے ایک عورت کی شکل بن جاتی ہے جو کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے اور مراة المسلسله بھی ایک مجموعہ ستاروں کا نصف کرہ شمالی میں ہے جس میں تیس ستارے ہیں اور اس کی شکل بھی عورت کی ہے ۔ سنبلہ جس کو عذرا بھی کہتے ہیں ، منطقة البروج کا ایک برج ہے ، جس میں چھبیس ستارے داخل ہیں اور اس کی شکل بھی عورت کی ہے جو خوشہ گندم ہاتھ میں لیے ہوئے ہے ۔ پس غالباً سواع کی شکل انہی مجموعوں میں سے کسی ایک کی پرستش کے خیال سے بنائی گئی ہوگی ۔

یغوث

بخاری کی روایت سے جو ابن عباس سے مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت بنو مراد کا تھا ، پھر بنو غطیف اس کی پرستش

کرنے لگے اور اسی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت مقام جرف میں تھا جو شہر سبا کے قریب واقع ہے۔ سبا کے قریب ہونے سے غالباً یہ مراد ہے کہ جرف یمن میں واقع ہے۔ یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان میں لکھا ہے کہ محدثین کے نزدیک جرف یمن میں ایک مقام ہے اور ایک محدث کا نام بھی بتایا ہے جو اسی مقام کی طرف منسوب ہونے سے جرف کہلاتا ہے، مگر بخاری کے حاشیے پر جرف کی جگہ ”جوف“ بھی ایک نسخہ میں لکھا ہے اور غالباً یہ صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جوف یمن میں ایک وادی ہے اور غالباً یہ بت اسی وادی میں تھا۔ عینی شرح بخاری نے اسی نسخے کو اختیار کیا ہے۔ دو نسخے لفظ جرف پر اور لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک نسخہ ”جون“ ہے۔ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ جون ایک پہاڑ ہے اور بعض کے نزدیک یمامہ میں ایک قلعہ ہے جس کو طسم و جدیس نے جو عرب کے قدیم قبیلے تھے بنایا تھا، لیکن اگر الفاظ ”عند سبا“ کو جو روایت بخاری میں ہیں تسلیم کیا جائے تو اس نسخے پر کچھ بھی اعتبار نہیں رہتا۔ ایک نسخہ ”حوف“ ہے اور غالباً یہ وہی لفظ جوف ہے جس کو بعض نے حائے حطی سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ معجم البلدان میں لکھا ہے کہ جوف مراد اور حوف ہمدان دو مقام یمن میں ہیں جن کو بعض نے حائے حطی سے روایت کیا ہے۔

محیط المحيط اور صناعۃ العرب میں لکھا ہے کہ یہ بت قبیلہ مذحج کا اور یمن کے کئی قبیلوں کا تھا اور اُس کا مقام وہی بیان کیا ہے جو قبیلہ مذحج کے رہنے کا مقام ہے اور بعض نے تفسیروں میں لکھا ہے کہ بنو طے نے یغوث کو اپنی بستیوں میں رکھا اور اُس کی پرستش کرتے تھے۔ پھر بنو مراد اُن سے چھین کر لے گئے۔ بنو ناحیہ نے چاہا کہ اُن سے بت

چھین لیں ، مگر وہ اس خوف سے بت کو لے کر بھاگے اور بنو حرث کے ملک میں آ رہے جہاں اس بت کی عرصہ دراز تک پرستش ہوتی رہی ۔

واقدی کی روایت میں جو فتح الباری میں درج ہے بیان ہوا ہے کہ یہ بت شیر کی شکل کا تھا ۔ منطقة البروج میں ایک ستاروں کا مجموعہ ہے جس کو برج اسد کہتے ہیں اور جس میں ستائیس ستارے داخل ہیں ۔ اس مجموعے کے اطراف میں خط ملانے سے شیر کی شکل پیدا ہوتی ہے ۔ پس کچھ عجب نہیں ہے کہ یغوث کی شکل اسی مجموعے کی پرستش کے خیال پر بنائی گئی ہو ۔

یعوق

بخاری کی روایت میں مذکور ہے کہ یعوق بنو ہمدان کا بت تھا اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بنو مراد بھی اس کی پرستش کرتے تھے ، مگر اس بت کا کوئی مقام بیان نہیں کیا ہے ۔ غالباً جن شہروں میں بنو ہمدان اور بنو مراد بستے تھے انہی میں یہ بت ہوگا اور بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ یہ بت پہلے بنو کہان کا تھا ، پھر بنو ہمدان کے پاس وراثت میں پہنچا ۔

واقدی کی روایت میں اس بت کی شکل گھوڑے کی بیان ہوئی ہے ۔ آسمان کے نصف کرہ شمالی میں ستاروں کا ایک مجموعہ ہے جس کو فرس اعظم کہتے ہیں اور اس میں بیس ستارے داخل ہیں جن کی اطراف پر خط کھینچنے سے ناقص گھوڑے کی شکل پیدا ہوتی ہے جس کے پچھلے دونوں پاؤں اور کفل اور دم نہیں ہے ۔ غالباً انہی ستاروں کی پرستش کے خیال سے یعوق کو گھوڑے کی شکل پر بنایا ہوگا ۔

تاریخ مسعودی^۱ میں لکھا ہے کہ بت پرستی سے پہلے

ستارہ پرستی شروع ہوئی تھی اور چونکہ ستارے کبھی طلوع ہوتے ہیں اور کبھی غروب ہو جاتے ہیں ، اس لیے مختلف ستاروں کی مختلف شکلیں بنا کر ان کی پرستش کرنے لگے اور اس طرح بت پرستی کا آغاز ہوا ۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ستارہ پرستی موقوف ہو کر اس کی جگہ بت پرستی قائم ہو گئی ۔ پس کچھ عجب نہیں ہے کہ ان مذکورہ بالا پانچ ستاروں کی پرستش اسی طرح شروع ہوئی ہو اور حقیقت میں ان کی شکلیں آسمانی کواکب کی صورتوں پر بنائی گئی ہوں جیسا کہ واقعی کی روایت میں بیان ہوا ہے ۔

تفسیر لباب التاویل میں لکھا ہے کہ یغوث اور یعوق یا تو اس لیے غیر منصرف آئے ہیں کہ یہ عجمی نام ہیں اور ان میں علمیت اور عجمہ دو سبب غیر منصرف ہونے کے موجود ہیں یا یہ دونوں لفظ عربی ہیں اور علمیت اور وزن فعل دو سبب غیر منصرف ہونے کے ان میں موجود ہیں ۔ ہمارے نزدیک ان بتوں کا غیر ملکوں یا غیر قوموں سے منتقل ہو کر عرب میں آنا پایہ تحقیق کو نہیں پہنچا ہے اور جہاں تک ثبوت بہم پہنچا ہے وہ صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ بت ایام جاہلیت میں عرب میں موجود تھے اور عرب کے مختلف قبائل ان کی پرستش کرتے تھے اور اسی لیے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یغوث اور یعوق کے سوا باقی سب نام جو منصرف ہیں عربی زبان کے الفاظ ہیں اور یغوث اور یعوق اس لیے غیر منصرف آئے ہیں کہ ان میں غیر منصرف ہونے کے دو سبب موجود ہیں ، وزن فعل اور علمیت ؛ نہ اس لیے کہ ان میں عجمہ اور علمیت دو سبب منصرف نہ ہونے کے پائے جاتے ہیں ، کیونکہ ہمارے نزدیک یہ نام بھی عربی زبان کے ہیں ۔ پس در حقیقت یہ تمام بت جن کا ذکر اوپر ہوا اور جو سورۃ نوح

میں مذکور ہیں عرب کے بت ہیں اور اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ وہ حضرت نوح کے زمانے میں طوفان سے پیشتر کالڈیا اور اطراف کالڈیا میں پوجے جاتے تھے، کیونکہ عبری اور کالڈی زبان کا لغت دیکھنے سے اور جو بت کالڈیا کے کھنڈرات کھود کر نکالے گئے ہیں ان کے نام اور صورت ملانے سے یقین ہو جاتا ہے کہ طوفان سے پیشتر کوئی بت ان بتوں کا ہم نام اور ہم شکل کالڈیا میں موجود اور معبود نہ تھا۔ پس تمام مفسرین نے جو آیت ”وقالوا لا تذرنا آلہتکم ولا تذرنا ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق و نسر“ میں قالوا کی ضمیر کا مراجع قوم نوح کے لوگوں کو قرار دیا ہے، ہم اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس آیت کو نوح کے قصے سے جو اس سے پہلے اور بعد بیان ہوا ہے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ آیت بطور جملہ معترضہ کے ہے اور قالوا کی ضمیر کا مراجع، یعنی یہ بات کہنے والے کہ تم اپنے خداؤں کو نہ چھوڑنا نہ ود کو نہ سواع کو نہ یغوث کو اور یعوق اور نسر کو، خود اہل عرب ہیں جو آنحضرتؐ کے زمانے میں ان بتوں کی عبادت کرتے تھے، اور جب سورہ نوح میں قوم نوح کے کفر و ضلالت کا ذکر ہوا کہ شرک سے ان کو منع کیا گیا تھا اور جو وبال ان پر آیا تھا اس کا ذکر بھی ہوا تو کفار عرب آپس میں کہنے لگے کہ ہم اپنے بتوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ پس یہ آیت سورہ نوح میں اس لیے بطور جملہ معترضہ کے اسی طرح آئی ہے جس طرح سورہ ہود میں آیت ”ام یقولون افتراء قل ان افتریثہ فعلی اجرامی و انا بریٰ مما تجرمون“ بطور جملہ معترضہ کے قوم نوح کے قصے کے درمیان واقع ہوئی ہے اور مفسرین نے بھی مقاتل کی روایت پر اس کو

جملہ معترضہ ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے کہ اس آیت کے مضمون کو اس قصے سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کے درمیان یہ واقع ہوئی ہے۔ مفسرین نے یقولون کی ضمیر کا مرجع قریش کو اور افتراء کی ایک ضمیر کا مرجع آنحضرتؐ کو اور دوسری ضمیر کا مرجع قرآن شریف کو قرار دیا ہے اور اسی ترکیب کے موافق شاہ ولی اللہ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ ”یا محمدؐ آیا می گویند بر بسته است قرآن را بگو اگر بر بسته ام پس بر منست گناہ من و من بے تعلقم از گناہ کردن شا“ یعنی اے محمدؐ! کیا قریش کہتے ہیں کہ محمدؐ نے قرآن بنا لیا ہے، تم کہہ دو کہ اگر میں نے بنا لیا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بے تعلق ہوں۔

ابام فخرالدین رازی نے خود اس بات پر اعتراض کیا ہے کہ یہ بت قوم نوح کے تھے اور ان سے منتقل ہو کر عرب تک پہنچے ، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے :

وفیه اشکال لان الدنيا قد خربت فی زمان الطوفان فکیف بقیت تلک الاصنام وکیف انتقلت الی العرب ولا یمکن ان یقال ان نوحا علیہ السلام وضعها فی السفینة وامسکها لانه علیہ السلام انما جاء لنقیها وکسرھا فکیف یمکن ان یقال انه وضعها فی السفینة سعیا منه فی حفظھا (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳۶۵ و ۳۶۶)۔

(ترجمہ) ”اس آیت میں ایک مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا طوفان کے وقت برباد ہو گئی تھی ، پھر یہ بت کس طرح قائم رہے اور منتقل ہو کر عرب تک کیونکر پہنچے ۔ یہ کہنا تو ممکن نہیں ہے کہ نوح علیہ السلام نے ان بتوں کو اٹھا کر

کشتی میں رکھ لیا ہوگا ، کیونکہ وہ تو بتوں کو مٹانے اور توڑنے کو آئے تھے ، یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ان بتوں کی حفاظت میں کوشش کی اور اس لیے ان کو اپنی کشتی میں رکھ لیا تھا ۔“

امام صاحب نے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا اور جواب دینا اس زمانے میں ممکن بھی نہ تھا ، کیونکہ نہ اس وقت تک کالڈیا کے بت زمین کھود کر نکالے گئے تھے نہ ان کی زبان ، مذہب ، تاریخ اور علوم سے کوئی اس وقت تک آگاہ تھا ۔ پس کس طرح اس بات کی تحقیق ممکن تھی کہ یہ بت حقیقت میں قوم نوح کے بت تھے جو طوفان سے پہلے کالڈیا میں پوجے جاتے تھے اور جو منتقل ہو کر اہل عرب کے پاس پہنچے یا یہ بت خود عرب والوں کے بت تھے جو غیر ملک اور غیر قوم سے منتقل ہو کر عرب میں نہیں آئے تھے ۔

عقیدہ آمد مہدی آخر الزمان کا واقعاتی اور تاریخی پہلو

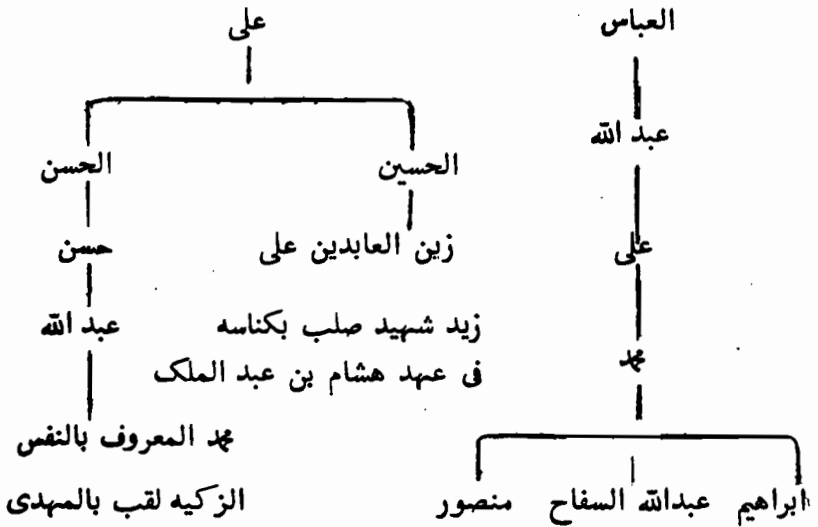
(تہذیب الاخلاق جلد ہفتم بابت شعبان ۱۲۹۳ھ)

آن غلط قصوں میں سے جو مسلمانوں کے ہاں مشہور ہیں ایک قصہ امام مہدی آخر الزمان کے پیدا ہونے کا ہے۔ اس قصے کی بہت سی حدیثیں کتب احادیث میں بھی مذکور ہیں، مگر کچھ شبہ نہیں کہ سب جھوٹی اور مصنوعی ہیں۔ جب کہ ایک محقق کیا باعتبار واقعات تاریخی کے اور کیا باعتبار آن کے راویوں کے آن پر غور کرتا ہے تو آن کا غلط اور نامعتبر اور وضعی ہونا آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے اور یہ بات بھی کھل جاتی ہے کہ ان حدیثوں کے بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ چنانچہ ہم آن حدیثوں کو اولاً مع تاریخی واقعات کے بیان کرتے ہیں اور آن کا وضعی ہونا دکھلاتے ہیں اور پھر محدثین کے طریقے پر آن کے راویوں کی نسبت بحث کریں گے اور راویوں کا نامعتبر ہونا دکھلاویں گے جس سے ثابت ہو جاوے گا کہ مہدی آخر الزمان کی بشارت کوئی اصلی بشارت نہ تھی، بلکہ اس زمانے کے لوگوں کی صرف ایک حکمت عملی اور خلافت ہاتھ آ جانے کی تدبیروں میں سے ایک تدبیر تھی اور آن سے کسی ایسے مہدی کی جو مسلمانوں نے تصور کر رکھا ہے اور جس کا قیامت کے قریب ہونا خیال کیا ہے بشارت مقصود نہیں تھی۔

جب کہ خلفائے اربع کی خلافت ختم ہو گئی اور حضرت امام حسن نے بھی خلع خلافت کیا اور مستقل خلافت خاندان بنی امیہ میں چلی گئی تو بنی ہاشم اور بنی فاطمہ کے دل سے پھر خلافت حاصل کرنے کا جوش کبھی کم نہیں ہوا۔ اسی حالت میں واقعہ کربلا واقع ہوا جس سے بہت لوگوں کا دل بنی امیہ کی طرف سے متفرق اور بنی فاطمہ کی طرف مائل ہوا۔

مگر جیسا کہ بنی فاطمہ خلافت کا اپنے تئیں مستحق سمجھتے تھے بنی عباس بھی کچھ کم خواستگار خلافت کے نہ تھے، کیونکہ وہ بھی بنی ہاشم تھے اور تمام بنی ہاشم اپنے تئیں آل محمدؐ، یعنی آنحضرت صلعم کا کنبہ سمجھتے تھے۔ بنی عباس کو یہ بھی یقین تھا کہ بنی فاطمہ سے خلافت کا کام نہیں چلنے کا مگر ہم چلا لیں گے۔ چنانچہ جب بنی عباس خراسان میں اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اس وقت بنی فاطمہ کے دل میں بھی اس کا جوش ہوا تھا کہ تم سے یہ کام نہیں ہونے کا۔ ترجمہ تاریخ طبری میں مندرج ہے کہ ”آنگاہ“ (یعنی بزمانہ تحریک خراسان بر خلافت بنی عباس) طمع افتاد بنی ہاشم را اندر خلافت و فضل ابن عبد الرحمان بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بیتے چند گفت و بعد الله بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی الله عنہا داد و او را تحریص کرد بر طلب ولایت و ابو الحسن گفت کہ با عبد الله بن الحسن بن علی بن ابی طالب و علی بن عبد الله بن العباس همی رفتیم داؤد بن علی فرا نزدیک عبد الله بن حسن شد و گفت اگر تو فرمودی پسران خویش را محمد و ابراہیم تا اندر آمدندے فردا و حرب کردندے نیک بودے کہ دولت بنی امیہ اندر شورید۔ نہ بینی کہ خبر هائے خراسان چگونه همی آید و تباہ شده است و عبد الله بن الحسن گفت هنوز آن هنگام نیست کہ ما را باید آمدن عبد الله بن

علی گفت یا ابا محمد شاہ را بر بنی امیہ ظفر نباشد ظفر ما را بود و منم کہ ایشان را بکشم و کار از ایشان بستانم و ما ذلک علی اللہ بعزیز پس عبد اللہ بن الحسن خاموش شد و چیزے نگفت“ (ورق ۴۹۸ - صفحہ ۲)



غرض کہ اخیر زمانہ خلفائے بنی امیہ میں جبکہ آن کی خلافت میں کسی قدر ضعف بھی ہو گیا تھا اور آن کے ظلم و تعدی سے اہل حجاز ناراض بھی تھے، بنی عباس اور بنی فاطمہ بہت سی تدبیریں اور ترغیبیں خلافت حاصل کرنے کو کر رہے تھے۔ اس خلفشار میں لوگوں کے چار گروہ ہو گئے؛ ایک گروہ تو خلفائے بنی امیہ کا طرفدار تھا جو مسند خلافت پر جلوہ آرا تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو عبد اللہ بن زبیر کی خلافت پر مائل تھا جنہوں نے مکہ معظمہ میں دعویٰ خلافت کا کیا تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو بنی عباس میں سے خلیفہ ہونے کی تدبیر میں تھا اور چوتھا وہ تھا جو بنی فاطمہ میں سے خلیفہ ہونے کا طرفدار تھا۔

بنی امیہ والے گروہ کو تو بجز اس کے کہ وہ ان کی خلافت قائم رکھنے میں کوشش کریں اور مخالفوں سے لڑیں اور ان کو قتل و برباد کریں اور کوئی کام نہ تھا، مگر تین فریق جو باقی رہے ان کی تدبیریں البتہ غور کے قابل ہیں۔ عبد اللہ بن زبیر کے طرفداروں کو کچھ زیادہ کارروائی کا موقع نہیں ملا، مگر بنی عباس و بنی فاطمہ کے طرفداروں نے نہایت عاقلانہ تدبیریں اختیار کی تھیں۔ سب سے بڑی تدبیر یہ تھی کہ ان کی طرف سے لوگ دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو بنی امیہ سے برخلاف اور ان کی خلافت پر مائل کرتے تھے اور سب سے بڑا ذریعہ لوگوں کے برانگیختہ کرنے کا ان وضعی حدیثوں کا پھیلانا اور لوگوں کو سنانا تھا جن سے ان لوگوں کے استحقاق خلافت کو جن کے طرفدار ان حدیثوں کو بناتے تھے، بطور پیشین گوئی کے تقویت ملتی تھی۔ وہ ان پیشین گوئیوں میں یہ تو کہہ نہیں سکتے تھے کہ کوئی دوسرا پیغمبر ہونے والا ہے جس کی اطاعت سب کو چاہیے، اس لیے انہوں نے لفظ مہدی کا اختیار کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک شخص جو خدا کی طرف سے ہدایت کیا گیا ہے عدل و انصاف کرنے والا پیدا ہوگا جس کی اطاعت سب کو چاہیے اور ان وضعی حدیثوں میں اس مہدی کی ایسی نشانیاں بتاتے تھے جو ان لوگوں پر صادق آتی تھیں جن کا وہ خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ یہ امر ان واقعات کو حدیثوں سے مطابق کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

عبد اللہ بن زبیر کا زمانہ بہت نہیں چلا۔ جبکہ ۶۰ ہجری میں مطابق ۶۸۰ء کے یزید تخت پر بیٹھا اور واقعہ کربلا بھی ہو چکا تو اہل حجاز اس کی بدکاریوں سے نہایت ناراض تھے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ نے یزید سے بیعت نہیں کی تھی اور حجاز کے

لوگ اُن کی طرف مائل تھے۔ پس عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں اپنے آپ کو خلیفہ کیا اور عراق و حجاز و یمن و بصرے کے لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کی۔ یزید نے اُن سب ملکوں کو باغی قرار دیا اور مدینہ منورہ کے قتل و غارت کے بعد عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکے پر فوج بھیجی۔ وہ مکے میں محصور ہوئے اور لڑائی ہوئی، مگر یزید کے مر جانے کے سبب سے وہ فوج واپس آئی۔

یزید کے بعد معاویہ ابن یزید خلیفہ ہوا، مگر اُس نے خلافت چھوڑ دی اور ۶۵ ہجری مطابق ۶۸۴ عیسوی کے عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا۔ اُس نے اپنے وزیر حجاج کو مع فوج کثیر عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کو مکے پر روانہ کیا۔ عبداللہ پکڑے گئے اور ۳۷ ہجری مطابق ۶۹۴ء کے اُن کو سولی دے کر مار ڈالا۔

یہ فوج کشی جو دوسری دفعہ ہوئی نہایت سخت تھی اور

اس غرض سے کہ لوگ عبداللہ

بن زبیر کی مدد کریں اُن

لوگوں نے جو حضرت عبداللہ بن

زبیر کے طرفدار تھے اُن کے لیے

حدیثیں بنالیں۔ انہی حدیثوں

میں سے وہ حدیث بھی ہے جو

ابو داؤد نے ام سلمہ سے روایت

کی ہے جس میں قتادہ بھی ایک

راوی ہے اور وہ حدیث یہ ہے

کہ ”ام سلمہ نے آن حضرت

صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ ایک

خلیفہ کے مرنے پر اختلاف واقع

۱۔ (قتادہ) عن ام سلمة

عن النبی صلعم قال

یکون اختلاف عند موت

خلیفۃ فیخرج رجل من

اہل المدینۃ ھاربا الی

مکہ فیاتیہ نامس من

اہل مکہ فیخرجونہ

وھو کارہ فیبا یعونہ

بین الرکن و المقام و

یعبث الیہ بعث من الشام

فیخسف بہم بالبیداء

بین مکة و المدینة
 فاذا رای الناس ذالک
 اتاه ابدال الشام و
 عصاب اهل العراق
 فیبا یعونه ثم ینشاء
 رجل من قریش احواله کلب
 فیبعث الیهم بعثا فیظہرون علیہم
 ذلک بعث کلب والخیبة
 لمن لم یشہد غنیمۃ کلب
 فیقسم المال و یعمل
 فی الناس لسنة نبیہم
 صلعم ویلقى الاسلام
 یمرانہ الی الارض فیلبث
 سبع سنین (تسع سنین)
 ثم یتوفی ویصلی علیہ
 المسلمون۔

(ابو داؤد صفحہ ۲۳۳)

ہوگا، پھر ایک شخص مدینہ
 میں سے بھاگ کر مکے میں
 آوے گا، پھر اس کے پاس مکے
 کے لوگ آویں گے اور اس کو
 خلیفہ بنانے کے لیے نکالیں گے
 اور وہ خلیفہ ہونے کو ناپسند
 کرے گا، پھر لوگ اس سے
 حجر اسود اور مقام ابراہیم کے
 بیچ میں بیعت کر لیں گے، پھر
 شام سے اس پر لشکر چڑھ کر
 آوے گا، پھر وہ لشکر مکے و
 مدینے کے درمیان کے میدان
 میں دھنس جاوے گا۔ جب لوگ
 یہ بات دیکھیں گے تو شام کے
 ابدال، یعنی بزرگ لوگ اور
 عراق کے لشکر اس کے پاس
 چلے آویں گے اور اس سے بیعت
 کریں گے، پھر ایک شخص

قریش میں سے جس کی قوم بنی کلب رشتے میں ماموں زاد ہوگی،
 آلہے گا اور ایک لشکر آن پر بھیجے گا اور وہ آن پر فتح پاویں گے
 اور یہ لشکر قوم کلب کا ہو گا۔ افسوس ہے اس شخص پر جو
 کلب کی لوٹ میں موجود نہ ہو۔ پھر وہ شخص مال کو تقسیم
 کرے گا اور لوگوں میں آن کے پیغمبر کے طریقے پر عمل کرے گا
 اور اسلام کو زمین پر پھیلاوے گا، پھر سات برس یا نو برس
 جیتا رہے گا پھر مر جاوے گا اور مسلمان اس کی نماز پڑھیں گے۔

یہ شروع شروع زمانہ اس قسم کی حدیثوں کے بنتے کا ہے اور ابھی تک مہدی کا لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے ، مگر محدثین نے مہدی ہی سے اس حدیث کا بھی تعلق سمجھا ہے اور اسی لیے ابوداؤد نے باب المہدی میں اس حدیث کو لکھا ہے ، مگر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے لیے بنائی گئی تھی ۔ مدینے سے مکے میں آنا اور بین الرکن و المقام بیعت کا ہونا اور پہلی دفعہ جو شام کا لشکر بغیر فتح کے واپس چلا گیا اس کے دھنس جانے سے کنایہ کرنا اور عراق سے لشکر کا آنا جس نے عبداللہ بن زبیر کی اطاعت قبول کی تھی ۔ یہ سب ایسے اشارے اس پیشین گوئی میں ہیں کہ ہیر پھیر کر سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو پیشین گوئی اس میں ہے وہ عبداللہ بن زبیر ہی اس کے مصداق ہیں ۔

بنی فاطمہ نے جو تدبیر خلافت مغصوبہ کے دوبارہ حاصل کرنے کی تھی وہ مدت تک جاری رہی ، مگر افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہوئے ۔

سب سے پہلی کوشش وہ تھی جو یزید کے وقت میں ہوئی اور اہل کوفہ کی خواہش پر حضرت امام حسین نے مسلم ابن عقیل کو وہاں بھیجا اور پھر خود بھی روانہ ہوئے اور صحرائے اربہ میں فرات کے کنارے ۶۱ ہجری مطابق ۶۸۰ء کے مع بہتر رقتا کر شہید ہو گئے ۔

مگر بنی فاطمہ کے دل سے یہ دعویٰ زائل نہیں ہوا ۔ جبکہ ۱۰۵ ہجری مطابق ۷۲۴ء کے هشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو زید ابن علی بن حسین علیہم السلام نے جو مدت سے اپنی خلافت کی تدبیر کر رہے تھے اور جا بجا ان کے نقیب پھیلے ہوئے تھے کوفے میں دعویٰ خلافت کیا ، مگر جب هشام کی فوج آئی تو صرف

پانچ سو آدمیوں نے ساتھ دیا ، شکست ہوئی اور حضرت شہید ہوئے ،
یعنی کناہ میں سولی دے دی گئی ۔

جو لوگ کہ بنی فاطمہ سے گرویدہ تھے اور زید شہید کی
خلافت چاہتے تھے انہوں نے اس لیے کہ لوگ بنی فاطمہ کی طرف
رجوع کریں اور زید شہید کی خلافت کے حامی ہوں ، وضعی حدیثیں
بنا کر لوگوں میں پھیلانی شروع کیں ۔ اب ایسا مضمون آن حدیثوں
میں بیان ہونے لگا جس سے پایا

۲۔ (فطر) عن علی عن النبی صلعم لو لم یبق من
الدنیا الا یوما لبعث
الله رجلاً من اهل بیتی
یملاء ہا عدلاً کما ملئت
جوراً ۔

جس میں کا ایک راوی فطر بھی
ہے اور وہ یہ ہے کہ ” حضرت

علی نے آن حضرت صلعم کا فرمانا بیان کیا کہ اگر دنیا سب
چلی جاوے اور صرف ایک دن ہی باقی رہ جاوے تو بھی ضرور
خدا تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا
جو دنیا کو عدل سے بھر دے گا ، جس طرح کہ وہ ظلم سے
بھری ہوگی ۔“

اسی طرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث غالباً حاکم کی مستدرک
سے نقل کی ہے ۔ ابو سعید نے

۳۔ عن ابی سعید قال ذکر
رسول الله صلعم بلاء
یصیب هذه الامۃ حتی
یکھا کہ آن حضرت صلعم نے
ذکر کیا کہ اس امت پر ایک
بلا پڑے گی ، یہاں تک کہ کوئی

شخص آس کے ظلم سے بچنے
 کو کوئی ٹھکانا نہ پاوے گا، پھر
 اللہ تعالیٰ ایک شخص میری
 اولاد اور میری اہل بیت سے
 کھڑا کرے گا اور آس کے سبب
 سے زمین کو عدل و انصاف سے
 بھر دے گا جس طرح کہ وہ
 ظلم و جور سے بھر گئی ہوگی،
 آس سے آسمان کے رہنے والے اور
 زمین کے رہنے والے راضی ہوں گے
 اور آسمان اپنی بوندوں میں
 سے ذرا بھی نہیں چھوڑنے کا جو
 نہ برساتی ہو اور زمین نباتات
 میں سے کچھ نہ چھوڑے گی جو
 نہ آگائی ہو، یہاں تک کہ
 زندے مردوں کو یاد کریں گے
 اور اسی حالت میں وہ سات یا

لا یجد الرجل ملجاء الیہ
 من الظلم فیبعث اللہ رجلاً
 من عترتی و اہل بیتی
 فیملأ بہ الارض قسطاً
 وعدلاً کما ملئت ظلماً
 وجوراً یرضی عنہ ساکن
 السماء و ساکن الارض
 لا تدع السماء من قطر
 ہا شیئاً الا صبتہ مدراراً
 ولا تدع الارض من نباتھا
 شیئاً الا اخرجتہ حتی
 یتمنی الاحیاء الاموات
 یعیش فی ذلک سبع سنین
 او ثمان سنین او تسع
 سنین - (مستدرک حاکم)
 (مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۳)

آٹھ یا نو برس زندہ رہے گا۔“

کچھ عجب نہیں ہے کہ اسی زمانے میں آس شخص کے لیے
 جس کی نسبت مکہم مکہم میں
 پيشن گوئی ہوتی چلی آتی تھی
 مہدی لقب وضع ہوا، کیونکہ
 مہدی کا لقب انہی حدیثوں کے
 ساتھ شامل ہے جن میں بنی
 فاطمہ اور اہل بیت میں سے

۴- (علی بن نفیل) عن ام
 سلمة قال سمعت رسول
 اللہ صلعم یقول المہدی
 من عترتی من ولد فاطمة -
 (ابو داؤد - صفحہ ۲۳۲)

خليفة ہونے کی بشارت ہے اور وہ حدیثیں بھی جن میں مہدی کا لقب بیان ہوا ہے متعدد کتابوں میں ہیں ، چنانچہ ابو داؤد میں ام سلمہ سے جس کے راویوں میں علی بن نفیل بھی ایک راوی ہے یہ حدیث مذکور ہے کہ ”ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میری آل میں سے اور فاطمہ کی اولاد میں سے مہدی ہوگا ۔“

اور ابو داؤد ہی میں ایک دوسری حدیث ابی سعید خدری

سے ہے جس میں عمران القطان

بھی ایک راوی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابی سعید خدری نے آن حضرت صلعم کا یہ فرمانا بیان کیا کہ مہدی مجھ میں سے ہے ، چمکتی ہوئی پیشانی اور اونچی ناک والا ، بھر دے گا زمین کو عدل و انصاف سے جیسے کہ بھر گئی ہوگی جور و ظلم سے اور وہ مالک رہے گا سات برس ۔

۵۔ (عمران القطان) عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلعم المہدی منی اجلی الحیبة افنی الانف یملاء الارض فسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما یملک سبع سنین ۔

(ابو داؤد - صفحہ ۲۳۲)

جو حلیہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے گویا وہ حلیہ

زید شہید کا ہے ۔

اتفاقات زمانہ سے حضرت زید شہید اور آن کے بیٹے حضرت

یحییٰ اپنے ارادے میں کامیاب

نہ ہوئے اور ہشام کے ہاتھ

سے شہید ہوئے ۔ حضرت یحییٰ

نے شہید ہوتے وقت وصیت کی

کہ میرے بعد محمد بن عبداللہ

قال الزیدية بامامة ابنه یحییٰ

من بعد زید فمضی الی

خراسان و قتل بالخور

جان بعد ان اوصی الی

محمد بن عبدالله بن حسن کی طرف رجوع کرنا۔ حضرت محمد بن الحسن السبط و يقال له النفس الزكية فخرج بالحجاز و تطلب بالمهدی و جاءت عساكر المنصور فقتل۔

(ابن خلدون صفحہ ۱۶۷) شہید اور ان کے بیٹے حضرت

یحییٰ کی امامت کے قائل ہیں، پھر وہ خراسان کی طرف گئے اور خورجان میں شہید ہو گئے۔ شہید ہوتے وقت انہوں نے محمد بن عبدالله بن حسن بن الحسن السبط کے حق میں وصیت کی۔ ان کو نفس زکیہ کہتے ہیں۔ انہوں نے حجاز میں خروج کیا اور مہدی ان کو لقب دیا گیا، پھر منصور کا لشکر چڑھ آیا اور وہ شہید ہو گئے۔“

حضرت محمد بن عبدالله کی خلافت مستحکم کرنے کو اور اس

غرض سے کہ لوگ ان کے

معتقد اور ان کے گرویدہ

ہو جاویں ان کے طرفداروں نے

بہت سی وضعی حدیثیں پھیلانیں،

انہیں میں سے وہ حدیث بھی ہے

جو ابو داؤد میں لکھی ہے اور

جس میں ہارون اور عمرو بن

ابی قیس اور ابو اسحاق بھی

راوی ہیں اور وہ حدیث یہ ہے

کہ حضرت علی نے اپنے بیٹے

۶۔ (ہارون عمرو بن ابی

قیس ابو اسحق شیعہ)

قال علی و نظر الی ابنہ

الحسن قال ان ابنی هذا

سید کما سماہ النبی

صلعم و يستخرج من صلبہ

رجل یسمی باسم بینکم

صلعم یشبہہ فی الخلق ولا

یشبہہ فی الخلق ثم ذکر قصۃ یملاء

الارض عدلا (ابوداؤد صفحہ ۲۳۳) امام حسن کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ میرا بیٹا سید ہے جیسے کہ پیغمبر خدا نے اُن کا یہ نام رکھا ہے۔ اور قریب ہے کہ اُس کی اولاد میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام وہی ہوگا جو تمہارے نبی کا نام ہے اور انہیں کا سا خلق ہوگا، مگر صورت میں اُن کے مشابہ نہ ہوگا، پھر اُن کا بیان کیا کہ وہ بھر دے گا زمین کو عدل سے۔ محمد ابن عبداللہ حضرت امام حسن کے پڑپوتے تھے اور محمد ہی اُن کا نام تھا۔ پس اُن کی خلافت پر لوگوں کو راغب کرنے کے لیے یہ حدیث بنائی گئی۔

علاوہ اس کے اور بہت سی وضعی حدیثیں ہیں جن میں

مہدی کا محمد نام ہونے کی

بشارت ہے، چنانچہ ابو داؤد میں

ایک حدیث ہے جس میں عاصی

بھی ایک راوی ہے۔ اور وہ

حدیث یہ ہے کہ عبداللہ ابن

مسعود نے نبی صلعم کا فرمانا

بیان کیا کہ اگر دنیا بجز ایک دن

کے کچھ باقی نہ رہی تو بھی

اللہ تعالیٰ ضرور اُس دن کو

بڑھا دے گا، تاکہ اللہ اُس میں

ایک شخص کو مجھ میں سے یا

یہ کہا کہ میری اہل بیت میں

سے کھڑا کرے گا جس کا نام میرے

نام کے مطابق ہوگا اور اُس کے

باپ کے باپ کا نام میرے نام کے

۲۔ (عاصم) عن عبداللہ بن

مسعود عن النبی صلعم

لؤلؤ لم یبق من الدنیا الا

یوما لطول اللہ ذالک

الیوم حتی یبعث اللہ فیہ

رجلا منی او من اہل

بیتی یواطی اسمہ اسمی

واسم ابیہ اسم ابی۔ زاد

فطر یملاء الارض قسطا

وعدلا کما ملئت ظلما

وجورا وفی حدیث سفیان

لا تذهب اولا تتفضی

الدنیا حتی بملک العرب

رجل من اہل بیتی یواطی

اسمہ اسمی - مطابق اور فطر راوی نے اس قدر

(ابو داؤد صفحہ ۲۳۲) اور بڑھایا کہ وہ بھر دے گا زمین

کو عدل و انصاف سے جیسے کہ

وہ بھر گئی ہوگی ظلم و جور سے اور سفیان کی حدیث میں ہے کہ نہ جاوے گی یا نہ گزرے گی دنیا یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے عرب کا ایک شخص مالک ہوگا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔ محمد ابن عبداللہ نے حجاز میں خروج کیا تھا اور اسی لیے اس حدیث میں عرب کا نام بھی داخل کیا گیا۔

ترمذی میں بھی اسی قسم کی مندرجہ ذیل حدیثیں ہیں اور ۸۔ (عاصم) عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلعم لا یذهب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اہل بیتی یواطی اسمہ اسمی (ترمذی صفحہ ۳۷۱)

۹۔ (عاصم) عن عبداللہ عن النبی صلعم قال یلی رجل من اہل بیتی یواطی اسمہ اسمی (ترمذی صفحہ ۳۷۱)

۱۰۔ (عاصم) عن ابی ہریرہ قال لولم یبق من الدنیا الا یوما لطول اللہ ذالک الیوم حتی یلی - الخ (ترمذی صفحہ ۳۷۱)

پھر انہی عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ والی ہوگا ایک شخص میری اہل بیت میں سے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آن حضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر دنیا سے بجز ایک دن کے

باقی نہ رہے تو ضرور اللہ تعالیٰ اُس دن کو بڑھا دے گا ، تاکہ والی ہو ایک شخص میری اہل بیت میں سے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا ۔

ابن ماجہ میں بھی اس قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں ۔ ایک حدیث میں جس کے راویوں میں یاسین العجلی بھی راوی ہے یہ ۱۱۔ (یاسین عجللی) عن علی قال قال رسول اللہ صلعم المہدی منا اہل البیت یصلح اللہ فی لیلۃ (ابن ماجہ صفحہ ۷۹) کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ المہدی ہم میں سے ہماری اہل بیت میں سے ہے ۔ ایک رات میں اللہ تعالیٰ اُس کے سب کام درست کر دے گا ۔

ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے ۱۲۔ (علی بن نفیل) عن سعید بن مسیب قال کنا عندام سلمۃ فتذاکرنا المہدی فقالت سمعت رسول اللہ صلعم یقول المہدی من ولد فاطمۃ (ابن ماجہ صفحہ ۷۹) سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر کر رہے تھے ، ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ مہدی اولاد فاطمہ سے ہوگا ۔

ایک اور حدیث میں جس میں علی بن نفیل بھی راوی ہے ۱۳۔ (عکرمۃ بن عمار علی بن زیاد) عن انس ابن سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ ہم ام سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہدی کا ذکر کر رہے

مالک قال سمعت رسول اللہ صلعہم يقول نحن ولد عبدالمطلب سادة اهل الجنة انا وحمزة وعلی وجعفر والحسن والحسين والمہدی (ابن ماجہ صفحہ ۴۹۷) تھے ، ام سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلعہم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم اولاد عبدالمطلب سردار اہل جنت ہیں اور وہ کون ہیں میں ہوں اور حمزہ اور علی اور جعفر اور حسن اور حسین اور المہدی ۔

غور کرو کہ اس حدیث کے بنانے والے نے جو خاص بنی فاطمہ کا طرفدار معلوم ہوتا ہے کس حکمت سے حضرت عباس کا نام اولاد عبدالمطلب سے چھوڑ دیا ہے ، تاکہ بنی عباس کے دعویٰ خلافت کو تقویت نہ پہنچے ، حالانکہ طرفداران بنی فاطمہ و طرفداران بنی عباس دونوں اکثر شیعہ تھے ، مگر جو جس کا طرفدار تھا اس کے مفید کام کرتا تھا ۔

بنی عباس نے اپنی تدبیروں میں نہایت کامیابی حاصل کی اور آخرکار وہ خلیفہ ہو گئے ۔ بنی عباس میں سے ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس نے اپنے تئیں بلقب امام ملقب کیا ، مگر وہ مروان کی قید میں پڑے اور قتل ہوئے ۔ اس واقعے سے بنی عباس کی تدبیروں میں کچھ نقصان نہیں آیا ، اس لیے کہ ابو مسلم خراسانی نے جو نہایت دانشمند اور مدبر شخص تھا محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس سے خفیہ بیعت کر لی تھی اور وہ خراسان میں اس لیے گیا ہوا تھا کہ لوگوں کو بنی عباس کے خلیفہ ہونے پر مائل کرے ۔ ابو مسلم کے پاس وہاں خوب جمعیت جمع ہو گئی اور بنی عباس کی طرف لوگوں کے دل مائل ہو گئے ۔ ابو مسلم نے ”نقیب آل محمد“ اپنا لقب اختیار کیا ، کیونکہ بنی عباس بھی آل محمد کہلاتے تھے اور اپنی طرف سے ستر نقیب اطراف میں لوگوں کو بنی عباس کی

خلافت پر مائل کرنے کے لیے روانہ کیے اور کل دوست داران آل عباس کے لیے سیاہ لباس تجویز کیا اور ان کے لشکروں کے جھنڈے بھی سیاہ قرار پائے۔

اس زمانے میں سب سے بڑا نسخہ لوگوں کو گرویدہ کرنے کا

حدیثوں کا پیش کرنا تھا، اس لیے

۱۴۔ عن ثوبان قال بنی عباس کے طرفداروں نے ایسی

رسول اللہ صلعم اذا رئیتم وضعی حدیثیں بنائیں جن سے خلیفہ

الرایات السود قد جاءت یا مہدی ہونے کی پیشین گوئی

من قبل خراسان فاتو بنی عباس کے حق میں نکلتی تھی

ہا فان فیہا خلیفۃ اللہ اور مسلمانوں کو ان کی مدد

المہدی رواہ احمد و کرنا ان حدیثوں کی رو سے ضرور

البیہقی فی دلائل النبوة ثابت ہوتا تھا، چنانچہ اسی قسم

کی وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ میں (مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۳)

مندرج ہے اور وہ یہ ہے کہ

”ثوبان نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس وقت تم دیکھو

سیاہ جھنڈوں کو خراسان کی طرف سے آتے ہوئے تو ان کی اطاعت

کرو، بے شک انہی میں خلیفۃ اللہ مہدی ہوگا۔“ اس حدیث کے

مضمون سے صاف پایا جاتا ہے کہ ابو مسلم نے جو اپنے لشکر کے

جھنڈے سیاہ قرار دیئے تھے، اس لیے ہوا خواہان بنی عباس نے یہ

حدیث وضع کر کر لوگوں میں پھیلائی تھی، تاکہ لوگ ان کے

مطیع ہو جاویں۔

اس سے بھی زیادہ وضعی ایک اور حدیث ہے جو ابو داؤد

میں مذکور ہے۔ انہی ہنگاموں

کان الحرث عظیم الا زد اور تدبیروں کے زمانوں میں جو

بخراسان فخلع سنة سنة عشر نسبت خلافت کے ہو رہی تھیں

ولبس السواد ودعا الى
كتاب الله وسنة نبیه و
البيعة الرضا علی ما كان
عليه دعاة بنی عباس
هنالك -

(ابن خلدون جلد ۳- صفحہ ۹۲)

ایک شخص الحرث قوم ازد میں
سے تھا اور وہ بھی خراسان میں
بنی امیہ کے گروہ میں تھا ، مگر
آس نے خلیفہ بنی امیہ کی اطاعت
کو چھوڑ دیا اور ہوا خواہان
بنی عباس میں شامل ہو گیا ،
چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں لکھا
ہے کہ ”حرث ایک شخص قوم

ازد کا خراسان میں تھا آس نے
۱۱۶ھ میں خلیفہ بنی امیہ کی
اطاعت کو چھوڑ دیا اور سیاہ
لباس پہن لیا اور لوگوں کو خدا
کی کتاب و پیغمبر کی سنت پر
چلنے اور آس طریقے کو پسند
کرنے پر جس پر کہ بنی عباس
کے ہوا خواہ بیعت لے رہے تھے
مشغول ہوا ۔“ اس حرث کے لیے
بھی ایک حدیث بنائی گئی اور

لوگوں میں پھیلائی گئی جو
ابو داؤد میں مندرج ہے اور جس

۱۵- (ہارون عمرو بن ابی قیس
ہلال ابن عمرو) عن علی قال
قال رسول الله صلعم یخرج
رجل من وراے النهر یقال
له الحارث حرث علی مقدمة
رجل یقال له منصور
یوطن او یمكن لال عمد
کما مکننت قریش لرسول
الله صلعم وجب علی کل
مومن نصره -

(ابو داؤد صفحہ ۲۳۳)

میں ہارون و عمرو بن ابی قیس
وہ حدیث یہ ہے کہ ”حضرت علی نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ نہر فرات کے آس طرف سے ایک شخص
خروج کرے گا جس کو حارث حرث کہیں گے ، آس کی سرداری میں
ایک شخص ہوگا جس کو منصور کہیں گے ، بساوے گا اور جگہ

یقبلونہ حتی یدفعوہا الی رجل من اہل بیت فیملأہا قسطاً کما ملأہا جوراً من ادراک ذالک منکم فالیاتہم ولو حبوا علی الشلج -

اور تشدد میں اور ڈاواں ڈول ہو جانے میں پڑے گی ، یہاں تک کہ مشرق کی جانب سے ایک قوم آوے گی جس کے ساتھ سیاہ جھنڈے ہوں گے ، پھر وہ ایک نیک بات کا سوال کرے گی پھر

(ابن ماجہ صفحہ ۷۸۷) آن کو وہ نہیں ملے گا ، پھر وہ لڑیں گے اور فتح پاویں گے اور جو مانگتے تھے وہ مل جاوے گا ، پھر وہ اُس کو قبول نہ کریں گے ، یہاں تک کہ اُس کو میری اہل بیت میں سے ایک آدمی کو دے دیں گے ، اُس وقت جس شخص کو میری اہل بیت میں سے وہ دیا جاوے گا تو وہ بھر دے گا دنیا کو انصاف سے جس طرح کہ وہ بھر گئی ہوگی ظلم سے - جو شخص تم میں سے اُس کو پاوے تو اُن کا ساتھ دے ، گو کہ برف پر گھسٹ گھسٹ کے ہو ۔“

ابو مسلم نے جو لوگوں کو بنی عباس کی خلافت پر مائل کیا تھا ، مدت تک اُس نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ کس شخص کو وہ خلیفہ ہونا چاہتا ہے - جب بہت لوگ جمع ہو گئے اور لشکر بہم پہنچ گیا اور خراسان میں بخوبی ضبط ہو گیا اُس وقت اُس نے عبداللہ ابوالعباس کا نام ظاہر کر دیا اور اُس کو خلیفہ مشہور کر دیا - پس یہ حدیث صرف اس تدبیر کے پورا کرنے کو بطور پیشین گوئی بنائی گئی ، تاکہ عبداللہ کی خلافت کا اثر اور استحکام لوگوں کے دلوں پر جم جاوے -

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث بھی ہے جس میں عبدالرزاق ابی ۱۷ (عبدالرزاق ابی قلابۃ) قلابہ بھی راوی ہے اور وہ یہ ہے عن ثوبان رض قال قال کہ ”ثوبان نے کہا کہ رسول

رسول اللہ صلعم تقتل عن
کنزکم ثلاثہ کلہم ابن
خلیفہ ثم لا یصبر الی
واحد منهم ثم تطلع
الرایات السود من قبل
المشرق فیقتلونکم قتلا
لم یقتله قوم ثم ذکر
شیثا لا احفظہ فقال اذا
رایتموہ فبا یعوہ ولو حبوا
علی الشلج فانہ خلیفہ
اللہ المہدی - (ابن ماجہ
صفحہ ۷۴۹)

خدا صلعم نے فرمایا کہ تمہارے
خزانے پر تین شخص مارے
جاویں گے ، وہ سب خلیفہ کے
بیٹے ہوں گے ، پھر ان میں کسی
کو نہ ملے گا پھر مشرق کی
جانب سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے
اور تم کو ایسا قتل کریں گے
کہ کسی قوم نے نہ کیا ہوگا ۔
اُس کے بعد اور کچھ فرمایا جو
راوی کو یاد نہیں رہا ۔ پھر یہ
فرمایا کہ جب تم ان کو دیکھو
تو ان سے بیعت کرو گوکہ برف

پر گھسٹ کر جانے سے ہو ، کیونکہ وہ ہوگا خلیفہ اللہ مہدی ۔“

جب کہ بنی امیہ کے خاندان کی خلافت ختم ہونے کو ہوئی
اور بنی عباس کا ستارہ اقبال عروج پر ہوا تو ان جھگڑوں میں
اس قدر خون ریزیاں ہوئی تھیں کہ درحقیقت کسی قوم میں نہ ہوئی
تھیں ۔ بنی امیہ اور ان کے طرف دار سب قتل ہوئے ۔ محمد بن علی
کے سامنے ایک حمام میں ستر گروہ بنی امیہ کے قتل ہوئے تھے اور
پھر ان کی لاشوں پر بچھونا بچھا کر کھانا کھایا گیا تھا ۔ عبداللہ
ابوالعباس کا نام سفاح بسبب بے انتہا خون ریزی کے پڑ گیا تھا ۔ اس
خون ریزی پر خاک ڈالنے اور بنی عباس کی خلافت مستحکم کرنے
کے لیے یہ حدیث بنائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ اس خون ریزی
کی پیشین گوئی ہو چکی تھی اور ضرور ہونے والی تھی ۔

ابن ماجہ میں ایک اور حدیث ہے کہ عبداللہ بن الحارث
۱۸- (ابن لہیعۃ) عن زیدی نے کہا کہ رسول خدا صلعم

عبداللہ ابن الحارث بن زیدی قال قال رسول اللہ سے لوگ خروج کریں گے اور صلعم یخرج ناس من المشرق مہدی کے لیے سلطنت و حکومت فیوطون المہدی یعنی قائم کریں گے۔

سلطانہ۔ بنی عباس کی کوششوں کا

(ابن ماجہ صفحہ ۷۵۰) آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ

ابوالعباس سفاح میڑ پوتے حضرت عباس کے مستقل خلیفہ ہو گئے۔

ان کے مرنے کے بعد ابو جعفر منصور دوانقی ان کا بھائی ۱۳۶ھ

مطابق ۷۵۵ء کے خلیفہ ہوا۔ اسی کے وقت میں محمد بن عبداللہ

حضرت امام حسن کے پڑوتے نے دعویٰ خلافت کیا تھا جو انجام کار

قتل ہوئے۔ اس کے مرنے کے بعد ابو عبداللہ بن منصور ۱۵۸ھ

مطابق ۷۷۵ء کے خلیفہ ہوئے اور انہوں نے المہدی اپنا لقب قرار

دے دیا، تاکہ لوگ جان لیں کہ المہدی جس کی پیشین گوئیاں

تھیں وہ آچکا اب کوئی نہیں آنے والا۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ

آئندہ کا فساد اور دعویٰ مہدیت بند ہو۔

ان تمام حالات کو پڑھ کر ضرور ہمارے اس آرٹیکل کے پڑھنے

والوں کے دل میں یہ خیال جاوے گا کہ یہ کیوں قرار دیا گیا ہے

کہ جب یہ واقعات پیش آئے تو اس وقت ان کے مطابق یہ حدیثیں

اپنے اپنے اغراض کے لیے بنا لی گئیں برعکس اس کے یہ کہیں نہیں

قرار دیا جاتا کہ یہ سب حدیثیں تھیں اور جو پیشین گوئیاں ان

میں تھیں انہی کے مطابق یہ سب واقعات پیش آئے۔

مگر اس کا سبب ذرا سے غور کرنے میں بخوبی واضح

ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہ حدیثیں دو گروہ سے متعلق ہیں۔ ایک

بنی فاطمہ سے اور ایک بنی عباس سے۔ ایک قسم کی حدیثوں میں

المہدی کا ہونا بنی فاطمہ میں بیان ہوا، اس کی اطاعت نصرت

پر حکم ہے ، اور ایک قسم کی حدیثوں میں بنی عباس میں المہدی کا ہونا اور اس کی مدد و اعانت کرنے کا حکم ہے ۔ اگر درحقیقت کوئی المہدی ہوتا تو وہ بنی فاطمہ میں سے ہوتا یا بنی عباس میں سے نہ یہ کہ دو مختلف شاخوں میں سے ۔ پس صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی پیشین گوئی المہدی کی نہ تھی ، بلکہ ہر ایک فریق نے اپنی اپنی تائید کے لیے حدیثیں بنا لی تھیں ۔

جن حدیث کی کتابوں میں یہ حدیثیں مندرج ہیں اگر وہ کتابیں قبل ان واقعات کے تصنیف ہو چکی ہوتیں اور ان میں یہ حدیثیں مندرج ہوتیں تو البتہ ایک بات قابل اعتدال ہوتی ، مگر وہ سب کتابیں حدیث کی جن میں یہ حدیثیں ہیں ، ان واقعات کے بہت دنوں بعد تالیف ہوئی ہیں ۔ ان حالات سے جو ہم نے بیان کیے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب واقعات ۱۵۸ ہجری سے پہلے ختم ہو چکے تھے اور ان حدیث کی کتابوں کے مصنف سب اس زمانے کے بعد تھے اور وہ کتابیں سب اس زمانے کے بعد تالیف ہوئی ہیں جن کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے :

نام	سنہ پیدائش	سنہ وفات
محمد اسماعیل بخاری	۵۱۹۴	۵۲۵۶
مسلم	۵۲۰۴	۵۲۶۱
ابو عیسیٰ ترمذی	۵۲۰۹	۵۲۷۹
ابو داؤد	۵۲۰۲	۵۲۷۵
ابو عبدالرحمان احمد نسائی	۵۲۱۵	۵۳۰۳
ابو عبداللہ محمد ابن ماجہ	۵۲۰۹	۵۲۷۳

اس رائے کی زیادہ تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ امام مالک ۹۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ہجری میں فوت ہوئے اور یہ تمام واقعات ان کے سامنے گزرے ، مگر ان کی کتاب

موطا میں کوئی حدیث المہدی کی پیشین گوئی کی نہیں ہے اور نہ بخاری و مسلم میں ہے۔

ایک بڑا دھوکا لوگوں کو یہ پڑتا ہے کہ جب سنتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں درج ہے تو بلا غور اس کو مان لینا چاہتے ہیں، حالانکہ مصنفین صحاح ستہ نے جہاں تک ان سے ہو سکا ہے انہوں نے روایت کی تنقیح میں بڑی کوشش کی ہے، یعنی حتی المقدور جن راویوں کو معتبر سمجھا اور انہوں نے جو حدیث نقل کی اس کو کتاب میں مندرج کیا، مگر ان حدیثوں کی تنقیح بلحاظ ان کے واقعات مندرجہ اور ان کے مضامین کے جو درایت سے تعلق رکھتے ہیں، پڑھنے والوں کی تحقیق پر چھوڑا ہے، مگر افسوس ہے کہ اس زمانے کے پڑھنے والے اس کی تنقیح کی طرف مطلق متوجہ نہیں ہوتے۔

یہ حدیثیں جو ہم نے بیان کیں اگرچہ انہی کتب میں مندرج ہیں جو صحاح میں کہلاتی ہیں، لیکن ان کے راوی بھی معتبر نہیں ہیں اور اس لیے یہ حدیثیں روایت کی تنقیح کے مطابق بھی جو محدثین کے اصول مسلمہ میں سے ہے، قابل رد کرنے کے ہیں۔ پس اب ہم بموجب اصول محدثین کے ان حدیثوں کا مردود ہونا بیان کرتے ہیں۔ ابن خلدون نے ان حدیثوں کے راویوں کی نسبت جو بحث ہے نہایت خوبی سے ایک جگہ جمع کر دی ہے اور ہم اسی کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہمارے آرٹیکل کے پڑھنے والے دیکھیں گے کہ ہم نے ہر حدیث کے پہلے بعض راویوں کا نام دوہلائی خط کے بیچ میں لکھ دیا ہے، اس سے مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں سے وہ شخص بھی ایک راوی ہے اور وہی شخص نامعتبر ہے اور اسی کے راوی ہونے کی وجہ سے وہ حدیث قابل اعتبار اور لائق قبول کے

نہیں رہی - پس اب ہم ہر ایک کی نسبت جو جرح ہے وہ لکھ دیتے ہیں -

ابو داؤد کی روایت میں قتادہ ایک راوی ہے اور وہ مدلس ہے ،

یعنی بیچ کے راویوں کے نام

۱۔ (قتادہ) وقتادہ مدلس وقد عنعن فیہ والمدلس لایقبل من حدیثہ الا ما صرح فیہ بالسماع - (ابن خلدون صفحہ ۲۶۳)

کرے قبول نہیں ہو سکتی -

عجلی نے فطر کے حق میں کہا ہے کہ اس کی حدیثیں

اچھی ہیں اور اس میں کچھ

شیعہ پن ہے اور ابن معین نے

کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے شیعہ ہے ،

اور احمد بن عبد اللہ بن یونس

نے کہا ہے کہ ہم فطر کے

سامنے کو چلے جاتے تھے اور

اس کو چھوڑ دیتے تھے اس سے

کچھ نہیں لکھتے تھے ، یعنی ہم

اس کو لائق اخذ روایت کے

نہیں جانتے تھے اور مرہ نے کہا

ہے کہ میں اس کو مثل کتے

کے چھوڑ کر چلا جاتا ہوں ، اس

سے روایت نہیں کرتا ہوں اور

دار قطنی نے یہ کہا ہے کہ

۲۔ (فطر) قال العجلی

حسن الحدیث و فیہ

تشیع قلیل و قال ابن

معین ثقة شیعہ و قال

احمد بن عبد اللہ بن یونس

کنانمر علی فطر و هو

مطروح لانکتب منہ و

قال مرة کنت امر به و

ادعه مثل الکلب و قال

الدار قطنی لایحتج به و

قال ابوبکر بن عیاش

ما ترک الروایة عنه

الا اسرء مذهبہ و قال

الجرجانی زایغ غیر اس کی روایت سے استدلال نہ کرنا
ثیہ (صفحہ ۲۶۲) چاہیے اور ابوبکر بن عیاش نے
کہا ہے کہ میں نے فطر کی
روایت تو اس کی خرابی مذہب کے سبب سے چھوڑ دی ہے
اور جو جانی نے کہا ہے کہ وہ کچھ رائے ہے، قابل اعتبار کے
نہیں ہے۔

حاکم کے حق میں بلقینی نے کہا ہے کہ ذہبی نے بقدر
سو حدیث موضوع کے جمع کی
ہیں جو حاکم نے مستدرک
میں روایت کی ہیں اور اس پر
بہت تشنیع کی ہے اور برا کہا
ہے اکثر جگہ اور حافظ
ابن حجر نے کہا ہے کہ حاکم
سے مستدرک میں تساہل اس لیے
ہوا کہ اس نے یہ کتاب لکھی
تھی کہ پھر اسی میں سے
احادیث صحیحہ کا انتخاب
کرے گا، مگر اس سے پہلے
مر گیا۔

۳۔ (حاکم) قال البلقینی
قد جمع الحافظ الذہبی
زهاء مائة حدیث موضوع
من احادیث المستدرک
وشنع علیه غاية التشنیع
فی بعض المواضع وقال
الحافظ ابن حجر انما
وقع للحاکم التساہل
لانه سود الكتاب لينفتحه
فا عجله المنية او
بغير ذالك فترى الحرم
(صفحہ ۱۱)

(۱۴) بیہقی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے مستدرک اور
کتب بیہقی کو طبقہ سوم کہ جس میں احادیث صحیح اور حسن اور
ضعیف اور متہم بالوضع بھی ہیں شار کیا ہے۔ قولہ ”طبقہ ثالثہ
احادیثیہ کہ جامعہ از علماء متقدمین بر زمان بخاری و مسلم یا معاصرین
انہا یا لاحقین بانہا در تعالیف خود روایت کردہ اند و التزام صحت

نہ نموده و کتب آنها در شهرت و قبول در مرتبہ طبقہ اولی و ثانیہ نہ رسیدہ ہر چند مصنفین آن کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث و وثوق و عدالت و ضبط و احادیث صحیح و حسن و ضعیف ، بلکہ متہم بالوضع نیز دران کتب یافتہ می شود و رجال آن کتب بعضی موصوف بعدالت و بعضی مستور و بعضی مجهول و اکثر آن احادیث معمول بہ نزد فقہا نشدہ اند ، بلکہ اجاع برخلاف آنها منعقد گشتہ و دریں کتب ہم تفصیل و تفاوت ہست بعضہا اقوی من البعض - اسامی آن کتب این است : مسند شافعی ، سنن ابن ماجہ ، مسند دارمی ، مسند ابی یعلی موصلی مصنف عبد الرزاق مصنف ابی بکر شیبہ ، مسند عید بن حمید ، مسند ابی داؤد طبالسی ، سنن دارقطنی ، صحیح بن حبان ، مستدرک حاکم ، کتب بیہقی ، کتب طحاوی تصانیف طبرانی -

علی بن نفیل کو عقیلی نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے اس میں اس کا اور کوئی تابع نہیں ہے اور وہ اسی روایت سے معلوم ہوا ہے اور کوئی روایت اس کی کہیں نہیں مروی ہوئی ۔

(۴ و ۱۲) علی بن نفیل قد ضعه ابو جعفر العقیلی وقال لا يتابع بن نفیل علیہ ولا یعرف الابیہ (صفحہ ۲۶۲)

عمران القطان میں اختلاف ہے کہ اس کی روایت حجت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بخاری نے اس کی روایت تو دوسری روایت کی تائید اور تقویت کے لیے ذکر کی ہے ، اس کی اصل روایت نہیں بیان کی

(۵ نمبر) عمران القطان اختلف فی الاحتجاج بہ انما اخرج له البخاری استشہا دالا اصلا وکان یحیی لقطان لا یحدث عنہ وقال یحیی بن معین

لیس بالقری وقال مرة
لیس بشئ وقال احمد بن
حنبل ارجو ان يكون
صالح الحديث وقال
يزيد بن الزريع كان حرويا
وكان يروي السيف على
اهل القبلة وقال النسائي
ضعيف (صفحة ۲۶۳)

ہے اور یحییٰ قطان تو اس کی
حدیث نہیں لیتے تھے اور یحییٰ بن
معین نے کہا ہے کہ یہ قوی
نہیں ہے اور مرہ نے کہا ہے کہ
وہ کچھ نہیں ہے اور امام احمد
بن حنبل نے کہا ہے کہ شاید
اُس کی حدیثیں اچھی ہوں اور
یزید بن الزریع نے کہا ہے کہ
اُس کا عقیدہ خوارج کا سا تھا اور
لڑنے کا قائل تھا اور نسائی نے
اہل قبلہ پر تلوار پکڑنا اور اُن سے
کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔

ہارون اور عمرو بن ابی قیس
اور ابو اسحاق شیبی کا یہ حال
ہے کہ ہارون کے حال سے ایک
جگہ تو ابو داؤد نے منکوث
کیا اور دوسری جگہ کہا ہے
کہ وہ شیعوں میں سے ہے اور
سلیمان نے کہا کہ اُس میں
نظر ہے۔

(۶) ہارون عمرو بن ابی
قیس ابو اسحاق شیبی
ہارون سکت ابو داؤد
علیہ وقال فی موضع
فی ہارون ہومن ولد
الشیعة وقال السلیمانی
فیہ نظر (صفحة ۲۶۲)

عمرو بن ابی قیس کے حق میں
داؤد نے یہ کہا ہے کہ اُس
کا ڈر نہیں ہے، اُس کی حدیث
میں خطا ہوتی ہے۔ ذہبی
نے کہا ہے کہ وہ سچا ہے،

عمرو بن ابی قیس قال
ابو داود فی عمرو بن
قیس لا یأس بہ فی حدیثہ
خطاء وقال الذہبی
صدق لہ اوہام (صفحة ۲۶۲)

مگر اُس کو کچھ اوہام اور شبہات ہو گئے ہیں۔

ابواسحاق الشیعی و
ان خرج عنه الشیخان
فی الصحیحین فقد ثبت
انہ احتلط اخر عمره
و روایتہ عن علی مقطعة
(صفحہ ۲۶۲)

ابواسحاق شیعہ کی روایت اگرچہ
بخاری اور مسلم میں مذکور
ہیں، مگر یہ ثابت ہوا ہے کہ
وہ آخر میں بھک گئے تھے اور
حضرت علیؓ سے اُن کی روایت
منصل نہیں ہے۔

(۷ و ۸ و ۹ و ۱۰) عاصم قال
العجلی کان یختلف علیہ
فی زروابی وائل یشیر
بذلک الی ضعف روایتہما
عنه وقال محمد بن سعہ
کان ثقة الا انه کثیر
الخطاء۔

عجلی نے کہا ہے کہ عاصم
نے جو روایتیں زر اور ابی وائل
سے کی ہیں اُن میں اختلاف ہے۔
اس سے اشارہ ہے کہ ان دونوں
سے اس کی روایتیں ضعیف ہیں اور
محمد بن سعد نے کہا ہے کہ وہ
اچھا ہے، مگر اُس کی حدیث میں
اکثر خطا ہوتی ہے۔

اور یعقوب ابن سفیان نے کہا ہے کہ اس کی حدیث

میں اضطراب ہے اور عبدالرحمن
بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ
میں نے اپنے باپ سے کہا کہ
ابو زرہ یہ کہتا ہے کہ عاصم
ثقة ہے، کہا اُس کا یہ درجہ
نہیں ہے اور ابن علیہ نے اُس
میں کلام کیا ہے اور کہا ہے
جتنوں کا نام عاصم ہے اُن کا
حافظہ اچھا نہیں ہے اور

فی حدیثہ وقال یعقوب
بن سفیان فی حدیثہ
اضطراب وقال عبدالرحمن
بن ابی حاتم قلت لابی ان
ابازرة یقول عاصم ثقة
قال لیمن محله هذا وقد
تکلم فیہ ابن علیہ فقال
کل من اسمه عاصم شی

الحفظ وقال ابو حاتم
 محله عندی محل الصدق
 صالح الحدیث ولم یکن
 یذک الحافظ واختلف
 فیہ قول النسائی وقال
 ابن حراش فی حدیثہ نکرۃ
 وقال ابو جعفر العقیلی
 لم یکن فیہ الا سوء الحفظ وقال
 الدارقطنی فی حفظہ شیء وقال
 یحیی القطان ما وجدت رجلا سمہ
 عاصم وحدتہ ردی الحفظ
 وقال ایضا سمعت شعبۃ
 یقول حدثنا عاصم ابن
 ابی النجود و فی الناس
 ما فیہا وقل الذہبی
 فی القراءۃ وہو فی الحدیث
 دون الثبت صدوق فہم
 وہو حسن الحدیث وان
 احتج احدا بان الشیخین
 خرجاہ فنقول اخرجا
 مقرونا بغيرہ لا اصلہ
 (صفحہ ۲۶۱)

ابو حاتم نے کہا ہے کہ میرے
 نزدیک اس کا درجہ یہ ہے کہ
 وہ سچا ہے اور لائق حدیث کے
 ہے، مگر کچھ بہت یاد رکھنے
 والے نہیں ہیں اور نسائی کے قول
 اس کے حق میں مختلف ہیں اور
 ابن حراش نے کہا ہے کہ اس
 کی حدیث میں امر قابل انکار
 بھی ہوتا ہے اور ابو جعفر عقیلی
 نے کہا ہے اس میں سوائے
 نقص حافظہ کے اور کچھ عیب
 نہ تھا اور دار قطنی نے کہا
 ہے کہ اس کی یاد میں کچھ
 نقص تھے اور یحیی قطان نے
 کہا ہے کہ میں نے کسی
 عاصم کی یاد اچھی نہیں پائی اور
 کہا ہے کہ میں نے سنا ہے
 شعبہ سے کہ کہتے تھے مجھ سے
 حدیث کہی عاصم بن ابی النجود
 نے اور آدمیوں میں مشہور ہے
 جو اس کا حال ہے اور ذہبی
 نے کہا ہے کہ قرأت میں ٹو
 وہ بہت اچھا ہے اور حدیث میں

اس سے کم ہے۔ سچا ہے اور اچھی حدیث والا ہے اور اگر کوئی یہ
 اعتراض کرے کہ بخاری اور مسلم نے تو اس سے روایت کیا ہے

تو ہم کہتے ہیں کہ اُس سے دوسرے کے ساتھ ملی ہوئے انہوں نے روایت کی ہے اور اصل اُسی کی روایت نہیں کی۔

(۱۱) یاسین عجلی قال البخاری فیہ نظر و هذه اللفظة من اصطلاحه قوية بالتضعیف جدا و اور دله ابن عدی فی کامل و ذهبی فی المیزان هذا الحدیث علی وجه الا ستکماله و قال هو معروف به (صفحہ ۲۶۶)

یاسین عجلی کے حق میں بخاری نے کہا ہے کہ اُس میں نظر ہے اور بخاری کی اصطلاح میں یہ لفظ بہت زیادہ ضعیف کہنا ہے اور ابن عدی نے کامل میں اور ذہبی نے میزان میں یہی حدیث اُس پر انکار کے لیے ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ وہ تو مشہور ہے اس حدیث کے معاملے میں۔

(۱۲) عکرمہ بن عمار علی بن زیاد۔ عکرمہ بن عمار کو تو بعض نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے اچھا کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے۔ یعنی واوی چھوڑ دیتا ہے۔ اُس کی وہ حدیث ماننی چاہیے جس کو یہ تصریح یہ کہے کہ میں نے سنا ہے۔

(۱۳) عکرمہ بن عمار علی بن زیاد۔ عکرمہ بن عمار کو تو بعض نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے اچھا کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے۔ یعنی واوی چھوڑ دیتا ہے۔ اُس کی وہ حدیث ماننی چاہیے جس کو یہ تصریح یہ کہے کہ میں نے سنا ہے۔

علی بن زیاد۔ قال الذہبی فی المیزان لا یدری من ہو وقد تکلم فیہ الثوری۔ اس میں کلام کیا ہے۔

قالوا واه یفتی فی مسائل۔ کہا ہے کہ ثوری نے اُس کو

دیکھا کہ بہت مسئلوں میں حکم دیتا تھا اور ان میں خطا کرتا تھا اور ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ بہت زیادہ صرف کرتا تھا اور دیتا تھا۔ تو اس کی حدیث سے حجت نہیں لا سکتے۔
 ہلال بن عمرو مجہول ہے، اس کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا کہ کیسا ہے۔

ویخطی فیہا وقال ابن حبان کان ممن فحش عطاء فلاء تحتج بہ۔
 (صفحہ ۲۶۷)

(۱۵) ہلال بن عمرو مجہول
 (صفحہ ۲۶۲)

شعبہ نے یزید بن ابی زیاد کے حق میں کہا ہے کہ وہ تو یونہی ان حدیثوں کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کر دیتا تھا جس کا رفع ثابت نہیں ہوا اور محمد بن الفضل نے کہا ہے وہ تو شیعوں کا بڑا پیشوا تھا اور احمد بن حنبل نے بھی کہا ہے کہ وہ یاد رکھنے والا نہ تھا اور مرہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث ایسے درجے کی نہیں ہے اور یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابو زرہ نے یہ کہا ہے کہ وہ اس لائق ہے کہ اس کی حدیث لکھی جاوے اور اس کی حدیث سے حجت نہ لانی چاہیے

(۱۶) یزید بن ابی زیاد۔
 قال فیہ شعبۃ کان رقاعا یرفع الاحادیث الی لا تعرف مرفوعہ وقال محمد ابن الفضل کان من کبار ائمة الشیعة وقال احمد بن حنبل لم یکن بالحافظ وقال مرة حدیثہ لیس بذلک وقال یحییٰ بن معین ضعیف قال ابو زرہ لان یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ وقال ابو حاتم لیس بالقوی وقال العرجانی سمعتہم یضعفون

حدیثہ وقال ابن عدی
 ہومن شیعۃ اهل الکوفہ
 ومع ضعفہ یکتب حدیثہ
 رواہ مسلم لکن مقرونا
 بغيرہ وبا لجملة فالأ
 کثرون علی صفہ وقد
 صرح الأئمة بضعف ہذا
 الحدیث قال ابو قدامہ
 سمعت ابا سلمۃ یقول
 فی حدیث یزید عن ابراہیم
 لو حلف عندی خمسین
 یمینا قسامۃ ما صدقته
 (صفحہ ۲۶۵)

ہے کہ میں نے ابو سلمہ سے سنا ہے کہ وہ یزید کی حدیث کو جو
 اس نے ابراہیم سے روایت کی ہے یہ کہتے تھے کہ اگر وہ میرے
 سامنے پچاس مرتبہ اپنے علم پر قسم کھا کر بھی کہے تو میں اس
 کو سچا نہ مانوں۔

عبد الرزاق بن ہام تو شیعہ ہونے میں مشہور تھا اور آخر
 عمر میں اندھا بھی ہو گیا تھا

(۱۷) عبد الرزاق وابی
 قلابہ۔ عبد الرزاق بن
 ہمام کان مشہورا بالتشیع
 وعمی فی اخر وقتہ وقال
 اور ابن عدی نے کہا ہے کہ
 اس نے فضائل میں ایسی حدیثیں
 روایت کی ہیں جو کسی نے
 نہیں کی اور اس کو تو سب نے

ابن عدی حدیث یا حدیث
فی الفضائل لم یوافقہ
علیہا احد ونسبوا الی
التشیع (صفحہ ۲۶۷)

ابو قلابہ ذکیرہ الذہبی
وغیرہ انہ مدلس و فیہ
السفیان و ہو مشہور
بالتدلیس و عنہما ولم
یصرحا بالسماع فلا
تقبل (۲۶۷)

ابو قلابہ کے حق میں ذہبی اور
اوروں نے یہ ذکر کیا ہے کہ
وہ مدلس ہے اور اس حدیث کے
راویوں میں سفیان سے بھی جو
تدلیس میں مشہور ہے اور ان
دونوں نے یہ حدیث عن عن
کر کے روایت کی ہے اور صاف

اپنا سماع نہیں بیان کیا تو نہیں قبول کی جاسکتی۔

ابن لہیعہ کی حدیث کو طبرانی نے یہ کہا ہے کہ یہ صرف
آسی سے مروی ہے اور ہم پہلے

(۱۸) ابن لہیعہ - قال
الطبرانی تفرد بہ ابن
لہیعہ وقد تقدم لنا فی
حدیث علی الذی خرجه
البرانی فی معجمہ الا
وسط ان ابن لہیعہ
ضعیف صفحہ (۲۶۸) -

حضرت علی کی حدیث میں جو
طبرانی نے معجم اوسط میں
روایت کی ہے کہہ چکے ہیں
کہ وہ ضعیف ہے۔

وعبد اللہ بن لہیعہ معروف
الرجال و فیہ عمرو بن
جابر الحضرمی و ہو
اضعف منه وقال احمد بن

عبد اللہ ابن لہیعہ کے ضعیف
ہونے کا حال تو مشہور ہے اور
اس حدیث میں عمرو بن جابر
بھی اس کے ساتھ شریک ہے اور

حنبل روی عن جابر مناکیر وبلغی انه کان یکذب و قال النسائی لیس بثقة قال کان ابن لہیعہ شیخا احق ضعیف العقل و کان یقول علی فی السحاب و کان یجلس معنا فیبصر سحابة فیقول هذا علی قدم فی السحاب (۲۶۶)

وہ اُس سے بھی زیادہ ضعیف ہے اور احمد بن حنبل نے کہا ہے وہ تو بہت منکر حدیثیں جابر سے نقل کرتا ہے اور مجھ کو یہ دریافت ہوا ہے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے اور کہا ہے نسائی نے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ ایک بوڑھا احق آدمی تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ علی مرتضیٰ ابر میں ہیں اور ہمارے پاس بیٹھا تھا، جب ابر کو دیکھتا تو یہ کہتا کہ یہ علی تھے جو ابر میں گئے۔

جس وقت حدیث کے راویوں کی نسبت بحث ہوتی ہے اُس وقت یہ مشکل پیش آتی ہے کہ کسی راوی کو ایک شخص نامعتبر قرار دیتا ہے اور دوسرا اُس کو معتبر سمجھتا ہے، مگر اصول حدیث میں سے یہ قاعدہ مسلم ٹھہرا ہے کہ جرح تعدیل پر مرجع ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی کو معتبر سمجھا ہے اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے اُس میں کچھ نقص نہیں پایا۔ پس گویا اس کی شہادت ایک نفی کی شہادت ہے اور جس نے اُس کو نامعتبر قرار دیا ہے اُس نے اُس میں نقص پایا ہے اور اس لیے اُس کی شہادت ایک مثبت ہے جو منفی پر مقدم ہے۔ پس جو لوگ اُن راویوں کو معتبر قرار دیتے ہیں اُس سے جو جرح کہ اُن پر کی گئی ہے وہ زایل نہیں ہو سکتی اور اس لیے اُن کی بیان کی ہوئی روایت معتبر نہیں ہو سکتی۔

ان راویوں میں سے بعض کی نسبت شیعہ ہونے کی وجہ سے جرح کی گئی ہو، گو ہمارے نزدیک صرف شیعہ ہونا وجہ کافی جرح کی نہ ہو، لیکن ایسے موقع میں جس میں یہ حدیثیں مذکور ہوئی ہیں کوئی حدیث جو کسی فریق کے طرفدار نے اس فریق کے حق میں شہرت دی ہو قابل اعتقاد نہیں ہو سکتی اور اسی وجہ سے ہماری دانست میں وہ حدیثیں جو شیعوں نے بنی فاطمہ و بنی عباس کی نسبت مشہور کی تھیں اعتقاد کے لائق نہیں ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ خود اس زمانے میں بھی جبکہ سب واقعات ہو رہے تھے اور یہ حدیثیں پھیل رہی تھیں ایسے بھی لوگ تھے جو مہدی کے منکر تھے، کیونکہ اس وقت ایک حدیث بنائی گئی کہ جو شخص مہدی کا انکار کرے وہ کافر ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ

عن جابر قال قال رسول الله
صلعم من كذب بالمهدي
فقد كفر و من كذب
بالدجال فقد كذب
(قوايد الاخبار لابن بكر العسكاف)

اگر اس وقت میں منکرین مہدی موجود نہ ہوتے تو اس حدیث کے بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور وہ حدیث یہ ہے: قوايد الاخبار مصنفہ ابی بکر العسکاف میں جابر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی جھٹلاوے مہدی کے ہونے کو وہ کافر ہو گیا اور جو جھٹلاوے دجال کے ہونے کو وہ جھوٹا ہو گیا۔

مگر یہ حدیث بھی محض جھوٹی اور وضعی ہے؛ ابن خلدون نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ یہی وحسب هذا اغلوا والله اعلم بصحة طريقه الى بات کافی ہے کہ یہ نہایت غلو ہے اور خدا ہی اس حدیث کی

مالک ابن انس علی ان صحیح کے طریقے کو مالک
ابی بکر العسکاف عندہم ابن انس تک جانتا ہوگا۔ علاوہ
متہم وضاع (صفحہ ۲۶۱) اس کے یہ بات ہے کہ ابوبکر
العسکاف اہل حدیث کے نزدیک

متہم ہے اور بہت بڑا جھوٹی حدیثیں بنانے والا ہے۔

یہ تمام جھگڑے تو بنی فاطمہ اور بنی عباس کے تھے جو
اپنے تین مستحق خلافت

(۱۹) (زید العینی) عن ابی سعید
الخدری قال سئلنا عن
النبی صلعم فقال ان فی
أمتی المہدی یرج یعیش
خمسا و سبعا و تسعا
فیجئ الیہ الرجل فیقول
یا مہدی اعطنی اعطنی قال
فیحسی لہ فی ثوبہ ما
استطاع ان یحملہ۔

ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، حضرت نے

فرمایا کہ میری امت میں مہدی
ہوگا، وہ خروج کرے گا اور
(ترمذی صفحہ ۳۷۱)
(ومثل هذا فی ابن ماجہ
صفحہ ۷۳۹)

پانچ برس یا سات برس یا نو برس

جیتا رہے گا، پھر اس کے پاس ایک شخص آوے گا اور کہے گا
اے مہدی! مجھے دو، مجھے دو، حضرت نے فرمایا کہ پھر مہدی
اس کو دونوں لپیں بھر کر اس کے کپڑے میں ڈالے گا جس قدر وہ
اٹھا سکے۔“

یہ حدیث تو ترمذی کی ہے اور اسی طرح کی ایک حدیث ابن ماجہ میں ہے اور اس میں بھی آستی کا لفظ ہے، مگر ان دونوں حدیثوں میں زید العمی ایک راوی ہے جو نا معتبر ہے اور ایسی سبب سے یہ حدیث مردود ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ابو حاتم نے اس کے حق میں کہا ہے کہ اس کی حدیث ضعیف ہی لکھ لی جاوے اور سند نہ پکڑی جاوے اور یحییٰ بن معین نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ وہ کچھ چیز نہیں ہے اور مرہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث اور وہ تو ضعیف ہے اور ابو زرہ نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے، واہی حدیثیں کہتا ہے اور ابو حاتم نے بھی یہی کہا ہے وہ تو ایسا نہیں ہے اور شعبہ نے اس سے حدیث روایت کی ہے اور نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔

اس حدیث کی بدولت دنیا میں بڑے بڑے کام ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ بنی فاطمہ ہیں یا بنی عباس صرف آستی ہونے کی دلیل سے مہدیت کا دعویٰ کیا اور کبھی زیادہ اور کبھی کم لوگ ان کے معتقد ہو گئے، یہاں تک کہ ایک فرقہ مہدویہ قائم ہو گیا جن کا اعتقاد یہ ہے کہ مہدی موعود آیا اور گزر گیا۔ شیخ مبارک، ابوالفضل کا باپ بھی مہدویہ فرقے میں سے تھا۔

مگر جبکہ عام لوگوں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے مہدی کا دعویٰ کیا اُن کے آنے سے دنیا میں وہ تبدیلیاں واقع نہیں ہوئیں جن کے ہونے کی وہ توقع کرتے تھے، انہوں نے مہدی موعود کا آنا دنیا کے خاتمہ ہونے کے قریب قرار دیا اور دجال کے پیدا ہونے اور حضرت مسیح کے آسمان پر سے اترنے کے زمانے سے مہدی موعود کے ہونے کا زمانہ ملا دیا اور اسی پر اب عام مسلمانوں کا اعتقاد ہے، مگر ہمارے اس آرٹیکل سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ مہدی کے آنے کی کوئی پیشین گوئی مذہب اسلام میں ہے ہی نہیں، بلکہ وہ سب ایسی ہی جھوٹی روایتیں ہیں جیسے کہ دجال اور مسیح کے آنے کی۔

شیعوں نے اس سے بڑھ کر کام کیا، وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ مہدی پیدا ہوئے، جبکہ وہ دو ڈھائی برس کے ہوئے تو فرشتے اُن کو اُٹھا لے گئے اور ایک غار میں چھپا رکھا۔ گو سینکڑوں برس گزر گئے، مگر وہ اس غار میں زندہ موجود ہیں اور چھپے ہوئے بیٹھے ہیں، جب دنیا اخیر ہونے کو ہوگی تو وہ نکلیں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور اخیر زمانے کے امام اور مہدی ہوں گے۔

امام کے معنی پیشوا کے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اول اول یہ لقب ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس نے اختیار کیا تھا، کیونکہ اُس وقت اُن کو ملک پر کچھ حکومت نہ تھی اور اس لیے خلیفہ یا امیر کا لقب اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ پس بائید آئندہ امام کا لقب اختیار کیا تھا، جب ہی سے پیشوایان دین کو یہ لقب ملنے لگا، چنانچہ دوازدہ امام کا (جن میں سے بارہویں شیعوں کے مذہب کے مطابق امام مہدی ہیں جو غائب ہو گئے ہیں) اسی وجہ سے امام لقب ہوا ہے۔

اسلامی سلطنت کا زوال

سرسید کا ایک نا تمام مضمون - منقول از ”آخری مضامین سرسید“

سرسید نے یہ مضمون اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے لکھنا شروع کیا تھا، مگر اسے مکمل نہ کر سکے اور اس کا مسودہ سرسید کے لٹری اسسٹنٹ مولوی سید وحید الدین سلیم کے پاس نا تمام حالت میں پڑا رہا۔ جب سرسید کے انتقال کے بعد مولانا سلیم نے علی گڑھ سے رسالہ معارف جاری کیا تو انہوں نے اس میں یہ مضمون شائع فرمایا۔ معلوم نہیں کہ سرسید مرحوم اس مضمون میں سلطنت اسلامیہ کے زوال و انشقاق کی تاویح بیان کرنے کے بعد کن خیالات کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ مضمون کی تمہید سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے عروج اور آگے تیز رفتاری کی تاریخ بیان کرنے کے بعد سرسید قوموں کے عروج و زوال کے فلسفے پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے تھے جس کی موت نے انہیں مہلت نہ دی۔ سرسید نے مضمون کا کوئی عنوان قائم نہیں کیا کہ اس ہی سے مضمون کے موضوع کا پتا چلتا۔ سرسید کا قاعدہ تھا کہ مضمون ختم کرنے کے بعد اس کا عنوان لکھا کرتے تھے؛

چونکہ مضمون اُن کی زندگی میں پورا نہیں ہوا، اس لیے
 انہوں نے اس کا کوئی عنوان بھی قائم نہیں کیا۔ عنوان
 میں نے لکھا ہے۔ (محمد اسماعیل ہانی ہتی)

ہر ایک قوم کی ترقی، عروج اور نام آوری کی ایک عمر
 ہوتی ہے، جس طرح کہ ایک انسان کی۔ انسان پیدا ہوتا ہے،
 بڑھتا ہے، جوان ہوتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے اور آخر کو مر جاتا ہے۔
 اس کے بڑھنے، جوان ہونے، اور بڑھا ہونے مرنے کے طبعی اسباب
 ہوتے ہیں جو کسی کے روکے سے رک نہیں سکتے۔ اسی طرح
 ایک وحشی قوم ترقی کرتی ہے، نام آور ہوتی ہے، عروج پر پہنچ
 جاتی ہے، پھر تنزل شروع کرتی ہے۔ بڑھاپا آسے آ جاتا ہے اور
 پھر ایسی گمنام ہو جاتی ہے کہ اس پر موت کا اطلاق ہوتا ہے۔

قوم کا تنزل ایک طبعی امر ہے، جس طرح انسان کا بوڑھا
 ہونا طبعی امر ہے۔ بڑھاپے کے امراض کو لوگ جانتے اور
 پہچانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مرض ہیں، مگر نہ اس کی دوا
 ہو سکتی ہے اور نہ وہ جاسکتے ہیں، کیونکہ وہ طبعی ہوتے ہیں
 اور طبیعت بدلتی نہیں۔ جو لوگ قوم کے خیر خواہ ہوتے ہیں،
 وہ اُن مرضوں کی تشخیص کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُن کا
 علاج ممکن ہے اور نہایت کوشش سے اس کے علاج پر متوجہ
 ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہمارے ہی قصور اور غفلت سے
 یہ مرض لگ گئے ہیں، مگر درحقیقت یہ بات یوں نہیں ہوتی،
 بلکہ قوم کی طبیعت ہی ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ امراض جو
 باعث تنزل ہیں خود قوم کی طبیعت بن جاتے ہیں اور اس لیے
 علاج پذیر نہیں ہوتے۔

عرب کی وحشیانہ حالت سے ترقی کی پہلی سیڑھی تمدنی حالت کی
 طرف مائل ہونا تھی۔ اُن لوگوں نے جو خانہ بدوش پھرتے تھے

مختلف مقامات پر سکونت اختیار کی اور توالد و تناسل سے آبادی کی کثرت ہوتی گئی۔ اُن کے تمدنی تعلقات صرف اسی گروہ میں محدود تھے جو ایک جگہ آباد تھے۔ ہر ایک گروہ دوسرے گروہ سے اس طرح علیحدہ رہتے تھے جیسے مختلف قسم کے جانور کہ باوجود ایک میدان میں رہنے کے ایک دوسرے سے علیحدہ رہتے تھے۔ اس تفرق کا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ ہر ایک گروہ کے لیے جدا جدا نام اور لقب قائم ہوں، تاکہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے ملنے نہ پاوے، ایک گروہ دوسرے گروہ کے معبود کو پسند نہ کرے، بلکہ اپنے اپنے لیے جدا جدا معبود قرار دے۔ ایک دوسرے پر غلبے اور تفوق کی کوشش کرے اور ہر گروہوں میں ہمیشہ جنگ و جدل و بغض و عداوت قائم رہے۔ عرب کی یہی حالت تھی کہ جب اُس نے ترقی شروع کی تھی اور گو یہ سب باتیں ترقی کے موانع میں سے تھیں، لیکن زوال پذیر تھیں، کیونکہ قوت نمو موجود تھی اور وہ ان سب موانع کو دور کر سکتی تھی جیسے کہ ایک بچے کی قوت نمو اُس کے ضعف کو اور اُن امراض کو جو طبعی طور پر بچپن میں لاحق ہوتے ہیں دور کرتی ہے، مگر جب یہی امراض کسی قوم میں ترقی کے بعد لاحق ہوتے ہیں تو زوال پذیر نہیں ہوتے جیسے کہ بچپن کے زمانے کے امراض بڑھاپے میں لاحق ہونے سے جا نہیں سکتے۔

اُن کی قوت نمو کچھ نہ کچھ ان امراض کو دور کرتی جاتی تھی اور وہ ایک دوسرے کے حلیف ہونے لگے تھے، مگر اُن میں ایک ایسی قوت نمو کی ضرورت تھی جو ان سب مرضوں کو دور کر دے۔ وہ زمانہ آیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَاتَّبِعُوْنِیْ“ کل قومیں اس کلمے کی مخالفت میں متحد ہو گئیں اور یہی اتحاد، گو کہ

مخالفت میں تھا ، اُس قوی قوتِ نمو کے پیدا ہونے یا موجود ہونے کی بشارت دیتا تھا ۔ تمام مختلف امراض جو قوموں میں تھے اُس کے مقابل مضمحل ہو گئے یا معدوم یا قریب معدوم ہونے کے پہنچ گئے صرف ایک مرض شدید ” لا نسلم انت رسول اللہ “ کل قوموں میں پھیلا ہوا رہ گیا ۔ تائیدِ الہی اور نصرتِ مہاوی نے ، یا یوں کہو کہ سچ کے طبعی اثر نے یا نمو کی طبعی قوت نے اُس مرض کو دور کیا اور سب نے کہا ” الشہد انت رسول اللہ نتبعک “ دفعۃً تمام موانع ترقی دور ہو گئے ۔ قوتِ نمو اپنی پوری قوت سے اپنا کام کرنے لگی ۔ سب کا معبود ایک ہو گیا ، تمام اختلافات دور ہو گئے ، عداوتیں مٹ گئیں ، آپس کی لڑائیاں موقوف ہو گئیں ، دینی اور دنیاوی سرداری نے ایک مرکز پر قرار پایا اور تفوق کی مخالفانہ خواہشیں جو ایک کو دوسرے کے ساتھ تھیں جاتی رہیں اور ہر خلافِ اُس کے اطاعت و محبت اور اتفاق و ہمدردی میں تفوق حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی ۔ تمام مختلف گروہیں ایک قوم ہو گئیں ۔ قومیت کا اصول جو نسل پر محدود تھا وسیع ہو گیا اور جس نے کہا ” اشہدان لا الہ الا اللہ وان محمد الرسول اللہ “ کسی نسل کا تھا ، اُسی ایک قوم کا ہو گیا ۔ کما قال اللہ تعالیٰ ” انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ۔ “ قوم قوم ہو گئی ، جوانی میں بھر پور ہو گئی ، ترقی اور عروج کے اعلیٰ درجے پر پہنچ گئی ۔ خدا نے بھی اس پر اپنا بڑا احسان جتایا اور فرمایا ” هو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین الف بین قلوبہم لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبہم ولكن اللہ الف بینہم انہ عزیز حکیم “ افسوس کہ جوانی کی عمر صرف

دس برس رہی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ہی وہ امراض شروع ہوئے جو جوانی کی حالت میں شروع ہوتے ہیں اور جوانی کی قوت ان کو دفع کرتی ہے اور اپنی قوت کو قائم رکھتی ہے ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات میں کسی کو کسی کے تفوق کا خیال نہ تھا ، مگر انتقال ہوتے ہی یہ خیال پیدا ہوا ۔ ہم دل سے قبول کر لیں گے کہ وہ خالص اللہ تھا اور دنیاوی کچھ لگاؤ اس میں نہ تھا ، مگر وہ وجود میں آیا ۔ اس کا وجود میں آنا ایک طبعی امر تھا ، مگر قوم کی جوانی بھر پور تھی ، اس نے کچھ زیادہ اثر نہیں کیا ، تھوڑی سی حرارت ہو کر جاتی رہی ، مگر بیماری نے گھر دیکھ لیا ۔

گو اس بیماری نے اس وقت کچھ اثر نہیں کیا ، مگر اس نے پیچھا نہیں چھوڑا ، رفتہ رفتہ اپنا کام کرتی رہی ، چنانچہ حضرت عثمان کی شہادت ، جنگ جمل اور جنگ صفین ، شہادت حضرت علی مرتضیٰ ، ترک خلافت حضرت امام حسن ، شہادت حضرت امام حسین ، حرمین کے واقعات درد آلود ، سب اسی بیماری کے نتائج میں سے تھے ۔

سب سے بڑا نشان قومی تنزل کا حکومت یا سلطنت کا تقسیم ہو جانا ہے ۔ حضرت علی مرتضیٰ اور معاویہ بن ابوسفیان ، امام حسن علیہ السلام نے کمال دانائی و بردباری اور عالی ہمتی اور قومی ہمدردی سے اس کو مٹایا اور ترک خلافت کیا ، مگر حضرت عبداللہ بن زبیر نے حجاز میں مستقل حکومت قائم کرنے سے پھر اس علامت کو تازہ کیا ، مگر تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ عبدالملک ابن مروان نے اس حکومت کو برباد کر دیا ۔ عبداللہ ابن زبیر بھی شہید ہوئے اور پھر کل سلطنت

اسلامیہ کا مدار ایک مرکز پر جمع ہو گیا اور عروج جیسا کہ تھا پھر قائم ہوا۔ گو بنی امیہ کی سلطنت بھی بنی فاطمہ علیہ السلام اور علویوں عباسیوں کے اندیشے سے خالی نہ تھی، مگر وہ ایسی مستحکم تھی کہ ایک زمانے تک کوئی شخص اس کو ہلا نہ سکا۔

مگر عباسی اپنی دھیمی اور دور اندیش اور خاموش تدبیر میں کامیاب ہوئے۔ بنی امیہ کو انہوں نے نکالا اور خود سلطنت حاصل کی، مگر پوری قوت ایک مرکز پر قائم نہ رہی۔ بنی امیہ کے خاندان کا ایک شخص عبدالرحمان اندلس میں جا پہنچا اور وہاں ایک مستقل جداگانہ سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوا اور سلطنت اسلامیہ دو ٹکڑے ہو گئی۔ با ایں ہمہ عباسیوں کے وقت میں مسلمانی سلطنت غایت درجے کمال پر ترقی کر گئی تھی، مگر عیش و عشرت اور مظالم بھی، خصوصاً سادات پر اپنے درجہ کمال پر پہنچ گئے تھے۔ عہد جوانی ختم ہو گیا تھا اور مطابق قانون طبعی کے بڑھاپے کا زمانہ شروع ہونے والا تھا، وہ آ موجود ہوا اور کسی تدبیر سے نہیں رکا۔ سلطنت کے ٹکڑے ہونے شروع ہوئے، پھر ادریس نے ایک مغربی سلطنت قائم کی اور برابرہ اور مغلیہ اور زنا تہ اس کے شریک ہو گئے۔ پھر شیعوں نے خروج شروع کیا اور کتامہ اور صہاجہ کی مدد سے مغرب اور افریقہ میں ایک اور سلطنت قائم کی اور مصر، شام اور حجاز پر بھی قبضہ کر لیا اور ادریسیوں کو بھی برباد کر دیا۔ اب تین مسلمانی سلطنتیں ہو گئیں۔ ایک عباسیوں کی اور دوسری بنی امیہ مجددین کی اندلس میں اور عبیدین کی افریقہ، مصر، شام اور حجاز میں۔

بعد اس کے عباسیوں کی سلطنت کے اور بھی ٹکڑے ہو گئے۔ سامانیوں نے خراسان اور ماوراء النہر میں سلطنت قائم کی،

علوین نے دیلم و طبرستان میں ، یہاں تک کہ انہوں نے عراقین اور بغداد پر بھی قبضہ کر لیا ۔ پھر سلجوق آٹھے اور انہوں نے ان سب کو مار دیا ، مگر پھر ان کی سلطنت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ۔ اسی طرح سلطنت مغاریہ پر جو صہاجہ اور افریقہ میں تھی ۔ بادیس کے عہد میں اس کے چچا عماد نے خروج کیا اور سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے ۔ موحدین کی سلطنت کا بھی جو افریقہ میں تھی یہی حال ہوا ۔ بنو ابی حفص نے خروج کیا ، انہوں نے ملک لیا اور ایک سلطنت قائم کر دی ۔ اسی طرح تمام افریقہ کے ٹکڑے پر جدا جدا سلطنتیں قائم ہو گئیں اور مجموعی طاقت جو مسلمانی سلطنت کی تھی ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو گئی ۔

سلسلۃ الملوک

(ایک عجیب و غریب تاریخی فہرست)

۱۲۶۸ ہجری مطابق ۱۸۵۲ عیسوی میں نہایت کاوش و محنت اور تحقیق و تلاش کے بعد سرسید مرحوم نے ایک نہایت جامع اور مکمل تاریخی فہرست راجگان اندرپت اور شاہان دہلی کی بہت سی نادر کتابوں سے اخذ و انتخاب کر کے مرتب کی جس میں ابتدا سے ۱۸۵۲ء تک کے پانچ ہزار برس کے دہلی میں راج کرنے والے تمام راجاؤں اور بادشاہوں کے نام ، سنہ جلوس ، سنہ وفات اور دیگر ضروری کوائف مہیا کیے اور تیاری کے بعد اس قیمتی فہرست کو دہلی کے مطبع شرف المطابع میں چھپوا کر شائع کیا۔ فہرست بڑی تقطیع کے ۶۹ صفحات پر آئی ، کیونکہ نہایت کھلی کھلی اور خوشخط لکھی ہوئی ہے ، اور جدولوں کی شکل میں ہے ۔

یہ فہرست اگرچہ اس وقت قطعاً نایاب اور نایید ہے ، مگر خوش قسمتی سے اس کا ایک مکمل نسخہ بہت اچھی حالت میں لاہور کی پنجاب پبلک لائبریری میں موجود اور محفوظ ہے ۔ وہاں اس کا نمبر س ۹۵۴۶۰۰۲ ہے ۔ میں بے انتہا ممنون ہوں اپنے محترم دوست مکرمی سردار مسیح صاحب ایم ۔ اے ۔ انچارج شعبہ

مشرقیات پنجاب پبلک لائبریری کا کہ اُن کی عنایت اور مہربانی کی بدولت میں بڑی آسانی سے اس نایاب فہرست کی نقل قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہو سکا۔

ہجری حساب سے یہ تاریخی فہرست آج سے ایک سو بارہ برس پہلے سرسید مرحوم نے مرتب کی تھی، لہذا اس کی عبارت اسی قسم کی ہے جو اُس وقت رائج تھی۔ اُس وقت کی طرز کتابت آج کل نہ روانی کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے، نہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے، اس لیے میں نے ناظرین کی سہولت کے لیے عبارت اور مطلب کو بدلے بغیر اس کو موجودہ رسم الخط میں لکھا ہے۔ امید ہے یہ قابل قدر مضمون تاریخ کے شائقین کو بہت سی موٹی موٹی کتابوں کی ورق گردانی سے مستغنی کر دے گا، کیونکہ اس میں سرسید مرحوم نے دہلی کی تاریخ کے متعلق وہ سب کچھ جمع کر دیا ہے جو بعض مرتبہ بڑی بڑی کتابوں کے دیکھنے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس تاریخی فہرست کے مطالعے سے بیک نظر دہلی کے تمام راجاؤں اور بادشاہوں کی تاریخ آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

بسم الله الرحمن الرحيم

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال
والاکرام والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد
خیر خلقہ وعلی آلہ واصحابہ افضل الصلوٰۃ
واکمل السلام۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی حمد و نعت کے

بعد سید احمد خان بیٹا سید محمد متقی خان بہادر مرحوم اور پوتا جوادالدولہ جواد علی خان بہادر مرحوم اور نواسہ نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خان بہادر مصلح جنگ مغفور کا یہ عرض کرتا ہے کہ جس زمانے میں صاحب والا مناقب، عالی مناصب، عدالت گستر، رعیت پرور، مسٹر آرتھر آسٹن رابرٹس صاحب بہادر دام اقبالہ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ شاہجہان آباد نے کتاب آثار الصنادید کا انگریزی میں ترجمہ شروع کیا اور اس کی نہایت صحت کی تاکید فرمائی تو بسبب اختلاف کتب تواریخ اور غلطی کاتبوں کے ہر امر کی صحت میں کمال دقت اور نہایت کلفت ہوتی تھی اور بسبب نہ مرتب ہونے سلسلہ حکومت بادشاہوں اور راجوں کے اس کتاب کی صحت نہ ہو سکتی تھی، کیونکہ اس کتاب میں اگلے بادشاہوں اور امیروں اور راجاؤں کی بنائی ہوئی عبارتوں کا حال ہے۔ پھر جب تک کہ ان بادشاہوں اور راجاؤں کا حال بصحت معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کتاب کی صحت کیونکر ہو؟ اس واسطے میں نے دہلی کے راجاؤں اور بادشاہوں کی فہرست بنائی جس میں پانچ ہزار برس کے راجاؤں اور بادشاہوں کا حال تھا۔ اتفاق سے وہ فہرست صاحب ممدوح کے ملاحظے سے گزری اور پسند طبع عالی ہوئی۔ اس سبب سے میں نے خیال کیا کہ اگر وہ بطریق اسلوب مرتب ہو جاوے اور ایک کتاب بن جاوے تو نہایت مفید ہو گی اور یہ مختصر کتاب وہ فائدہ دے گی جو بڑی بڑی کتابوں سے بھی حاصل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے اس ارادے کو پورا کیا۔ اور رفتہ رفتہ وہ فہرست ایک کتاب بن گئی اور سلسلۃ الملوک اس کا نام رکھا۔ خدا کرے کہ پسند طبع صاحب ممدوح کے ہو جن کی قدر دانی اور رئیس پروری سے یہ عجیب چیز تالیف ہوئی،

لیکن راجاؤں اور بادشاہوں کا حال بیان کرنے سے پہلے چند باتیں قابل جان لینے کے ہیں۔

پہلی یہ کہ جو شخص ہندوؤں کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کرے اس کو لازم ہے کہ پہلے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے طوفان کی تحقیق بیان کرے کہ وہ کیا تھا اور کیونکر تھا اور کب تھا، کیونکہ ہندو تو زمانے کو قسیم مانتے ہیں اور بہت پرانی پرانی تاریخوں کا ذکر کرتے ہیں اور نہایت پرانے حالات بیان کرتے ہیں اور ہم لوگ اہل کتاب اس بات کے قائل ہیں کہ جو کچھ سلسلہ اب عالم میں ہے وہ سب طوفان نوح کے بعد کا ہے، پھر ہندوؤں کی تاریخ کی صحت کیونکر ہو؟ اس واسطے پہلے طوفان نوح کا حال بیان کرنا چاہیے۔ واضح ہو کہ وہ قومیں جو ”مشبہ بالکتاب“ ہیں (یعنی اگرچہ انہیں پاس اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب بتاتے ہیں، لیکن ہم لوگ اس کو نہیں مانتے) حضرت نوح کے طوفان کے قائل نہیں۔ اور وہ چار قومیں ہیں:

(۱) ایک ہندو جن کی تاریخ ہم بیان کرتے ہیں۔

(۲) دوسری خطا اور چین والے۔

(۳) تیسری مجموعی، یعنی پارسی آگ کے پوجنے والے۔

(۴) چوتھی اگلے زمانے کے ترک۔

اور ان کے سوا ”اہل کتاب“ یعنی وہ قومیں جن پر اللہ نے کتاب نازل کی، وہ سب طوفان نوح کی قائل ہیں اور وہ بھی چار قومیں ہیں:-

(۱) ایک وہ لوگ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے

اگلے نبیوں کی امت میں تھے۔

(۲) دوسری یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت والے۔

(۳) تیسری مسیحی ، حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت والے -

(۴) چھوٹی مسلمان ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت والے -

بعض مجوسیوں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ طوفان تمام عالم میں نہ تھا ، بلکہ صرف بابل اور اُس کے قرب و جوار میں تھا ، اور عقبہ حلوان سے جو مدائن کا ایک شہر عراق عرب میں بغداد اور اصفہان کے بیچ میں ہے ، طوفان نے تجاوز نہیں کیا ۔ اسی سبب سے کیومرث کی اولاد جو مشرق میں رہتی تھی ، طوفان سے بچ گئی ۔ اسی طرح ترک اور چین اور ہند والے بھی کہہ سکتے ہیں ؛ مگر یہ بات بالکل غلط ہے ، کیونکہ توریت مقدس سے ثابت ہوتا ہے کہ طوفان تمام عالم میں تھا ۔ چنانچہ توریت مقدس کے رسالہ پیدائش کے ساتویں باب کے انیسویں درس میں لکھا ہے کہ پانی نے زمین پر بہت سے بہت غلبہ کیا کہ جتنے اونچے پہاڑ آسمان کے نیچے تھے سب چھپ گئے اور اسی باب کے تیسیویں درس میں لکھا ہے کہ خدا نے چاہا کہ تمام کائنات جو زمین پر تھی ، انسان اور چوپایہ اور حشرات اور پرند جانور سب کو زمین پر سے مٹا دے ، صرف حضرت نوح اور جو اُن کے ساتھ کشتی میں تھے بچ گئے ۔

ہندوؤں کی تاریخ جو پانچ ہزار برس سے پہلے کی ہے ، وہ تو ایک افسانہ سا معلوم ہوتا ہے ۔ الا پانچ ہزار برس کی تاریخ جو ہم لکھتے ہیں قریب القیاس اور صحیح معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی اسی پر دلیل ہے کہ طوفان کے بعد جو حال ہے وہ صحیح اور اس سے پہلے کا بطور کہانی ہے ۔ اب یہ بات قابل بیان کے رہ گئی کہ طوفان کو کتنی مدت ہوئی ۔ خاص مسلمانوں کی مذہبی کتابوں

میں طوفان کی مدت کا بیان نہیں ہے ، الا توریت مقدس میں جس کو مسلمان بھی مانتے ہیں عالم کی پیدائش اور طوفان کی مدت کا ذکر ہے ۔ توریت مقدس کی کتابیں جو پائی جاتی ہیں تین ہیں :

- ۱۔ ایک توریت سامریہ جس کو انگریزی میں سارٹین کہتے ہیں ۔
- ۲۔ دوسری اصل عبری ،

۳۔ تیسری یونانی جس کو انگریزی میں سپیتو ایجنٹ کہتے ہیں ۔

ان تینوں توریتوں سے مدت پیدائش عالم اور زمانہ طوفان کا مختلف نکلتا ہے ، مگر تاریخ والے یونانی توریت پر اعتاد کرتے ہیں ، کیونکہ اس توریت کا ترجمہ دو سو ستتر برس پہلے سنہ مسیحی سے بہتر علمائے یہود نے بطلمیوس ثانی کے لیے جو سکندر کے بعد دوسرا بطلمیوس ہے ، کیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد عبری توریت پر یہودیوں کی دشمنی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کے سبب بھروسا نہیں کرتے ۔ اسی سبب ہم نے بھی جو طوفان کی مدت اختیار کی ہے وہ یونانی توریت مقدس کے حساب پر درست ہے ، چنانچہ اس مقام پر ہم ان حسابوں کو بیان کرتے ہیں :

حساب توریت یونانی

نام واقعہ	تعداد زمانہ	کیفیت
ازہبوط آدم تا طوفان	۲۲۴۲	
از طوفان تا ولادت ابراہیم ^۲	۱۰۸۱	
از ولادت ابراہیم تا وفات موسیٰ ^۳	۵۰۴۵	
از وفات موسیٰ تا ظہور بخت نصر	۹۷۹	اس مدت میں سے منجمین دو سو اٹھاس برس کم کرتے ہیں

کیفیت	تعداد زمانہ	نام واقعہ
		از ظہور بخت نصر تا غلبہ
	۴۳۴	سکندر بر دارا
		از زمان سکندر تا ولادت
	۳۰۴	مسیح
		از ولادت حضرت مسیح تا
	۶۳۱	ہجرت
		از ہجرت تا الیوم (۱۸۵۲ء)
	۱۲۳۰	مطابق (۱۲۶۸ھ)
	۷۴۴۶	

اس حساب بموجب طوفان کو پانچ ہزار دو سو چار برس ہوئے، اور ہم نے یہ تاریخ چار ہزار نو سو ستر برس کی لکھی ہے کہ طوفان سے دو سو ستائیس برس بعد کی ہے اور ممکن ہے کہ اس مدت میں حضرت نوح کی اولاد تمام عالم میں منتشر ہو گئی ہو اور ہندوستان میں بھی آ بسی ہو، کیونکہ طوفان کے ایک برس بعد بابل آباد ہوا اور انسان عالم میں منتشر ہونے لگے اور زبانوں کی تبدیلی شروع ہو گئی۔

حساب توریت سامریہ

کیفیت	تعداد زمانہ	نام واقعہ
	۱۳۰۷	از ہبوط آدم تا طوفان
	۹۳۷	از طوفان تا ولادت ابراہیم
	۵۴۵	از ولادت ابراہیم تا وفات موسیٰ
		از وفات موسیٰ تا ولادت

نام واقعہ	تعداد زمانہ	کیفیت
حضرت مسیح	۱۷۱۷	اس مدت میں سے منجمین دو سو آٹھاس برس کم کرتے ہیں
از ولادت حضرت مسیح تا ہجرت	۶۳۱	
از ہجرت تا الیوم (۱۸۵۲ء مطابق ۱۲۶۸ ہجری)	۱۲۳۰	
	۶۳۶۷	

اس حساب بموجب طوفان کو پانچ ہزار ساٹھ برس ہوئے ، مگر اس توریت پر تاریخ والے بھروسہ نہیں کرتے ، کیونکہ اس توریت سے ثابت ہوا کہ ہبوط آدم اور طوفان میں ایک ہزار تین سو سات برس کا فاصلہ ہے ، اور جب طوفان آیا تو عمر حضرت نوح کی بالاتفاق چھ سو برس کی تھی اور حضرت آدم کی عمر بالاتفاق نو سو برس کی ہوئی ، تو اس سے لازم آیا کہ حضرت نوح نے دو سو برس تک حضرت آدم کو دیکھا ہو اور نیز انہی آباؤ اجداد سے ملاقات کی ہو اور یہ نہیں ہوا ۔ اس سبب سے اہل تاریخ نے اس توریت کو چھوڑ دیا ۔

حساب توریت عبری

نام واقعہ	تعداد زمانہ	کیفیت
از ہبوط آدم تا طوفان	۱۶۵۶	
از طوفان تا ولادت حضرت ابراہیم	۲۹۲	
از ولادت ابراہیم تا وفات موسیٰ	۵۴۵	

نام واقعہ	تعداد زمانہ	کیفیت
از وفات موسیٰ تا ولادت مسیح	۱۷۱۷	اس مدت میں سے منجمین دو سو آٹھاس برس کم کرتے ہیں
از ولادت حضرت مسیح تا ہجرت	۶۳۱	
از ہجرت تا الیوم (۱۸۵۲ء)	۱۲۳۰	مطابق ۱۲۶۸ ہجری
	۶۰۷۱	

اس حساب بموجب طوفان کو چار ہزار چار سو پندرہ برس ہوئے ، مگر اس توریت پر بھی تاریخ والے بھروسا نہیں کرتے ، کیونکہ اس توریت بموجب طوفان میں اور ولادت حضرت ابراہیم میں دو سو بانویں برس کا فاصلہ ہے ، اور طوفان کے بعد حضرت نوح بالاتفاق ساڑھے تین سو برس زندہ رہے ۔ اس سے لازم آیا کہ حضرت نوح نے اٹھاون برس تک حضرت ابراہیم سے ملاقات کی ہو ، اور یوں نہیں ہو ، کیونکہ حضرت نوح کے بعد ہود کی آمد ہوئی اور اس کے بعد حضرت صالح کی آمد ہوئی ۔ اس سبب سے اہل تاریخ نے اس توریت کو بھی چھوڑ دیا ۔

علاوہ اس کے یونانی توریت کے اختیار کرنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ کتب بنی اسرائیل میں خبر تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانچ ہزار برس کے بعد چھٹے ہزار برس میں پیدا ہوں گے یہ خبر یونانی توریت کے حساب بموجب صحیح پڑتی ہے ، اور اور توریتوں کا حساب ٹھیک نہیں آتا ، کیونکہ حضرت عیسیٰ کے پیدا ہونے کے بعد یہودیوں نے آپ کی دشمنی سے زمانے کی مدت کو

کم کر دیا ، اس حکمت سے کہ جس زمانے میں جو شخص پیدا ہوا تھا اس سے سو برس پہلے کی پیدائش بیان کی ۔ مثلاً حضرت آدم کی عمر دو سو تیس برس کی تھی جب حضرت شیث پیدا ہوئے ، یہودیوں نے بیان کیا کہ اس زمانے میں حضرت آدم کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی ۔ اسی طرح ہر جگہ کمی کر دی کہ کسی کی عمر میں بھی کمی نہ ہوئی اور زمانے کی مدت کم ہو گئی ۔

جب ایسا کر چکے تو کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰ تو شروع پانچویں ہزار برس میں پیدا ہو گئے ۔ اُن کی خبر تو چھٹے ہزارویں برس میں پیدا ہونے کی تھی ۔

حساب مختار اہل تاریخ انگریزی

سال ماقبل سنہ مسیحی	نام واقعہ	زمانہ مابین الواقعتین	کیفیت
۴۰۰۴	هبوط آدم		
۲۳۴۸	طوفان	۱۶۵۶	موافق توریت عبری
۱۹۹۶	ولادت ابراہیم	۳۵۲	مخالف تینوں توریتوں کے
۱۴۵۱	وفات موسیٰ	۵۴۵	مطابق تینوں توریتوں کے
۷۴۷	بخت نصر	۷۰۴	
۳۳۱	غلبہ سکندر بر دارا	۴۱۶	
۴	ولادت مسیح	۳۲۷	
	شروع سنہ مسیحی	۴	
	از شروع سنہ مسیحی		
	تا الیوم (۱۸۵۲ء)	۱۸۵۲	
		۵۸۵۶	

اس حساب بموجب طوفان کو چار ہزار دو سو برس ہوئے ،
مگر اس حساب پر بھی دو اعتراض ہوتے ہیں :-

(۱) ایک یہ کہ تینوں توریتوں کے برخلاف ہے

(۲) دوسرے یہ کہ اس حساب سے بھی حضرت مسیح کی
ولادت چھٹے ہزارویں برس میں نہیں آتی - اس واسطے اس حساب
کو بھی چھوڑ دیا -

دوسری یہ کہ ہندوؤں کے ہاں مسابھارت کے بعد کوئی
کتاب تصنیف نہیں ہوئی اور اسی سبب سے اگلے راجاؤں کا حال
نہیں پایا جاتا ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں یہ رواج
تھا کہ ہر ایک خاندان کا بھاٹ اور جگہ ہوتا تھا، وہی اس
خاندان کے حال اور نسب سے واقفیت رکھتا تھا اور اس خاندان
کا سلسلہ اپنی پوتھیوں میں لکھ رکھتا تھا اور جو کچھ اور
حادثات ہوتے تھے وہ بھی اسی پوتھی میں داخل ہوتے تھے - یہ
دستور اب تک قائم ہے - ہندوستان کے جتنے قدیم زمیندار اور راجا
ہیں سب کے خاندان کے بھاٹ اور جگہ اب تک موجود ہیں اور
بدستور اس خاندان کا حال اپنی پوتھی میں لکھتے ہیں اور درحقیقت
جو حال اس خاندان کا اس سے معلوم ہوتا ہے اور طرح پر معلوم
ہونا ممکن نہیں اور یہی دستور فارس کے ملک میں تھا ، کیونکہ
شاہنامہ میں جہاں یہ مذکور آتا ہے کہ دہقان کہن سال نے یہ
بات کہی اس سے وہی بھاٹ اور جگہ مراد ہے - جبکہ ہندوستان
کی حکومت ضعیف ہو گئی اور مسلمانوں نے غلبہ پایا تب ان کے
عہد میں ہندوستان کے راجاؤں کا سلسلہ درست کرنا چاہا اور پہلی
پرانی پوتھیاں اور ہنے تلاش ہوئے اور ان سے فارسی میں کچھ

کچھ ترجمہ ہوا۔ ان تاریخ کی کتابوں میں اور ہوتھیوں کے ترجموں میں کئی خرابیاں واقع ہوئیں۔

(۱) ایک یہ کہ مثلاً کسی تاریخ لکھنے والے کو کوئی ہندہ ہوتھی کا بابت کسی ایک خاندان کے نہیں ملا تو اس کتاب میں سے وہ سارے کا سارا خاندان لکھنے سے رہ گیا۔

(۲) دوسری یہ کہ کسی ہوتھی میں کسی راجا کی اولاد کا مذکور تھا، حالانکہ وہ راجا نہیں ہوئے اور مسند حکومت پر نہیں بیٹھے، مگر تاریخ لکھنے والے نے ان سب کا نام سلسلہ حکومت میں داخل کر دیا۔

(۳) تیسری یہ کہ مثلاً کوئی راجا دو یا تین نام سے مشہور ہے، اس کو جدا جدا راجا خیال کر کر اس کا نام لکھ دیا۔

(۴) چوتھی یہ کہ مدت سلطنت میں جس کے اسباب بہت متعدد خیال میں آسکتے ہیں، اختلاف کیا ہے۔ جس نے اپنی کتاب میں سے کوئی خاندان سارے کا سارا حذف کر دیا ہے اس نے تو مدت سلطنت حد سے زیادہ بڑھا دی ہے اور جس نے کچھ نام بڑھا دیے ہیں اس نے مدت گھٹا دی ہے۔ پھر اس پر بھی حساب کرو تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب یقینی غلط ہے اور ان سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ کاتبوں نے ان تاریخوں کو غلط کر دیا ہے کہ ایک کتاب دوسری کتاب سے نہیں ملتی۔ مسلمان بادشاہوں کے عہد میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں یہ عیب ان میں بھی ہے کہ اکثر کاتبوں نے ان کتابوں کو نہایت غلط کر دیا ہے، یہاں تک کہ اگر کتاب کا دوسرے نسخے سے مقابلہ کیا جاوے تو آپس میں بہت تفاوت نکلتا ہے۔ علاوہ اس کے خود تصنیف کرنے والوں نے

بھی اس پر خیال نہیں کیا کہ جو سنہ اور سال ہم لکھتے ہیں وہ وہ حساب کی رو سے بھی ٹھیک آتا ہے یا نہیں۔

ان خرایوں پر خیال کرنے سے آدمی بہت حیران ہو جاتا ہے اور یقین جانتا ہے کہ ہندوؤں کی تاریخ کا درست ہونا نہایت دشوار ہے۔ ہم نے اپنی دانست میں اور اپنے مقدور بھر ان سب باتوں پر خیال کیا اور جہاں تک ہو سکا ان خرایوں کو درست کیا اور جس جگہ ہم نے راجاؤں کی مدت سلطنت اور سال جلوس میں اختلاف پایا، اس کتاب کی بات معتبر جانی کہ جس کی مدت سلطنت اور سال جلوس حساب کی رو سے بھی صحیح آن کر پڑے۔ علاوہ اس کے بعض سنہ ایسے ہیں کہ وہ نہایت مشہور ہیں اور ان میں غلطی کا احتمال نہیں، جیسے سمت بکرماجیت یا ساکھا سالباہن یا سال کلجگ۔ اس کے سوا بعضی ایسی تاریخیں ہیں جو اسی زمانے سے مکانات پر کندہ ہیں جیسیکہ سلطان شہاب الدین غوری کے فتح کرنے کی تاریخ بہ سپہ سالاری قطب الدین ایک مسجد قوت الاسلام کے دروازے پر کندہ ہے۔ اس قسم کے سال اور تاریخ کو ہم نے بطور مرکز کے قرار دیا اور جس حساب سے یہ تاریخیں صحیح نکلیں اسی حساب کو ہم نے صحیح جانا۔

غرضیکہ ہم نے اس تاریخ کے لکھنے میں وہ سعی اور کوشش کی ہے کہ ہماری دانست میں اس سے زیادہ صحت متصور نہیں الا صحت ناموں میں ہم مجبور ہو گئے کہ راجاؤں کے ناموں کی صحت کما حقہ جیسا کہ ہم چاہتے تھے ویسی نہیں ہو سکی۔ علاوہ اس کے اصلی نام اور مشہور نام راجاؤں کے ہم نے اس کتاب میں لکھے ہیں، مگر ہم کو یقین ہے کہ ان ناموں کے سوائے اور بھی

تمام راجاؤں کے مشہور ہوں الا آن کا احاطہ کرنا ایک امر نہایت دشوار ہے ۔

تیسری یہ کہ اس کتاب میں ہندو راجاؤں کی جس قدر مدت سلطنت لکھی ہے وہ سب شمسی حساب سے ہے اور مسلمان بادشاہوں کی مدت سلطنت قمری حساب پر ہے کیونکہ ، تاریخ کی کتابوں میں اسی طور پر لکھا ہے ، مگر امتداد زمانہ سب بحساب شمسی مندرج ہے ۔

چوتھی یہ کہ مؤلف کتاب دستور العمل نے مدت سلطنت راجاؤں کی اب تک پال تنور تک لکھی ہے ۔ اُس میں ماہ اور یوم کی کسرات جو قلیل تھیں چھوڑ دی ہیں اور جو کثیر تھیں پوری کر دی ہیں ۔ ہم نے بھی اسی دستور کو اختیار کیا ، کیونکہ ان راجاؤں کا سلسلہ بلا کسرات بھی درست ہونا مشکل تھا چہ جائیکہ اُس میں حساب مشہور اور ایام کا لکھا جاوے ۔

پانچویں یہ کہ اس بیان پر یہ تفریع ہوتی ہے کہ اگر کوئی سکھ کسی راجا کا ہاتھ آوے اور جس قدر مدت سلطنت اُس راجا کی اس کتاب میں لکھی ہے اُس سے ایک برس زیادہ کا سن اُس سکے میں پڑا ہو تو اس کتاب کی غلطی خیال نہ کریں اور جان لیں کہ یہ ایک سنہ کی زیادتی اسی کسر کی بابت ہے جو واسطے سہولت کے چھوڑ دی گئی ہے ۔

چھٹی یہ کہ اس کتاب میں جن سنوں کا حال مذکور ہے اُن کی تفصیل بقید مطابقت اس مقام پر لکھ دیتے ہیں :

جدول مطابقت سنیں

تعداد سال

۵۲۰۴

نلم سنہ

طوفانی

۳۹۷۷	ساکھا راجا جدہشٹر
۳۹۵۳	سال کل جگ
۲۱۶۵	اسکندری
۱۹۰۹	سمبت بکرماجیت
۱۸۵۲	عیسوی
۱۷۷۳	ساکھا سالباہن
۱۲۶۸	ہجری قمری

ساتویں یہ کہ جن کتابوں سے یہ تاریخ منتخب کی گئی ہے اُنہ کی فہرست اس مقام پر مندرج کرتے ہیں :

- ۱۔ ترجمہ فارسی مہا بھارت
- ۲۔ ترجمہ فارسی بھاگوت
- ۳۔ پوتھی کرگ سنگھتا
- ۴۔ راجا ولی تصنیف ولی
- ۵۔ راجا ولی دیگر جس کے مصنف کا نام بسبب نہ ہونے سرے کے اوراق کے معلوم نہ ہوا ۔
- ۶۔ طبقات اکبری
- ۷۔ منتخب دستورات ہند مسمیٰ بدستور العمل جو کسی شخص نے بطور خلاصہ انتخاب کیا ہے اور فی الجملہ حساب راجاؤں کا آس میں صحیح پایا گیا ۔
- ۸۔ تاریخ فرشتہ ، بادشاہوں کا حال اکثر اسی تاریخ پر مبنی ہے ۔

۹۔ خلاصۃ التواریخ

۱۰۔ مرآۃ آفتاب سما

۱۱۔ آئین اکبری

۱۲۔ جام جم

سلسلہ فرمانروایان دارالملک اندریت و دہلی از ابتدائے
راجا جد ہشتر لغایت ۱۸۵۲ء مطابق ۱۲۶۸ء ہجری

اندریت کے راجاؤں کی جو فہرست ”سلسلۃ الملوک“
میں سر سید نے ۱۸۵۲ء میں مرتب کی تھی ، بعد میں
مزید غور و خوض کے نتیجے میں آپ نے اس میں کچھ
غلطیاں محسوس کیں ، لہذا بہت کاوش ، تحقیق اور
تفتیش کے بعد اس طویل فہرست کی تصحیح کر کے اس
کو ”آثار الصنادید“ کے دوسرے ایڈیشن میں شائع کیا
جو ۱۸۵۴ء میں چھپا ، مگر اس ایڈیشن کی قریباً تمام
کاپیاں مولانا حالی کے قول کے مطابق ۱۸۵۷ء کے غدر
میں تباہ ہو گئیں (حیات جاوید ایڈیشن چہارم صفحہ
۱۱۷) کہیں نہ کہیں سے اس کی ایک کاپی کسی طرح
یہم پہنچا کر منشی رحمت اللہ رعد (کانپور) نے
۱۹۰۴ء میں نہایت نفاست کے ساتھ شائع کی ۔ (یہ
۱۹۰۴ء والا ایڈیشن بھی اب بہت نایاب ہے اور عام
طور سے کہیں نہیں ملتا) اس ایڈیشن میں ہندو راجاؤں
اور مسلمان بادشاہوں کی جو فہرست دی ہے وہ وہی
ہے جو سر سید نے ۱۸۵۴ء میں شائع کی تھی ، لہذا
ہم بھی وہی فہرست آثار الصنادید ۱۹۰۴ء والے
ایڈیشن سے لے کر یہاں درج کرتے ہیں جو نسبتاً زیادہ
صحیح اور درست ہے اور اتفاق سے میرے کتب خانے
میں موجود ہے ۔ یہ فہرست ۱۸۵۲ء میں شائع ہونے
والی فہرست سے قدرے مختلف ہے ، مثلاً ۱۸۵۲ء میں

راجا جد ہشتر کے سال جلوس کی تفصیل اس طرح دی ہے ”۲۲۷ طوفانی - سنہ احد جد ہشتر - ۲۴ سال قبل از شروع کلجگ“ مگر ۱۹۰۴ء کے ایڈیشن میں لکھا ہے ”۱۴۵۰ سال قبل مسیح“ (جو ظاہر ہے کہ نسبتاً بہت زیادہ قریب الفہم اور آسان ہے) اسی طرح ۱۸۵۲ء میں ”امتداد زمانہ“ کا ایک خانہ ہے جو ۱۸۵۴ء کے ایڈیشن میں اڑا دیا گیا ہے - یہ ترمیم اور تصحیح شدہ فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے -

(محمد اسماعیل پانی پتی)

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	تخمیناً سال جلوس قبل حضرت مسیح	دارالسلطنت	تخمیناً مدت سلطنت	حالات
۱	راجا جدھشٹر	راجا پانڈ	۱۳۵۰	ہستنا پور	۳۶ سال	بعد وفات کرشن اوتار کے راجا جدھشٹر نے ریاست چھوڑ کر کوہ ہانچل میں اپنے تین برف میں ڈال کر کالا دیا۔
۲	راجا برہمہت	ابھن بن ارجن بن راجا پانڈ	۱۳۱۳	“	۳۲	راجا جدھشٹر کی اجازت سے مسند پر بیٹھا اور سانپ کے کانٹے سے مر گیا
۳	راجا چنیچہ	راجا برہمہت	۱۳۸۲	“	۳۳	
۴	راجا شتالیکو عرف راجا اشید	راجا چنیچہ	۱۳۳۸	ہستنا پور	۳۳ سال	

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	تختینا سال جلوس قبل حضرت مسیح	دارالسلطنت	تختینا مدت سلطنت	حالات
۵	راجا سہنرا نیک عرف راجا ادھمن اشوری دھج عرف	راجا اشمید	۱۳۱۵	ہستا پور	۳۲ سال	کنگا کے چڑھاؤ سے ہستا پور بہہ کیا اس سبب سے راجا نے پہلے دکن میں کوشکی ندی کے کنارے شہر ہسانا چاہا اور پھر اندریت میں چلا آیا۔
۶	راجا ادھمن اشوری دھج عرف راجا مہاجی اشین کرشن	راجا ادھمن	۱۲۱۳	”	” ۳۶	
۷	راجا مہاجی اشین کرشن	راجا مہاجی	۱۲۴۷	”	” ۳۵	
۸	راجا عرف وان دشٹ وان	اشین کرشن	۱۲۱۲	اول ہستا پور پہلے کوشکی ندی و پہلے اندریت	” ۳۵	

ردیف	نام	محل	تعداد	نوع
۹	راجا چکر عرف اوگر سین	راجا چتر رنه عرف سور سین	۱۱۷۷	دشتروان
۱۰	راجا چتر رنه عرف سور سین	کیرنه	۱۱۴۱	اوگر سین
۱۱	کیرنه	سور سین	۱۱۰۵	سور سین
۱۲	پرشت مان عرف رسی	کیرنه	۱۰۷۳	کیرنه
۱۳	سور سین عرف راجا پرچهل	رسی	۱۰۴۲	رسی
۱۴	راجا سورنه عرف مکه پال	راجا پرچهل	۱۰۱۵	راجا پرچهل
۱۵	راجا نرچک شو عرف نرهردیو	راجا سکهپال	۹۸۷	راجا سکهپال

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	تختینا سال جلوس قبل حضرت مسیح	دارالسلطنت	تختینا مدت سلطنت	حالات
۱۶	سکھی نل عرف سورج رتھ	نرھر دیو	۹۶۴	اندرپت	۱۸ سال	
۱۷	پرپلو عرف راجا بھوپت	سورج رتھ	۹۴۶	”	” ۲۶	
۱۸	راجا سونی بھوپت	بھوپت	۹۲۰	”	” ۲۵	اس راجا نے سونی پت شہر بسایا -
۱۹	راجا میدھاری	راجا سونی	۸۹۵	”	” ۲۳	اسی راجا کا نام دھارا بھی ہم جانتے ہیں جس کی بنائی ہوئی لوہے کی لائٹھ ہے
۲۰	ترپ انجی عرف شرون پتر	میدھاری	۸۷۲	”	” ۲۵	

۱۹	”	۸۴۷	شرون چتر	دور به عرف بهیکم	۲۱
۲۱	”	۸۲۸	راجا بهیکم	راجا نعی عرف بدارته	۲۲
۲۰	”	۸۰۷	راجا بدارته	برهد رته عرف راجا دسوان	۲۳
۳۰	”	۷۸۷	راجا دسوان	سوداس عرف اوف پال	۲۴
۲۳	”	۷۶۷	اوف پال	شتانیک عرف ابهی دهر	۲۵
۱۸	”	۷۴۴	راجا ابهی دهر	در دمن عرف ڈڈ پان	۲۶

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	تقریباً سال جارس قبل حضرت مسیح	دارالسلطنت	تقریباً مدت سلطنت	حالات
۲۷	بھی تر عرف دربل رائے	ڈنڈپان	۷۲۶	الدریت	۱۹ سال	اسی راجا نے پانی پت شہر بسایا
۲۸	ڈنڈ پانی عرف دشت پال	دربل رائے	۷۰۷	”	” ۱۶	
۲۹	راجا نمی عرف کھم پال	دشت پال	۶۹۱	”	۲۶ سال	
۳۰	کشی مک عرف راجا کھمین	کھم پال	۶۶۵	”	” ۲۲	ہسراوہ وزیر نے اسی راجا کو مارا اور گدی پر بیٹھا
۳۱	راجا ہسراوہ		۶۳۳	”	” ۷	
۳۲	سورج سین	ہسراوہ	۶۳۶	”	” ۱۹	

” ۲۳	”	۶۱۷	سورج سین	راجا پیرسہ	۳۳
” ۲۲	”	۵۹۳	برسہ	راجا اینک سہ یا رب سین	۳۴
” ۱۶	”	۵۷۱	راجا اینک سہ	راجا ہرجیت یا پترسال	۳۵
” ۲۰	”	۵۵۵	راجا ہرجیت	راجا دربہ	۳۶
” ۱۳	”	۵۳۵	راجا دربہ	راجا سدھی پال	۳۷
” ۱۹	”	۵۲۲	راجا سدھی پال	راجا پرست	۳۸
” ۱۶	”	۵۰۳	راجا پرست	راجا سنہی	۳۹
” ۱۳	”	۴۸۷	راجا سنہی	راجا امرجودہ	۴۰

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	تختینا سال جلوس قبل حضرت مسیح	دارالسلطنت	تختینا مدت سلطنت	حالات
۴۱	این پال	راجا اس جودہ	۴۷۴	اندپت	۱۲ سال	
۴۲	راجا سروھی	راجا این پال	۴۹۲	”	” ۲۲	
۴۳	راجا پدارتھ	راجا سروھی	۴۴۰	”	” ۱۲	
۴۴	راجا بدھل	راجا پدارتھ	۴۲۸	”	” ۱۵	پیرپاہ راجا نے اس راجا کو مارا اور آپ گدی پر بیٹھا۔
				”	۲۲۰	
				”	” ۱۲	
			۴۱۳	”	۵	
۴۵	راجا پیرپاہ			”	۲۲۰	

۳۶	سار سنگھ	پیریاہ	۳۹۶	”	”	۱۳
۳۷	شترکن	سار سنگھ	۳۸۲	”	”	”
۳۸	مہی پت یا دھن پت	شترکن	۳۷۱	”	”	”
۳۹	مہابل	مہی پت	۳۵۹	”	”	”
۵۰	سروپ دت	مہابل	۳۴۰	”	”	”
۵۱	مترسین	سروپ دت	۳۲۶	دھلی	”	”
۵۲	راجا سکھ وان	راجا مترسین	۳۱۴	”	”	”

شاید اس راجا کے وقت
میں راجا دھلو والی قنوج
کے نام سے اندر پت میں
شہر بسا۔

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	تختیاً سال جلوس قبل حضرت مسیح	دارالسلطنه	تختیاً مدت سلطنت	حالات
۵۳	راجا جیت مل	راجا سکه دان	۳۰۶	دهلی	۱۴ سال	
۵۴	راجا پال سنگه	راجا جیت مل	۲۹۲	”	” ۱۹	
۵۵	راجا کلنی	راجا پال سنگه	۲۷۳	”	” ۱۹	
۵۶	راجا شتر سرون	راجا کلنی	۲۵۴	”	” ۶	
۵۷	راجا جیون جات	راجا شروزون	۲۴۸	”	” ۱۳	
۵۸	راجا پرچیت	راجا جیون جات	۲۳۵	”	” ۸	

دھرتی دھر وزیر نے اس
راجا کو مار ڈالا اور آپ
گدی پر بیٹھا

” ۱۷	”	۲۲۷	راجا پریچھت	راجا پیرسین	۵۹
” ۱۳	”	۲۱۰	راجا پیرسین	راجا اود بت	۶۰
۲۱۶					
” ۱۹	”	۱۹۷	راجا دھرتی دھر	راجا دھرتی دھر	۶۱
” ۲۵	”	۱۷۸		راجا سین دھج	۶۲
” ۱۹	”	۱۵۳	سین دھج	سہی کنگ	۶۳
” ۲۲	”	۱۳۴	سہی کنگ	سہاچودہ	۶۴
” ۱۳	”	۱۱۲	سہاچودہ	پیر ناہ	۶۵
” ۲۱	”	۹۹	پیر ناہ	جیون راج	۶۶

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	تقریباً سال جلوس قبل حضرت مسیح	دارالسلطنت	تقریباً مدت سلطنت	حالات
۶۷	اودی سین	جیون راج	۷۸	دہلی	۱۷ سال	راجا بھگونت کاون کے راجا نے دلی کو فتح کیا ۵۶۱
۶۸	راجا اتند جک	اودی سین	۶۱	”	” ۲۵	راجا بھگونت کاون کے راجا نے دلی کو فتح کیا ۵۶۱
۶۹	راجا راج پال	راجا اتند جک	۳۶	”	” ۱۲ ۵ ۱۷۳	راجا بھگونت کاون کے راجا نے دلی کو فتح کیا ۵۶۱
۷۰	راجا بھگونت کوہی		۲۳	”	” ۱۳	بکرماجیت کی لڑائی میں مارا گیا
۷۱	راجا بکرماجیت	راجا	۱۱ ست ۴۲	اوجین	” ۹۳	جیکہ یہ راجا ساہن کی لڑائی میں مارا گیا ، دلی میں سمندر پال جوگی مسند پر بیٹھا

۲۴	”	۱۱ سمت ۴۲ پ	سنندر پال	راجا سنندر پال جوگ	۷۲
۲۷	”	۷۷۸ سمت ۱۵۹ پ	سنندر پال	راجا چندر پال	۷۳
۲۱	”	۷۱۰۲ سمت ۱۸۶ پ	چندر پال	فی پال	۷۴
۱۴	”	۷۱۲۹ سمت ۲۰۷	فی پال	دیس پال	۷۵
۱۹	”	۷۱۵۰ سمت ۲۲۱	دیس پال	سکه پال	۷۶
۱۸	”	۷۱۶۴ سمت ۲۴۰	سکه پال	گویند پال	۷۷
	”	۷۱۸۳			

تیمبر	نام فرمانروا	نام پدر	تغیباتاً سال جلوس	دارالسلطنت	تغیباتاً مدت	حالات
۷۸	مکه پال	گویند پال	سمت ۲۵۸ ب ۵۲۰۱	دهلی	۲۲ سال	
۷۹	هرچند پال	مکه پال	سمت ۲۸۰ ۵۲۲۳	”	” ۱۳	
۸۰	مهی پال	اسرت پال بن هرچند پال	سمت ۲۹۳ ۵۲۳۶	”	” ۱۵	
۸۱	هرپال	مهی پال	سمت ۳۰۸ ۵۲۵۱	دهلی	۱۳ سال	
۸۲	مدن پال	هرپال	سمت ۳۲۲ ۵۲۶۵	”	” ۱۸	

راجا ملوک چند سے بہترراج
کے راجا نے لڑکر فتح
پائی

۱۵	"	ست ۳۳۰ ۵۲۸۳	مدن پال	کرم پال	۸۳
" ۱۲	"	ست ۳۵۵ ۵۲۹۸	کرم پال	بکرم پال پا کھم پال	۸۴
۲۲۲				ملوک چند	۸۵
" ۲	"	ست ۳۶۷ ۵۳۱۰		بکرم چند	۸۶
" ۱۳	"	ست ۳۶۹ ۵۳۱۲	ملوک چند	بکرم چند	۸۶
" ۴	"	ست ۳۸۲ ۵۳۲۵	بکرم چند	کان چند	۸۷
" ۱۱	۳۵	ست ۳۸۳ ۵۳۲۶	کان چند	رام چند	۸۸

نمبر	نام فرساروا	نام پدر	سال جلوس	دارالسلطنه	مدت سلطنت	حالات
۸۹	دهیر چند	رام چند	ست ۳۹۳ ۵۳۳۷	دهلی	۱۵ سال	
۹۰	کلیان چند	دهیر چند	ست ۳۰۹ ۵۳۵۲	"	" ۱۶	
۹۱	بهیم چند	کلیان چند	ست ۳۲۵ ۵۳۶۸	"	" ۱۲	
۹۲	هرچند	بهیم چند	ست ۳۳۷ ۵۳۸۰	"	" ۱	
۹۳	گوبند چند	هرچند	ست ۳۳۸ ۵۳۸۱	"	" ۱۳	

رانی سری تو لوگوں نے مل کر ہریریم فقیر کو گدی پر بٹھا دیا	۱ ۵۸۵	”	ست ۴۵۱ ۴۳۹۴	زوجہ گوہند چند	رانی بیم دیوی	۹۴
”	۸	”	ست ۴۵۲ ۴۳۹۵	ہر بریم	ہر بریم	۹۵
”	۲۰	”	ست ۴۶۰ ۴۴۰۳	ہر بریم	گوہند بریم	۹۶
”	۱۶	”	ست ۴۸۰ ۴۴۲۳	گوہند بریم	گوہال بریم	۹۷
”	۷	”	ست ۴۹۶ ۴۴۳۹	گوہال بریم	مہاپاتر	۹۸
”	۵۱					

راجا ریاست چھوڑ کر فقیر
ہو گیا، خبر سن کر راجا
دھی سین بنگالے کے راجا
نے دلی پر قبضہ کر لیا

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	سال جلوس	دارالسلطنت	مدت سلطنت	حالات
۹۹	دهی سین		ست ۵۰۳ ۴۳۶	دهلی	۱۸ سال	
۱۰۰	پلاول سین	دهی سین	ست ۵۲۱ ۴۶۳	”	” ۱۲	”
۱۰۱	کنور سین	پلاول سین	ست ۵۳۳ ۴۷۶	”	” ۱۵	”
۱۰۲	مادھو سین	کنور سین	ست ۵۴۸ ۴۹۱	”	” ۱۵	”
۱۰۳	سور سین	مادھو سین	ست ۵۶۳ ۵۰۶	”	” ۶	”

سال	دہلی	ست ۵۶۹	سور سین	بہمن سین	۱۰۴
۵	”	ست ۵۶۱۲	بہمن سین	کان سین	۱۰۵
” ۵	”	ست ۵۶۱۷	کان سین	ہرمین	۱۰۶
” ۹	”	ست ۵۶۱۹	کان سین	ہرمین	۱۰۶
” ۲	”	ست ۵۶۲۲	ہرمین	گجن سین	۱۰۷
” ۲۷	”	ست ۵۶۸۸	گجن سین	نرائن سین	۱۰۸
” ۱۱	”	ست ۵۶۳۱	گجن سین	نرائن سین	۱۰۸
د	”	ست ۵۶۳۳	نرائن سین	دامودر سین	۱۰۹
۱۲۵	”	ست ۶۱۷	نرائن سین	دامودر سین	۱۰۹
۱۲۵	”	ست ۵۶۶۰	نرائن سین	دامودر سین	۱۰۹

بارہ آدمیوں نے ایک سو
پچیس برس حکومت کی،
اخیر کو ارکان ریاست نے
راجا دیب سنگھ کو ہستان
کے راجا سے سازش کر کر
دل میں ہلا لیا

تیمبر	نام فرمانروا	نام پدر	سال جلوس	دارالسلطنت	مدت سلطنت	حالات
۱۱۰	راجا دیب سنگه کوهری	دیپ سنگه	۶۲۸ سمت ۵۵۷	دهلی	۱۷ سال	
۱۱۱	رن سنگه	دیپ سنگه	۶۳۵ سمت ۵۵۸	”	” ۱۳	
۱۱۲	راج سنگه	رن سنگه	۶۵۹ سمت ۵۹۰	”	” ۹	
۱۱۳	شیر سنگه	راج سنگه	۶۶۸ سمت ۶۱۱	”	” ۳۵	
۱۱۴	هر سنگه	شیر سنگه	۷۱۳ سمت ۶۵۶ ۵۳۷	”	” ۱۳	

چھ آدمیوں نے ایک سو
پانچ برس حکومت کی ، آخر
کو ایک ہال تنور نے
دلی پر فتح پائی

۷	”	دہلی	ست ۷۲۶	ہر سنگھ	جیون سنگھ	۱۱۵
۱۰۵	”	دہلی	۷۶۶۹			
۱۰۵	”	دہلی	۵۵۰			
۱۸ سال	”	دہلی	ست ۷۲۳	اوکر سین	ایک ہال تنور	۱۱۶
۹ سال	”	دہلی	۷۶۷۶			
۱ شہر	”	دہلی	۵۵۷			
۱۸ نوم	”	دہلی	ست ۷۵۱	ایک ہال	ہادیو	۱۱۷
۲۱ سال	”	دہلی	۷۶۹۳			
۳ شہر	”	دہلی	۷۷۵			
۲۸ نوم	”	دہلی	ست ۷۷۰	ہادیو	کنک ہال	۱۱۸
	”	دہلی	۷۷۱۳			
	”	دہلی	۷۹۵			

۱ - شہر کے منی مہنتی کے ہیں ، اس لیے یہ عبارت اس طرح بڑھی جانے کی کہ ہادیو نے ۹ برس
ایک ماہ اور ۱۸ دن حکومت کی - آئندہ تمام جگہ سرسید نے اسی طرح راجاؤں اور بادشاہوں کی مدت سلطنت تحریر کی
(محمد اسماعیل ہانی ہقی)

نمبر	نام فورمانروا	نام پدر	تختینا سال جاورس	دارالسلطنت	تختینا مدت	حالات
۱۱۹	پرتهی پال	کنک پال	ست ۷۹۲ ۷۷۳۵ ۵۱۱۷	دہلی	۱۹ سال ۶ شہر ۱۹ یوم	
۱۲۰	جے دیو	پرتهی پال	ست ۸۱۱ ۷۷۵۴ ۵۱۳۷	”	۲۱ سال ۷ شہر ۲۸ یوم	
۱۲۱	ہر پال	جے دیو	ست ۸۳۲ ۷۷۷۵ ۵۱۵۹	”	۱۴ سال ۴ شہر ۹ یوم	
۱۲۲	اودے راج	ہر پال	ست ۸۴۶ ۷۷۸۹ ۵۱۷۳	”	۲۶ سال ۷ شہر ۱۱ یوم	

۱۱ سال	”	ست ۸۷۲	اودے راج	بھراج	۱۳۳
۲ شہر		۵۸۱۶			
۱۳ یوم		۵۲۰۱			
۱۲ سال	”	ست ۸۹۴	بھراج	اکپال	۱۳۴
۳ شہر		۵۸۳۷			
۱۶ یوم		۵۲۲۳			
۲۱ سال	”	ست ۹۱۶	اکپال	رکھ پال	۱۳۵
۶ شہر		۵۸۵۹			
۵ یوم		۵۲۴۵			
۲ سال	”	ست ۹۳۸	رکھ پال	نیک پال	۱۳۶
۲۴ یوم		۵۸۸۱			
		۵۲۶۸			
۱۸ سال	دہلی	ست ۹۴۰	نیک پال	گوپال	۱۳۷
۳ شہر		۵۸۸۳			
۱۵ یوم		۵۲۷۹			

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	سال جلوس	دارالسلطنت	مدت سلطنت	حالات
۱۲۸	سلگھن	گوہال	ست ۹۵۸ ۹۹۰۱ ۵۲۸۹	دہلی	۲۵ سال ۲ شہر ۱۰ یوم	
۱۲۹	جے پال	سلگھن	ست ۹۸۳ ۹۹۲۶ ۵۳۱۴	”	۱۶ سال ۴ شہر ۱۳ یوم	
۱۳۰	کنور پال	جے پال	ست ۱۰۰۰ ۹۹۴۳ ۵۳۳۲	”	۲۹ سال ۹ شہر ۱۱ یوم	
۱۳۱	انیکپال	کنور پال	ست ۱۰۲۹ ۹۹۷۲ ۵۳۶۲	”	۲۹ سال ۶ شہر ۱۸ یوم	

۱۳۲	بچی ہال	انیکہال	ست ۱۰۵۹ ۵۱۰۰۲ ۵۳۹۳	”	۲۴ سال ایک شہر ۶ یوم
۱۳۳	مہی ہال	بچی ہال	ست ۱۰۸۳ ۵۱۰۲۶ ۵۴۱۷	”	۲۵ سال ۲ شہر ۱۳ یوم
۱۳۴	اگر ہال	مہی ہال	ست ۱۱۰۸ ۵۱۰۵۱ ۵۴۴۳	”	۲۱ سال ۲ شہر ۱۵ یوم
۱۳۵	پرنسی راج	اگر ہال	ست ۱۱۲۹ ۵۱۰۷۲ ۵۴۶۵	”	۲۲ سال ۲ شہر ۱۶ یوم ۷
					آخر کو ہیلڈیو چوہان نے افتح ہائی -

نمبر	نام فرمانروا	نام پدر	تخمیناً سال جلوس	دارالسلطنت	تخمیناً مدت	حالات
۱۳۶	یلدیو	ایلدیو	سمت ۱۱۵۲ ۵۱۰۹۵	دہلی	۶ سال ایک شہر ۴ یوم	
۱۳۷	اس کنکو	یلدیو	سمت ۱۱۵۸ ۵۱۱۰۱	”	۵ سال ۲ شہر ۵ یوم	
۱۳۸	کھرپال	اس کنکو	سمت ۱۱۶۳ ۵۱۱۰۶	”	۲۰ سال ایک شہر	
۱۳۹	سیر	کھرپال	۵۵۰۰ سمت ۱۱۸۳ ۵۱۱۲۶	دہلی	۵ یوم ۷ سال ۴ شہر ۲ یوم	
			۵۵۲۰			

جاہرا	سیر	ست	”	سال
۱۴۰	ناک دیو	ست ۱۱۹۵	”	۳ سال
		۱۱۳۸		۴ شہر
		۵۵۲۸		۸ یوم
	جاہرا	ست ۱۱۹۵	”	۳ سال
		۱۱۳۸		ایک شہر
		۵۵۲۳		۵ یوم
۱۴۲	پرتھی راج عرف رائے پتھورا	ست ۱۱۹۸	اجمیر و دہلی	۹ سال
		۱۱۴۱		۵ شہر
		۵۵۳۶		ایک یوم (۱)
				۹۵ سال
				۷ شہر

سلطنت مسلمانوں کے گھرانے میں چلی گئی۔ اگرچہ غور کا بادشاہ غیاث الدین محمد بن سام سلطان شہاب الدین کا بھائی تھا، لیکن سلطان شہاب الدین نے ہندوستان کی فتح خود آپ کی تھی اور اس کو بذاتہ تسلط عظیم تھا، اس لیے سلطان شہاب الدین ہی فتح کی تاریخ سے دلی کے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

نوٹ از طرف مرتب

رائے پتھورا کے مارے جانے کے بعد دہلی کا تخت وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے مختلف خاندانوں کے قبضے میں آتا رہا اور غوری، غلام، خلجی، سادات اور لودھی ایک دوسرے کے بعد اس پر قابض ہوتے رہے، یہاں تک کہ ہندوستان کی سلطنت لودھیوں سے چھن کر مغلوں کے قبضے میں آئی، مگر درمیان میں تھوڑے عرصے کے لیے پٹھان بھی سلطنت دہلی پر قابض رہے، مگر پھر سلطنت مغلوں کے پاس واپس چلی گئی اور مغل سلطنت کا دور دورہ پھر شروع ہو گیا، جس کا خاتمہ ۱۸۵۷ء میں ہوا۔

سرسید نے اپنی کتاب آثارالصنادید اور اپنے مضمون سلسلۃ الملوک میں ہندو راجاؤں کے حالات بیان کرنے کے بعد ان تمام مسلمان بادشاہوں کے حالات بھی قلمبند کیے ہیں جنہوں نے شہاب الدین غوری سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک دہلی کے تخت پر حکومت کی۔ سرسید نے ان تمام مسلم فرمانرواؤں کا حال ۱۳ خانوں میں جدول کے طور پر لکھا ہے جن کے عنوان یہ تھے :

(۱) نمبر (۲) نام فرمانروا (۳) نام پدر (۴) قوم (۵) سال ولادت (۶) سال جلوس (۷) محل جلوس (۸) دارالسلطنت (۹) مدت سلطنت قمری (۱۰) سال وفات (۱۱) مدت عمر (۱۲) مدفن (۱۳) حالات، مگر چونکہ ان ۱۳ خانوں کی تفصیلات صفحے کے چھوٹا ہونے کے لحاظ سے جدول کے طور پر یہاں نہیں آسکتیں، اس لیے مجبوراً میں ان کو مسلسل عبارت میں لکھ رہا ہوں، کیونکہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

(شاہان اسلام)

نمبر ۱۴۳ - شہاب الدین الملقب بہ ابوالمظفر سلطان معزالدین محمد بن بہاء الدین سام - قوم غوری - سال جلوس ۵۵۸۷ مطابق ۱۱۹۱ء موافق سمت ۱۲۴۸ بکرمی - محل فتح - ترائن عرف بلاوری^۱ کنار آب سرستی - دارالسلطنت غزنی - مدت سلطنت پندرہ سال - سال وفات سوم شعبان ۶۰۲ ہجری مطابق ۱۲۰۵ عیسوی - مدفن غزنی اپنی بیٹی کے مقبرے میں (حالات) لاہور سے غزنی جاتے ہوئے رتھک کے مقام پر کھگروں نے مار ڈالا اور غور کی سلطنت پر اُس کا بھتیجا سلطان محمود بیٹھا اور چونکہ قطب الدین اب تک سلطان شہاب الدین کی طرف سے ہندوستان کا سپہ سالار تھا اور اُس نے بہت قوت بہم پہنچائی تھی، اس واسطے سلطان محمود نے ہندوستان کی بادشاہی قطب الدین ایک کو بخش دی اور خط آزادی اور چتر بادشاہی بھیج دیا اور قطب الدین لاہور تک اُس کے استقبال کو گیا -

نمبر ۱۴۴ - سلطان قطب الدین ایک، غلام سلطان شہاب الدین غوری - قوم ترک - سال جلوس روز سہ شنبہ ہجدهم ذی قعدہ ۵۶۰۲ مطابق ۱۲۰۵ء - محل جلوس - لاہور - دارالسلطنت دہلی قلعہ رائے پتھورا - مدت سلطنت ۴ سال چند ماہ - سال وفات ۵۶۰۷ء مطابق ۱۲۱۰ء مدفن لاہور (حالات) لاہور میں ہر وقت چوگان بازی کے گھوڑے سے گر کر مر گیا - امراء نے اُس کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا -

نمبر ۱۴۵ - آرام شاہ بن قطب الدین ایک قوم ترک - سال جلوس ۵۶۰۷ء مطابق ۱۲۱۰ء محل جلوس لاہور - دارالسلطنت دہلی

۱ - آج کل اس قصبے کا نام تراوڑی ہے اور یہ ضلع کرنال (بھارت) میں واقع ہے - (محمد اسماعیل ہانی ہتی)

قلعہ رائے پتھورا مدت سلطنت - چند ماہ (حالات) امیر علی اسمعیل سپہ سالار اور امیر داؤد دیلمی نے اس بادشاہ کی حرکتوں سے ناراض ہو کر سلطان شمس الدین التمش کو جو بداؤں کا حاکم تھا - دلی میں بلا لیا - اور آرام شاہ سے لڑائی ہوئی اور آرام شاہ نے شکست کھائی اور سلطان التمش تخت پر بیٹھا -

نمبر ۱۴۶ - سلطان شمس الدین التمش غلام و داماد قطب الدین ایبک بن ایلم خان - قوم ، ترک - سال جلوس ۶۰۷ ہجری مطابق ۱۲۱۰ عیسوی ، محل جلوس - قلعہ رائے پتھورا ، دارالسلطنت - دہلی ، مدت سلطنت ، ۲۶ سال ، سال وفات بسم شعبان ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء ، مدفن ، قلعہ رائے پتھورا عقب مسجد قوت الاسلام (حالات) بیمار ہو کر مر گیا -

نمبر ۱۴۷ - رکن الدین فیروز شاہ بن شمس الدین التمش - قوم - ترک ، سال جلوس - روز سہ شنبہ ماہ شعبان ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء - محل جلوس - قلعہ رائے پتھورا ، دارالسلطنت - دہلی ، مدت سلطنت ۶ ماہ ۲۸ یوم ، سال وفات ۶۳۵ھ مطابق ۱۲۳۷ء مدفن - ملک پور (حالات) ملک اعزاز الدین حاکم ملتان کی تنبیہ کو پنجاب کی طرف روانہ ہوا - اس کے پیچھے امراء نے سلطانہ رضیہ کو تخت پر بٹھایا - بادشاہ یہ خبر سن کر دلی میں آیا اور کیلو کھڑکی کے میدان میں لڑائی ہوئی ، اسی لڑائی میں پکڑا گیا اور قید میں مر گیا -

۱- تاریخ فرشتہ میں سلطان شمس الدین کا تخت پر بیٹھنا ۶۰۷ھ میں لکھا ہے اور خلاصۃ التواریخ میں ۶۰۹ھ میں اور تاریخ فرشتہ میں مدت سلطنت چھبیس برس اور خلاصۃ التواریخ میں اٹھائیس برس مندرج ہے - دونوں تاریخوں میں تین برس کا اختلاف ہے - اس سبب سے سال جلوس رکن الدین فیروز شاہ کا بموجب تاریخ فرشتہ کے ۶۳۳ھ میں اور بموجب خلاصۃ التواریخ کے ۶۳۶ھ میں آیا ہے - اور یہ اختلاف اخیر تک چلا جاتا ہے -

۱۴۸ - رضیہ سلطان بیگم بنت شمس الدین التمش ، قوم - ترک - سال جلوس ۶۳۴ ہجری مطابق ۱۲۳۶ عیسوی - محل جلوس قلعہ رائے پتھورا - دارالسلطنت - دہلی ، مدت سلطنت - ۳ سال ۶ شہر ۶ یوم - سال وفات پچیسویں ربیع الاول ۶۳۸ ھ مطابق ۱۲۴۰ء - مدفن - شاہجہان آباد - محلہ بلبلی خانہ - گذر ترکان (حالات) جبکہ ملک التونیہ بٹھنڈہ کے حاکم سے لڑائی ہو رہی تھی - اس وقت امراء نے مخالفت کر کر سلطان رضیہ کو قلعہ بٹھنڈہ میں قید کیا - اور دلی میں بہرام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا - بعد اس کے سلطان رضیہ نے ملک التونیہ سے نکاح کر لیا اور بہرام شاہ سے دو مرتبہ لڑی - آخر کو ماری گئی -

نمبر ۱۴۹ - معزالدین بہرام شاہ بن شمس الدین التمش قوم - ترک - سال جلوس روز سہ شنبہ بست و ہشتم رمضان ۶۳۷ ھ مطابق ۱۲۳۹ء محل جلوس قلعہ رائے پتھورا - دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت ۲ سال ایک ماہ ۱۰ یوم - سال وفات ہشتم ذی قعدہ روز شنبہ ۶۳۹ ھ مطابق ۱۲۴۱ء - مدفن - ملک پور (حالات) نظام الملک مہذب الدین اور امراء نے مخالفت کر کر بادشاہ کو دلی میں محصور کیا اور تین مہینے تک ہر روز لڑائی رہی آخر کار بادشاہ کو پکڑ کر مار ڈالا اور ملک معزالدین بلبن امیرالامراء تخت پر بیٹھ گیا - مگر اور امراء اس کی بادشاہت پر راضی نہ ہوئے اور علاء الدین کو جو قصر سفید میں قید تھا بادشاہ کیا -

نمبر ۱۵۰ - سلطان علاء الدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ - قوم - ترک - سال جلوس ذی قعدہ ۶۳۹ ھ مطابق ۱۲۴۱ء محل جلوس - قلعہ رائے پتھورا - دارالسلطنت - دہلی - مدت سلطنت ۴ سال ایک ماہ ایک یوم - سال وفات ۶۴۴ ھ مطابق ۱۲۴۶ء - (حالات) اس بادشاہ کے ظلم سے امراء ناراض ہوئے اور سلطان

ناصر الدین کو بھرائی سے بلا کر بادشاہ کیا اور ۲۶ محرم ۶۴۴ھ مطابق ۱۲۴۶ عیسوی میں علاء الدین کو قید کر لیا کہ اسی زمانے میں قید میں مر گیا۔

نمبر ۱۵۱۔ سلطان ناصر الدین محمود شاہ بن شمس الدین التمش۔ قوم ترک۔ سال جلوس۔ ذی الحجہ ۶۴۳ھ مطابق ۱۲۴۵ء محل جلوس۔ قصر سفید قلعہ رائے پتھورا۔ دارالسلطنت۔ دہلی۔ مدت سلطنت ۲۰ سال چند ماہ۔ سال وفات یازدہم جادی الاول ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء۔ مدفن۔ دہلی (حالات) بیمار ہو کر مر گیا اور چونکہ کوئی وارث نہ تھا۔ امراء نے الغ خان کو بادشاہ کر لیا۔

نمبر ۱۵۲۔ الغ خان الملقب بہ سلطان بلبن غیاث الدین۔ غلام شمس الدین التمش۔ قوم ترک۔ سال ولادت ۶۰۵ ہجری مطابق ۱۲۰۸ء۔ سال جلوس۔ جادی الاول ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء۔ محل جلوس۔ قصر سفید قلعہ رائے پتھورا۔ دارالسلطنت۔ دہلی۔ مدت سلطنت ۲۱ سال چند ماہ۔ سال وفات ۶۸۶ھ مطابق ۱۲۸۷ء۔ مدت عمر ۸۰ سال۔ مدفن دہلی (حالات) بیمار ہو کر مر گیا اور ملک فخرالدین کوتوال اور اور امراء نے آپس میں صلاح کر کر معز الدین کی قیاد کو بادشاہ کیا۔

نمبر ۱۵۳۔ معز الدین کیفیاد بن ناصر الدین بغرا خان بن غیاث الدین بلبن۔ قوم ترک۔ سال ولادت ۶۶۷ھ مطابق ۱۲۶۸ء۔ سال جلوس ۶۸۶ھ مطابق ۱۲۸۷ء۔ محل جلوس قلعہ رائے پتھورا۔ دارالسلطنت۔ قصر دہلی کیلوکھری۔ مدت سلطنت ۲ سال چند ماہ۔ سال وفات۔ جادی الآخر ۶۸۹ھ مطابق ۱۲۹۰ء۔ مدت عمر۔ ۲۰ سال (حالات) بادشاہ کو فالج ہو گیا۔ اس سبب سے امراء نے کیومرث آس کے بیٹے کو سلطان شمس الدین کا لقب دے کر

محرم ۶۸۹ھ مطابق ۱۲۹۰ء میں تخت پر بٹھایا۔ مگر امرائے خلجی نے مخالفت کی اور کیومرث کو بہادر پور میں پکڑ کر لے گئے اور بادشاہ کو لاتوں سے مار ڈالا۔ اور ملک جلال الدین خلجی تخت پر بیٹھا۔ تیرہ آدمیوں نے ترکوں میں سے جو سلاطین غوریہ کے غلاموں میں سے تھے سو برس تک بادشاہی کی۔ بعد اس کے سلطنت خاندان خلجیوں میں چلی گئی۔

نمبر ۱۵۴۔ جلال الدین فیروز شاہ خلجی بن یغرش۔ قوم۔ خلجی ترک۔ سال ولادت۔ ۶۱۸ھ مطابق ۱۲۲۱ء سال جلوس۔ جادی الآخرہ ۶۸۹ھ مطابق ۱۲۹۰ء۔ محل جلوس۔ کیلوکھری۔ دارالسلطنت۔ دہلی۔ مدت سلطنت۔ ۶ سال چند ماہ۔ سال وفات ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۵ء۔ مدت عمر ۷۷ سال (حالات) ملک علاء الدین نے دغا سے بادشاہ کو کڑھ مانک پور میں بلایا اور جب بادشاہ کشتی میں سے اترتا تھا۔ اُس وقت اُس کو تلوار مار کر مار ڈالا۔ جب یہ خبر دلی میں پہنچی تو ملکہ جہان بادشاہ کی بی بی نے رکن الدین اپنے چھوٹے بیٹے کو تخت پر بٹھایا۔

نمبر ۱۵۵۔ رکن الدین ابراہیم شاہ بن جلال الدین فیروز شاہ قوم۔ خلجی۔ سال جلوس۔ رمضان ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۵ء۔ محل جلوس۔ کوشک سبز۔ دارالسلطنت۔ دہلی۔ مدت سلطنت۔ ۴ ماہ۔ (حالات) سلطان علاء الدین سے لڑ کر بھاگ گیا۔ اور سلطان علاء الدین دلی کے تخت پر بیٹھ گیا۔

نمبر ۱۵۶۔ سلطان علاء الدین بن شہاب الدین مسعود۔ قوم خلجی۔ سال جلوس۔ بست و دوم ذی الحجہ ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۵ء۔ محل جلوس۔ قلعہ رائے پتھورا۔ دارالسلطنت۔ دہلی قلعہ سیزی۔ مدت سلطنت ۱۹ سال چند ماہ سال وفات شب ششم ماہ شوال ۷۱۵ھ مطابق ۱۳۱۵ء۔ مدفن۔ قلعہ رائے پتھورا۔ عقب مسجد قوت الاسلام

(حالات) بیمار ہو کر مر گیا۔ امراء نے باہم صلاح کر کے شہاب الدین کو تخت پر بٹھایا۔

نمبر ۱۵۷۔ شہاب الدین عمر بن سلطان علاء الدین۔ قوم۔ خلجی۔ سال ولادت ۷۰۹ھ مطابق ۱۳۰۹ء۔ سال جلوس۔ ہفتم شوال ۷۱۵ھ مطابق ۱۳۱۵ء۔ محل جلوس۔ قلعہ علائی۔ دارالسلطنت۔ دہلی۔ مدت سلطنت۔ ۳ ماہ چند یوم (حالات) مبارک خان ایک تدبیر سے ملک نائب مدارالمہام سلطنت کو مروا کر آپ نائب السلطنت ہوا اور چند روز بعد بادشاہ کو پکڑ کر اندھا کر دیا۔ اور گوالیار کے قلعے میں قید کیا اور آپ بادشاہ ہوا۔

نمبر ۱۵۸۔ قطب الدین مبارک شاہ بن سلطان علاء الدین۔ قوم۔ خلجی۔ سال ولادت۔ محرم ۷۱۶ھ مطابق ۱۳۱۶ء محل جلوس۔ قلعہ علائی۔ دارالسلطنت۔ دہلی۔ مدت سلطنت۔ ۵ سال ایک ماہ ۲۷ یوم۔ سال وفات۔ شب پنجم ربیع الاول ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ء (حالات) جاہر بیگ نے بسازش خسرو خاں کے بادشاہ کو قصر ہزار ستون میں مارا اور خسرو خاں تخت پر بیٹھا۔

نمبر ۱۵۹۔ حسن خاں الملقب بہ سلطان ناصر الدین خسرو خاں قوم۔ بروار۔ سال جلوس ربیع الاول ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ء۔ محل جلوس۔ قلعہ علائی۔ قصر ہزار ستون۔ دارالسلطنت۔ دہلی۔ مدت سلطنت ۴ ماہ چند یوم۔ سال وفات آخر ماہ رجب ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ء (حالات) غازی الملک تغلق شاہ و سال پور کے حاکم نے خسرو خاں پر فوج کشی کی اور خسرو خاں حوض علائی کے کنارے پر نکلا اور میدان اندر پت میں لڑائی ہوئی اور خسرو خاں بھاگ کر تل پت میں چھپا۔ آخر کار پکڑا جا کر مارا گیا اور تغلق شاہ بادشاہ ہوا۔

نمبر ۱۶۰۔ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ بن ملک تغلق۔

قوم - ترک - سال جلوس - غرہ شعبان ۵۷۲۱ مطابق ۱۳۲۱ء محل
جلوس - قلعہ علائی - قلعہ تغلق آباد - مدت سلطنت - ۴ سال چند ماہ
سال وفات - ربیع الاول ۵۷۲۵ء مطابق ۱۳۲۴ء - مدفن - تغلق آباد
(حالات) الخ خاں اس کے بیٹے نے قریب افغان پور کے ایک محل
بنایا تھا - اُس میں بادشاہ کھانا کھا رہا تھا کہ مکان گر پڑا اور
بادشاہ دب کر مر گیا - اُس کا بیٹا تخت پر بیٹھا -

نمبر ۱۶۱ - سلطان محمد عادل تغلق شاہ بن غیاث الدین تغلق
شاہ - قوم - ترک - سال جلوس - ربیع الاول ۵۷۲۵ء مطابق ۱۳۲۴ء
محل جلوس - تغلق آباد - دارالسلطنت - شہر دہلی بعدہ دولت آباد
وباز دہلی - مدت سلطنت ۲۷ سال - سال وفات بست ویکم محرم
۵۷۵۲ء مطابق ۱۳۵۱ء - مدفن - تغلق آباد (حالات) سفر ٹھٹھہ میں
بیمار ہو کر ٹھٹھہ سے چودہ کوس ورے رود سندھ کے کنارے پر
مر گیا -

نمبر ۱۶۲ - فیروز شاہ بن سالار رجب برادر خورد تغلق شاہ
قوم - ترک - سال ولادت ۵۶۹۹ء مطابق ۱۲۹۸ء - سال جلوس -
بست و سوم محرم ۵۷۵۲ء مطابق ۱۳۵۱ء - محل جلوس - سبھوان -
دارالسلطنت - شہر دہلی فیروز آباد - مدت سلطنت ۳۸ سال ۷ ماہ
۲۰ یوم - سال وفات سیزدہم رمضان ۵۷۹۰ء مطابق ۱۳۸۸ء - مدت عمر -
۹۱ سال - مدفن حوض خاص (حالات) احمد ایاز المخاطب بہ خواجہ
جہاں نے دلی میں غیاث الدین محمد کو تخت پر بٹھایا تھا کہ فیروز شاہ
نے آٹھا دیا - بعد چند مدت کے فیروز شاہ نے اپنے جیتے جی شاہزادہ
فتح خاں کو تخت پر بٹھایا اور سکھ اور خطبہ اس کے نام پر کر دیا
اور جب وہ مر گیا تو محمد خاں کو ناصر الدین محمد شاہ خطاب دے
کر تخت پر بٹھایا - مگر امراء نے اُس سے مخالفت کی اور لڑ کر
کوہ سرمور کی طرف بھگا دیا اور تغلق شاہ کو تخت پر بٹھایا -

اور اسی عرصے میں فیروز شاہ مر گیا۔ اور تغلق شاہ مستقل بادشاہ ہوا۔

غیاث الدین محمد بن تغلق شاہ۔ سال جلوس ۵۷۲ھ مطابق ۱۳۵۱ء۔

شاہزادہ فتح خاں بن فیروز شاہ۔ سال جلوس ۵۷۰ھ مطابق ۱۳۵۹ء۔

ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز شاہ سال ولادت ۵۷۳ھ مطابق ۱۳۵۲ء۔ سال جلوس ۵۸۹ھ مطابق ۱۳۸۷ عیسوی۔

نمبر ۱۶۳۔ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ ثانی بن شاہزادہ فتح خان قوم۔ ترک۔ سال جلوس۔ ۵۹۰ھ مطابق ۱۳۸۸ء۔ محل جلوس: فیروز آباد۔ دارالسلطنت: دہلی۔ مدت سلطنت: ۵ ماہ ۸ یوم۔ سال وفات۔ بست و یکم صفر ۵۹۱ھ مطابق ۱۳۸۸ء (حالات) ملک زکن الدین وزیر نے اس بادشاہ کو مار ڈالا اور ابوبکر شاہ کو تخت پر بٹھایا۔

نمبر ۱۶۴۔ ابوبکر شاہ بن ظفر خان بن فیروز شاہ۔ قوم: ترک۔ سال جلوس: صفر ۵۹۱ھ مطابق ۱۳۸۸ء۔ محل جلوس فیروز آباد۔ دارالسلطنت۔ دہلی۔ مدت سلطنت۔ ایک سال چھ ماہ چند یوم سال وفات۔ بستم ذی الحجہ ۵۹۲ھ مطابق ۱۳۸۹ء (حالات) یہ بادشاہ امراء کو اپنے سے مخالف دیکھ کر اور ناصر الدین محمد شاہ کے آنے کی خبر سن کر میوات میں چلا گیا اور ناصر الدین محمد شاہ دلی میں آکر تخت پر بیٹھ گیا۔ اور بعد لڑائیوں کے ابوبکر شاہ کو پکڑ کر قلعہ میرٹھ میں قید کیا کہ وہیں مر گیا۔

نمبر ۱۶۵۔ ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز شاہ۔ قوم۔ ترک۔ سال ولادت۔ روز دوشنبہ سوم جادی الاول ۵۷۳ھ مطابق ۱۳۵۱ء سال جلوس۔ نوزدھم رمضان ۵۹۲ھ مطابق ۱۳۸۹ء۔ محل جلوس۔

فیروز آباد - دارالسلطنت - دہلی - مدت سلطنت - ۳ سال ۵ ماہ چند
یوم - سال وفات - ہفتدہم ربیع الاول ۵۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۳ء -
مدت عمر ۳۳ سال - مدفن - حوض خاص (حالات) بیمار ہو کر
جالیسر میں مر گیا - ہایوں خان سکندر اس کا بیٹا بادشاہ ہوا -

نمبر ۱۶۶ - علاء الدین سکندر شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ -
قوم - ترک - سال جلوس نوزدہم ربیع الاول ۵۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۳ء -
محل جلوس - فیروز آباد - دارالسلطنت - دہلی - مدت سلطنت - ایک
ماہ چند یوم - سال وفات ربیع الثانی ۵۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۳ء - مدفن -
حوض خاص (حالات) بیمار ہو کر مر گیا - بعد اس کے پندرہ روز
تک امراء میں گفتگو رہی کہ کس کو بادشاہ کریں - آخر محمود
شاہ کو تخت پر بٹھایا -

نمبر ۱۶۷ - ناصر الدین محمود شاہ - بن ناصر الدین محمد شاہ - قوم -
ترک - سال جلوس - جادی الاول ۵۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۳ء - محل جلوس -
فیروز آباد - دارالسلطنت - دہلی - مدت سلطنت - ۱۹ سال ۸ ماہ چند
یوم - سال وفات - ذی قعدہ ۵۸۱۵ھ مطابق ۱۴۱۲ء (حالات)
اس بادشاہ کی سلطنت میں نہایت تزلزل رہا - سعادت خان نے
نصرت شاہ کو فیروز آباد میں تخت پر بٹھا دیا تھا اور پھر اقبال
خان فیروز آباد پر قابض ہو گیا اور کبھی یہ بادشاہ بھاگ گیا اور
کبھی پھر آ گیا - اور اسی درمیان میں امیر تیمور بھی دلی میں آیا -
آخر کو یہ بادشاہ بیمار ہو کر کیتھل سے مراجعت کرتے وقت
مر گیا - امراء نے دولت خان کو بادشاہ کیا -

(نصرت شاہ اقبال خان اور امیر تیمور کے کوائف یہ ہیں) -

(۱) ناصر الدین نصرت شاہ بن شاہزادہ فتح خان بن فیروز شاہ
سال جلوس - ۵۷۹۷ھ مطابق ۱۳۹۴ء ۵۸۰۱ھ مطابق ۱۳۹۸ء شہر
فیروز آباد -

(۲) اقبال خان عرف ملو پٹھان سال جلوس ۸۰۰ھ مطابق ۱۳۹۷ء تا ۸۰۲ھ مطابق ۱۳۹۹ء کوشک سیزی -

(۳) امیر تیمور بن امیر طراغان چغتائی - سال ولادت - شب
سہ شنبہ بست و ہفتم شعبان ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۵ء - سال جلوس -
جادی الاول ۸۰۱ھ مطابق ۱۳۹۸ء - دہلی میں پندرہ دن تک رہا -
اور شب چہار شنبہ ہفتم شعبان ۸۰۷ھ مطابق ۱۴۰۵ء کو
۷۱ سال ۱۱ ماہ ۲۰ یوم کی عمر میں وفات پائی اور سمرقند میں
دفن ہوا -

نمبر ۱۶۸ - دولت خان لودھی - سال جلوس محرم ۷۱۶ھ
مطابق ۱۴۱۳ء محل جلوس کوشک سیزی - دارالسلطنت دہلی
مدت سلطنت ایک سال ۲ ماہ چند یوم - سال وفات ۸۱۷ھ
مطابق ۱۴۱۴ء (حالات) خضر خان نے دلی پر فوج کشی
کی اور دولت خان کو شک سیر میں محصور ہوا - آخر کار
خضر خان کے پاس چلا آیا اور اس نے فیروز آباد میں قید کیا
اور وہیں مر گیا -

نمبر ۱۶۹ - خضر خان بن ملک سلیمان - قوم سید - سال جلوس
ہانزدہم ربیع الاول ۸۱۷ھ مطابق ۱۴۱۴ء - محل جلوس
کوشک سیزی - دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت ۷ سال دو ماہ دو
یوم - سال وفات ہفت دہم جادی الاولیٰ ۸۲۴ھ مطابق ۱۴۲۱ء
مدفن دہلی (حالات) اڑوے میں بیمار ہو کر دلی میں آیا اور
اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا -

نمبر ۱۷۰ - معزالدین ابوالفتح مبارک شاہ بن خضر خان -
سید - سال جلوس ہفت دہم جادی الاولیٰ ۸۲۴ھ مطابق ۱۴۲۱ء
محل جلوس کوشک سیزی - دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت ۱۳ سال
ایک ماہ چند یوم - سال وفات نہم رجب ۸۳۷ھ مطابق ۱۴۳۳ء

مدفن دہلی - مبارک پور کوئلہ (حالات) قلعہ مبارک آباد میں جو اس بادشاہ نے دریا کے کنارے پر بنایا تھا - میران صدر اور قاضی عبدالصمد نے اس بادشاہ کو مار ڈالا - اور سرور الملک وزیر کو خبر کی - اس نے صلاح کر کر محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا -

نمبر ۱۷۱ - سلطان محمد شاہ بن فرید خان بن خضر خان - سید سال جلوس ۸۸۳ھ مطابق ۱۴۳۳ء محل جلوس کوشک سیزی - دارالسلطنت دہلی مدت سلطنت ۱۲ سال چند ماہ - سال وفات ۸۸۹ھ مطابق ۱۴۳۵ء - مدفن دہلی مقبرہ صفدر جنگ در سواد موضع خیر پور (حالات) بیمار ہو کر مر گیا اور اس کا بیٹا بادشاہ ہوا -

نمبر ۱۷۲ - سلطان علاء الدین عالم شاہ بن محمد شاہ - سید - سال جلوس ۸۸۹ھ مطابق ۱۴۳۵ء محل جلوس کوشک سیزی دارالسلطنت دہلی مدت سلطنت ۶ سال چند ماہ - سال وفات ۸۸۳ھ مطابق ۱۴۷۸ء حالات - بادشاہ بدائیوں میں جا پڑا اور ملک بھلول لودھی دلی پر قابض ہو کر تخت پر بیٹھا -

نمبر ۱۷۳ - سلطان بھلول لودھی بن ملک کالا - سال جلوس ہفت دھم ربیع الاول ۸۵۵ھ مطابق ۱۴۵۱ء محل جلوس کوشک سیزی دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت ۳۸ سال ۸ ماہ ۷ یوم - سال وفات ۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۸ء مدفن دہلی متصل درگاہ چراغ دہلی (حالات) بیمار ہو کر مر گیا اور خان خانان نے اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا -

نمبر ۱۷۴ - سلطان سکندر بن سلطان بھلول لودھی - سال جلوس ۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۸ء محل جلوس قصبہ جلالی - دارالسلطنت دہلی بعدہ آگرہ - مدت سلطنت ۲۸ سال پنج ماہ - سال وفات - روز یک شنبہ

ہفتم ذیقعدہ ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء - مدفن دہلی (حالات) اس بادشاہ کے عہد میں ہندوؤں نے فارسی لکھنا اور پڑھنا شروع کیا۔ اس سے پہلے کوئی نہ پڑھتا تھا۔ آخر کو بیمار ہو کر مر گیا۔

نمبر ۱۷۵ - سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودھی - سال جلوس - ذی قعدہ ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء محل جلوس و دارالسلطنت آگرہ - مدت سلطنت ۸ سال چند ماہ - سال وفات - ہشتم رجب ۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۵ء مدفن پانی پت (حالات) پانی پت کے میدان میں بابر بادشاہ کی لڑائی میں مارا گیا اور مغلوں کے خاندان میں بادشاہت چلی گئی۔

نمبر ۱۷۶ - ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ بن شیخ عمر مرزا - قوم چغتائی - سال ولادت - ۸۸۸ھ مطابق ۱۴۸۳ء سال جلوس - رجب ۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۵ء محل جلوس دہلی - دارالسلطنت آگرہ مدت سلطنت ۴ سال چند ماہ - سال وفات - روز دوشنبہ - ششم جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ مطابق ۱۵۳۰ء مدت عمر ۴۷ سال چند ماہ مدفن کابل (حالات) بیمار ہو کر مر گیا۔

نمبر ۱۷۷ - نصیر الدین ہمایوں بادشاہ (مرتبہ اول) بن بابر بادشاہ قوم چغتائی - سال ولادت ذی قعدہ ۹۱۳ھ مطابق ۱۵۰۷ء - سال جلوس ، جمادی الاول ۹۳۷ھ مطابق ۱۵۳۰ء محل جلوس - آگرہ دارالسلطنت آگرہ بعدہ دہلی - مدت سلطنت ۱۱ سال پنج ماہ چند یوم - سال وفات - یازدہم ربیع الاول ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۵ء مدت عمر ۴۴ سال سہ ماہ ۲۶ یوم - مدفن - دہلی مقبرہ ہمایوں - شیرشاہ کی لڑائی میں شکست ہوئی اور بادشاہ ایران چلا گیا۔

نمبر ۱۷۸ - فرید خان الملقب بہ شیر شاہ بن حسن ، قوم سور پٹھان - سال ولادت - رجب ۸۷۷ھ مطابق ۱۴۷۲ء سال جلوس

۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۰ء - محل جلوس آگرہ - دارالسلطنت دہلی -
مدت سلطنت ۴ سال ۴ ماہ ۱۵ یوم سال وفات: دواز دھم ربیع الاول
۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء مدت عمر - ۴ سال ۸ ماہ چند یوم -
مدفن سہسرام - (حالات) کالنجر کے قلعہ کی لڑائی میں باروت سے جل
کر مر گیا -

نمبر ۱۷۹ - جلال خان الملقب بہ اسلام شاہ بن شیر شاہ قوم
سور پٹھان سال ولادت صفر ۹۰۲ھ مطابق ۱۴۹۶ء سال جلوس پانزدھم
ربیع الاول ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء محل جلوس قلعہ کالنجر -
دارالسلطنت دہلی مدت سلطنت ۸ سال ۲ ماہ ۱۰ یوم سال وفات
ہست و پنجم جادی الاول مدت عمر - ۵۸ سال ۳ ماہ چند یوم
(حالات) بیمار ہو کر مر گیا اور فیروز خان تخت پر بیٹھا -

نمبر ۱۸۰ - فیروز شاہ بن اسلام شاہ قوم سور پٹھان - سال وفات
ربیع الثانی ۹۴۸ھ مطابق ۱۵۴۱ء - سال جلوس - بست و ششم
جادی الاول ۹۶۰ھ مطابق ۱۵۵۲ء - محل جلوس و دارالسلطنت -
دہلی - مدت سلطنت ۳ یوم - سال وفات - بست و نہم جادی الاول
۹۶۰ھ مطابق ۱۵۵۲ء - مدت عمر - ۱۲ سال چند یوم (حالات)
مبارز خان اس کے ماموں نے مار ڈالا اور آپ تخت پر بیٹھا -

نمبر ۱۸۱ - مبارز خان الملقب بہ محمد عادل شاہ بن نظام خان
قوم سور پٹھان - سال ولادت - شعبان ۹۱۱ھ مطابق ۱۵۰۵ء -
سال جلوس - بست و نہم جادی الاول ۹۶۰ھ مطابق ۱۵۵۲ء
محل جلوس و دارالسلطنت - دہلی - مدت سلطنت یکسال ۱۱ ماہ
۷ یوم (حالات) ابراہیم خان نے بنی عم شیر شاہ سے لڑ کر شکست
پائی -

نمبر ۱۸۲ - سلطان ابراہیم - قوم سور پٹھان - سال ولادت -
۹۶۳ھ مطابق ۱۴۹۷ء - سال جلوس - ششم جادی الاول ۹۶۲ھ

مطابق ۱۵۵۴ء - محل جلوس و دارالسلطنت - دہلی - مدت سلطنت
۲ ماہ ۳ یوم - سال وفات - ۹۷۵ھ مطابق ۱۵۶۷ء - مدت عمر -
۷۲ سال (حالات) احمد خان نے بنی عم شیر شاہ سے لڑ کر
شکست پائی -

نمبر ۱۸۳ - احمد خان الملقب بہ سکندر شاہ بن حسین شاہ
قوم سور پٹھان - سال جلوس - ربیع الاول ۹۱۱ھ مطابق ۱۵۰۵ء -
سال جلوس - ۹۶۲ھ مطابق ۱۵۵۴ء - محل جلوس -
فرح - دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت ۲ ماہ (حالات) ہایوں
بادشاہ سے شکست کھا کر بنگالے کی طرف بھاگ گیا -

نمبر ۱۸۴ - نصیر الدین محمد ہایوں بادشاہ (مرتبہ دوم) بن
بابر بادشاہ قوم چغتائی - سال ولادت - شب سہ شنبہ چہار دہم
ذی قعدہ ۹۱۲ھ مطابق ۱۵۰۷ء سال جلوس - رمضان ۹۶۲ھ مطابق
۱۵۵۴ء - محل جلوس و دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت - ۶ ماہ
چند یوم - سال وفات - یازدہم ربیع الاول ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۴ء
مدت عمر ۴۹ سال ۳ ماہ ۲۶ یوم - مدفن دہلی مقبرہ ہایوں
(حالات) شیر منڈل واقعہ قلعہ کہنہ میں سے اترتے وقت گر پڑا
اور کئی دن بعد انتقال کیا -

نمبر ۱۸۵ - ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بن ہایوں
بادشاہ - قوم چغتائی - سال ولادت - شب یک شنبہ پنجم رجب
۹۴۹ھ مطابق ۱۵۴۲ء سال جلوس دوم ربیع الثانی ۹۶۳ھ مطابق
۱۵۵۵ء - محل جلوس کلانور - دارالسلطنت آگرہ مدت سلطنت -
۵۱ سال ۲ ماہ ۱۱ یوم - سال وفات - چہار شنبہ سیز دہم
جمادی الاخرہ ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۶۰۵ء - مدت عمر - ۶۲ سال ۱۱ ماہ
۸ یوم - مدفن اکبر آباد - بمقام بہشت آباد معروف بہ سکندرہ
(حالات) بیمار ہو کر مر گیا -

نمبر ۱۸۶ - ابوالمظفر نور الدین جہانگیر بادشاہ بن اکبر بادشاہ - قوم چغتائی - سال ولادت روز چہار شنبہ - ہفتدہم ربیع الاول ۹۷۷ھ مطابق ۱۵۶۹ء محل جلوس و دارالسلطنت آگرہ - مدت سلطنت - ۲۱ سال ۸ ماہ ۱۳ یوم - سال وفات - بست و ہفتم صفر ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۲۶ء - مدت عمر ۵۸ سال ۱۱ ماہ ۱۰ یوم - مدفن لاہور (حالات) بیمار ہو کر مر گیا ، امراء نے بنظر مصلحت داور بخش کو بادشاہ کر دیا اور خفیہ شاہجہاں کو بلا لیا -

نمبر ۱۸۷ - میرزا بلاقی المخاطب بہ سلطان داور بخش بن شاہزادہ سلطان خسرو بن جہانگیر - قوم چغتائی - سال ولادت ذی قعدہ ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ء سال جلوس ربیع الاول ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۲۶ء محل جلوس راجپوری - دارالسلطنت آگرہ - مدت سلطنت ۲ ماہ چند یوم - سال وفات ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۲۶ء - مدت عمر ۲۶ سال (حالات) جب کہ شاہجہاں لاہور پہنچا - تو آصف خاں نے اس بیچارہ کو مار ڈالا اور شاہجہاں کو تخت پر بٹھایا -

نمبر ۱۸۸ - شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ بن جہانگیر بادشاہ - قوم چغتائی - سال ولادت شب پنج شنبہ یکم ربیع الاول ۱۰۰۰ھ مطابق ۱۵۹۱ء - سال جلوس روز یکشنبہ بست و دوم جمادی الاول ۱۰۳۶ھ مطابق ۱۶۲۶ء - محل جلوس لاہور - دارالسلطنت آگرہ - بعدہ شاہجہاں آباد - مدت سلطنت ۳۲ سال چند ماہ - سال وفات شب دو شنبہ بست و ششم رجب ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۵ء - مدت عمر ۷۶ سال ۴ ماہ ۲۶ یوم - مدفن آگرہ تاج گنج (حالات) عالمگیر نے قید کر کر خود تخت پر بیٹھا اور شاہجہاں نے سال نہم جلوس عالمگیری میں انتقال کیا -

نمبر ۱۸۹ - ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بن شاہجہاں - قوم چغتائی - سال ولادت شب یک شنبہ یازدہم ذی قعدہ ۱۰۲۸ھ مطابق ۱۶۱۸ء - سال جلوس - روز جمعہ یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۷ء - محل جلوس اُغر آباد - متصل سرہند - دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت ۵۰ سال ۲۷ یوم سال وفات روز جمعہ بست و ہشتم ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۶ء - مدت عمر ۹۰ سال ۱۷ یوم - مدفن اورنگ آباد (حالات) بیمار ہو کر مر گیا - محمد معظم منعم خاں کی سعی سے دلی کے تخت پر بیٹھا اور اپنے بھائیوں سے لڑ کر فتحیاب ہوا -

نمبر ۱۹۰ - محمد معظم الملقب بہ شاہ عالم بہادر شاہ بن اورنگ زیب عالمگیر - قوم چغتائی - سال ولادت سلخ رجب ۱۰۵۳ھ مطابق ۱۶۴۳ء - سال جلوس - غرہ ذی الحجہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۶ء - محل جلوس لاہور - دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت ۵ سال ایک ماہ ۲۱ یوم - سال وفات بست و یکم محرم ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء - مدت عمر ۷۰ سال ۶ ماہ - مدفن دہلی قطب صاحب (حالات) بمقام موضع جاجٹو مضاف صوبہ اکبر آباد میں اپنے بھائی سے لڑ کر فتح پائی - آخر کو آپ بھی بیمار ہو کر مر گیا اور آس کے بیٹوں میں بادشاہت پر لڑائی ہوئی اور معزالدین جہاندار شاہ سب پر غالب آیا -

(محمد اعظم شاہ بن عالمگیر - سال جلوس ۱۱۱۹ھ مطابق ۱۷۰۷ء - محل جلوس احمد نگر - سال وفات ۱۱۱۹ھ مطابق ۱۷۰۵ء) .

نمبر ۱۹۱ - معزالدین جہاندار شاہ بن شاہ عالم بہادر شاہ - قوم چغتائی - سال ولادت دہم رمضان ۱۰۷۲ھ مطابق ۱۶۶۱ء - سال جلوس ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء محل جلوس شاہجہاں آباد -

و بعد فتح لاہور - دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت ۱۱ ماہ ۵ یوم
سال وفات روز جمعہ ہشتم محرم ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۷۱۳ء مدت
عمر ۵۲ سال ۳ ماہ ۲۸ یوم - مدفن دہلی پیش چبوترہ مقبرہ ہمایوں
(حالات) فرخ سیر سے لڑ کر پکڑا گیا اور قلعہ دہلی میں مارا
گیا -

(۱) عظیم الشان - محل جلوس ہنگالہ

(۲) رفیع الشان محل - جلوس شاہجہاں آباد

(۳) خجستہ اختر جہاں شاہ

نمبر ۱۹۲ - جلال الدین فرخ سیر بن عظیم الشان بن بہادر
شاہ - قوم چغتائی - سال ولادت روز پنج شنبہ ہجدم رجب ۱۰۹۵ھ
مطابق ۱۶۸۳ء سال جلوس ۱۱۲۳ھ مطابق ۱۷۱۲ء و جلوس ثانی
۱۱۲۵ھ مطابق ۱۷۱۳ء محل جلوس آگرہ بعدہ شاہجہاں آباد -
دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت ۶ سال ۳ ماہ ۱۵ یوم - سال
وفات ہشتم ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ء مدت عمر ۳۵ سال
۸ ماہ ۲۰ یوم - مدفن دہلی صحن مقبرہ ہمایوں (حالات) عبداللہ خان
اور حسین علی خان نے زہر دے کر مار ڈالا -

نمبر ۱۹۳ - محمد ابوالبرکات سلطان رفیع الدرجات بن رفیع الشان
بن بہادر شاہ - قوم چغتائی سال ولادت ہفتم جادی الاخریٰ ۱۱۱۱ھ
مطابق ۱۶۹۹ء - سال جلوس نہم ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ مطابق
۱۷۱۸ء محل جلوس شاہجہاں آباد دارالسلطنت دہلی - مدت سلطنت
۳ ماہ ۱۱ یوم - سال وفات روز شنبہ ہستم رجب ۱۱۳۱ھ مطابق
۱۷۱۸ء مدت عمر ۲۰ سال ایک ماہ ۱۳ یوم - مدفن دہلی
مقبرہ ہمایوں (حالات) بیمار ہو کر مر گیا - عبداللہ خان اور حسین
علی خان نے رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھایا اور اکبر آباد میں
ہزارے مترسین نے نیکوسیر کو تخت پر بٹھا دیا - مگر نیکوسیر

ہکڑا گیا ۔

نمبر ۱۹۴ - شمس الدین رفیع الدولہ شاہجہاں بادشاہ ثانی
بن رفیع الشان بن بہادر شاہ - قوم چغتائی - سال ولادت پنجم صفر
۱۱۱۳ھ مطابق ۱۷۰۲ء سال جلوس ہستم رجب ۱۱۳۱ھ مطابق
۱۷۱۸ء - محل جلوس شاہجہاں آباد - دارالسلطنت دہلی - مدت
سلطنت ۳ ماہ ۲۸ یوم - سال وفات ہفتم ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ
مطابق ۱۷۱۸ء مدت عمر ۲۰ سال یک ماہ ۱۳ یوم - مدفن
دہلی مقبرہ ہمایوں (حالات) بیمار ہو کر مر گیا ، عبداللہ خان
اور حسین علی خان نے محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا ، لیکن جب
حسین علی خان کو بادشاہ نے مروا ڈالا تو عبداللہ خان نے
سلطان ابراہیم کو تخت پر بٹھا دیا ، مگر وہ مغلوب ہوا ۔

(سلطان نیکومیر - محل جلوس آگرہ)

نمبر ۱۹۵ - روشن اختر ابوالفتح محمد شاہ بادشاہ بن خجستہ
اختر جہاں شاہ بن بہادر شاہ - قوم چغتائی - سال ولادت ہست و
ششم ربیع الاول ۱۱۱۳ھ مطابق ۱۷۰۲ء سال جلوس ۱۱۳۱ھ
مطابق ۱۷۱۸ء محل جلوس شاہجہاں آباد - دارالسلطنت دہلی -
مدت سلطنت ۲۹ سال ۸ ماہ سال وفات ہست و نهم ربیع الثانی
۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء مدت عمر ۳۷ سال یک ماہ یک یوم
مدفن دہلی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء (حالات) بیمار ہو کر
مر گیا اور اس کا بیٹا بادشاہ ہوا ۔

(۱) سلطان ابراہیم بن رفیع الشان بن بہادر شاہ - سال جلوس

۱۱۳۲ھ مطابق ۱۷۱۹ء

(۲) نادر شاہ ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۸ء

نمبر ۱۹۶ - مجاہد الدین ابوالنصر احمد شاہ بہادر بادشاہ بن
محمد شاہ - قوم چغتائی - سال ولادت روز سہ شنبہ ہست و ہفتم

ربیع الثانی ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۲۷ء - سال جلوس : دوم جمادی الاول ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء - محل جلوس ہانی پت - دارالسلطنت دہلی مدت سلطنت ۶ سال ۳ ماہ ۸ یوم سال وفات، بست و ہفتم شوال ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء مدت عمر ۳۸ سال ۶ ماہ مدفن دہلی مقبرہ ہاپیوں (حالات) عہد الملک نے پکڑا اور اندھا کر کر قید کر دیا کہ بعد چند مدت کے بیماری سے مر گیا -

نمبر ۱۹۷ - عزالدین عالمگیر ثانی بن معز الدین جہاندار شاہ - قوم : چغتائی - سال ولادت : ۱۰۹۹ھ مطابق ۱۶۸۷ء - سال جلوس : روز سہ شنبہ دھم شعبان ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء - محل جلوس : شاہجہان آباد - دارالسلطنت : دہلی - مدت سلطنت : ۵ سال ۷ ماہ ۲۸ یوم - سال وفات : روز پنج شنبہ ہشتم ربیع الآخر ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء - مدت عمر ۷۳ سال چند ماہ - مدفن : دہلی مقبرہ ہاپیوں (حالات) عہد الملک کے کہنے سے قانع یاس خاں اور مہدی قلی خاں نے مار ڈالا اور محی الملک کو تخت پر بٹھایا ، اور شاہ عالم نے بنگالے میں تخت پر جلوس کیا ، مگر سلطنت شاہ عالم کی قائم رہی -

احمد شاہ درانی - سال جلوس ۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۶ء -
نمبر ۱۹۸ - ابو المظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ بن عالمگیر ثانی - قوم : چغتائی - سال ولادت - ہفتدھم ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۲۷ء سال جلوس ، چہاردھم جمادی الاول ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء - محل جلوس : عظیم آباد پٹنہ - دارالسلطنت : دہلی - مدت سلطنت : ۳۵ سال - سال وفات : ہفتم رمضان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء مدت عمر ۸۰ سال ۹ ماہ ۲۰ یوم - مدفن : دہلی قطب صاحب - (حالات) بیدار بخت کو غلام قادر نے تخت پر بٹھایا تھا کہ بعد مارے جانے غلام قادر کے وہ سلسلہ برہم

ہو گیا ، آخر کار جنرل لیک سپہ سالار انگلشیہ نے دلی کو فتح کیا اور سرکار انگریز کی عملداری ہونے کے تین برس بعد بادشاہ نے انتقال کیا ۔

(۱) محی الملة المقلب به شاہجہان ثانی بن محی السنہ بن کام بخش بن عالمگیر ثانی ۔

(۲) احمد شاہ درانی : ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء ۔

(۳) بیدار بخت بن احمد شاہ ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۷ء ۔

نمبر ۱۹۹ - شاہ جارج سوم بن فریڈرک شاہزادہ ویلز بن شاہ جارج دویم - قوم جرمن - فتح دہلی پانزدہم ستمبر ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ء) دارالسلطنت لندن ، مدت سلطنت ۱۷ سال - سال وفات : ۱۸۲۰ء مطابق ۱۲۳۶ھ - مدت سلطنت ۸۱ سال - مدفن : قلعہ و ترا (حالات) اگرچہ لندن کے بادشاہ کی حکومت اور سلطنت ہو گئی ، الا تیمور کے خاندان پر بھی لقب بادشاہی کا اور تخت و چتر اور قلعہ شاہجہان آباد کی حکومت قائم رکھی ۔

ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ بن شاہ عالم قوم : چغتائی - سال ولادت : شب چہار شنبہ ہفتم رمضان ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء - سال جلوس : روز چہار شنبہ ہفتم رمضان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء محل جلوس شاہجہان آباد - حکومت در قلعہ شاہجہان آباد - مدت سلطنت ۳۱ سال ۹ ماہ ۲۱ یوم - سال وفات جمعہ بست و ہشتم جمادی الآخر ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء -

نمبر ۲۰۰ - شاہ جارج چہارم بن جارج سوم - قوم جرمن - سال ولادت : ۱۷۶۲ء - سال جلوس : ۱۸۲۰ء مطابق ۱۲۳۶ھ محل جلوس و دارالسلطنت : لندن - مدت سلطنت : ۱۰ سال ۵ ماہ ۹ یوم - سال وفات : ۱۸۳۰ء مطابق ۱۲۳۶ھ - مدفن : قلعہ و ترا ۔

نمبر ۲۰۱ - شاہ ولیم چہارم بن جارج سوم - قوم جرمن - سال

ولادت : ۱۷۶۵ء سال جلوس : ۱۸۳۰ء مطابق ۱۲۴۶ھ دارالسلطنت : لندن - مدت سلطنت : ۶ سال ۱۱ ماہ ۲۴ یوم - سال وفات : ۱۸۳۷ء مطابق ۱۲۵۳ھ - (ابو الظفر میراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ بن اکبر شاہ) - قوم چغتائی - سال ولادت : ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء - سال جلوس : ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء - حکومت در قلعہ شاہجہان آباد - نمبر ۲۰۲ - ملکہ وکٹوریہ بنت ڈیوک آف کینٹ بن جارج سوم - قوم جرمن - سال ولادت ۱۸۱۹ء مطابق ۱۲۳۵ھ - سال جلوس : ۱۸۳۷ء مطابق ۱۲۵۳ھ - محل جلوس و دارالسلطنت : لندن - (حالات) چونکہ شاہ ولیم چہارم کے کوئی وارث منکوحہ صحیحہ سے نہ تھا اس واسطے حسب دستور فرنگستان کے ملکہ وکٹوریہ کے قرابت قریبہ بادشاہ سے رکھتی تھیں تخت پر بیٹھیں -

خاتمہ

الحمد للہ کہ یہ کتاب جس طرح دل چاہتا تھا اتمام کو پہنچی اور بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ پسند طبع صاحب والا مناقب عالی مناصب مسٹر آر تھر آسٹن رابرٹس صاحب بہادر دام اقبالہ (ڈپٹی کمشنر دہلی) کے ہوئی جن کی قدر دانی اور رئیس پروری سے اس کتاب کی تصنیف شروع ہوئی تھی و آخر د عوانا ان الحمد للہ رب العالمین -

مسلمانانِ یارقند

(تہذیب الاخلاق جلد دوم صفحہ ۵۳۶ تا ۵۵۶)

مسٹر رابرٹ شاہ صاحب یارقند اور آس کے گرد و نواح کے ملکوں کا حال دریافت کرنے کو ۱۸۶۸ء میں آس طرف گئے تھے اور انہوں نے اپنے سفر کا حال ایک کتاب میں لکھا ہے جو ۱۸۷۱ء میں لندن میں چھپی ہے۔ ہم آس کتاب سے آس نواح کے مسلمانوں کا حال انتخاب کر کر ذیل میں لکھتے ہیں اور اس انتخاب کے لکھنے سے ہمارا مقصد اپنی قوم کو دو باتوں سے متنبہ کرنا ہے، ایک یہ کہ ہماری قوم جو ہندوستان میں رہتی ہے وہ سمجھے کہ آس نے کس قدر عادتیں ہندوؤں کی سیکھ لی ہیں اور کھانے اور پینے اور غیر قوموں سے ملنے میں ایک خیالی وہم اور جھوٹ جس کی اصل نہ شرع میں ہے اور نہ اور ملکوں کے رہنے والے مسلمانوں میں ہے، اختیار کی ہے، دوسرے اس بات پر افسوس دلانا ہے کہ ہماری قوم کے لوگ کیا ہندوستان کے رہنے والے اور کیا اور ملکوں کے رہنے والے کیسے بے علم اور واقعات تاریخی سے جو دنیا میں گزرے ہیں کس قدر بے خبر اور واہیات زلل اور بیہودہ کہانیوں پر یقین اور اعتبار کرنے والے ہیں جس سے ان کی نادانی - بے علمی بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

انتخاب سفر نامہ رابرٹ شاہ صاحب

صاحب موصوف نے کانگڑہ سے اپنا سفر شروع کیا۔ اور جب وہ شہر لہیہ میں پہنچے جو لداخ سے آگے جانب شمال میں واقع ہے تو وہاں کے لوگوں کا حال انہوں نے اس طرح پر لکھا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ جب میں لہیہ میں پہنچا تو میں نے تبت کے باشندوں کے چال چلن اور رسم و رواج کو فوراً تحقیق کرنے کا ارادہ کیا لیکن جبکہ میں پہلے پہل شہر کی سیر کو نکلا تو وہاں کے لوگوں کے حالات دریافت کرنے کا جو جوش تھا وہ سب جاتا رہا اور اس کے عوض میں ایک دوسری بات کا شوق دل میں آٹھا کیونکہ جو لوگ اس ملک میں تھے یعنی تبتی ، ان سے بالکل مختلف قسم کے لوگ ترکی بازار میں چلتے پھرتے یا خاموش قطاروں میں بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان کے سروں پر بڑے بڑے سفید عمامے تھے ، لمبی ڈاڑھی اوپر چغہ زمین تک لمبا ، سامنے سے کھلا ہوا۔ نیچے صدی پہنے تھے اور پاؤں میں کالے چمڑے کے موٹے موٹے بوٹ تھے۔ ان سب باتوں سے ان کا ایک رعب داب معلوم ہوتا تھا اور ان کا برتاؤ نہایت شستہ تھا جس سے لوگوں کے دل میں ان کا ادب پیدا ہو ان میں ہندوستانیوں کی سی خوشامد نہ تھی اور نہ تبتیوں کی سی نقالی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا بندروں کے پیچ میں آدمی ہیں۔ جب میں ان سے ملا تو ان کا مزاج بالکل خوفناک نہ پایا جیسا کہ ان کے ہم وطنوں کا سنتا تھا۔ وہ لوگ ہمارے خیمے میں آکر بیٹھتے اور بذریعہ مترجم کے دوستانہ بات چیت کرتے تھے اور نہایت مزے سے ہماری چاء پھونک پھونک کر جرعه جرعه کر کر پیتے تھے برخلاف ہمارے ہندوستان کے ڈرہوک مسلمانوں کے جو اس قدر ہندو ہو گئے ہیں کہ ایسا کرنے سے ان کی ذات جاتی رہتی ہے۔ ہمارے مہمان دراصل بہت اچھے لوگ تھے۔ ہنسی مذاق سے خوش ہوتے اور جواب بھی مذاق کے ساتھ دیتے تھے۔ آزادی کے ساتھ گفتگو کرتے مگر کبھی حد مناسب سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بھی عزت کرتے ہیں اور جس سے گفتگو کرتے ہیں اس کی بھی

قدر و منزلت کرتے ہیں۔ جب رخصت ہوتے تو مودب طور پر سلام کر کے رخصت ہوتے۔ رنگ میں اہل یورپ سے کچھ کم نہیں ہیں۔ لال ہونٹ اور گلاب کے رنگ کا سا چہرہ ہوتا ہے جب ہم پہلے پہل وہاں پہنچے تھے تو ایک شخص عمدہ پوشاک اور اونچی ایڑی کا جوتا پہنے ہوئے ہمارے پاس آیا۔ اس کی ڈاڑھی اور مچھوں کے بال بھورے تھے اور چہرہ بہت گورا اور صاف تھا۔ اس نے مجھ کو اس طرح سے دیکھا جیسے انگریز دیکھتے ہیں۔ میں نے اس کو انگریز سمجھ کر اس سے بات کرنا چاہا تھا کہ اتنے میں وہ مڑ کر میرے مسلمان نوکروں کے پاس جا بیٹھا۔ معلوم ہوا کہ یارقند کا رہنے والا ایک حاجی تھا۔ جب ہم روکشین میں پہنچے تو وہاں کے مسلمانوں سے قرآن و مذہب کی نسبت بہت سی گفتگو ہوئی۔ عیسائیوں کو وہ نصاریٰ کہتے ہیں اور مسلمانوں کی بہ نسبت کچھ ہی کم سمجھتے ہیں کیونکہ عیسائی اہل کتاب ہیں اور ان کے لیے توریت موسیٰؑ اور زبور داؤدؑ اور انجیل عیسیٰؑ بھیجی گئی ہے اور ان کے خاص پیغمبر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام درجے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ہیں۔ ہندو اور آذربت پرستوں کو ایسا نہیں سمجھتے۔ اسی مقام پر محمد نذر سے جو یارقند کا ایلچی ہندوستان میں آیا تھا ملاقات ہوئی۔ اس نے اور اس کے ہمراہیوں نے میرے ساتھ چاء پی اور رخصت ہوئے۔

جب مسٹر شا صاحب چنگ چمون میں پہنچے تو وہاں یہ بات دریافت ہوئی کہ گرد و نواح کے ملک میں جس قدر چانول ایک بکرے پر لد سکتے ہیں ان کی قیمت میں آٹھ تولے سونا یعنی بارہ پونڈ کے برابر ملتا ہے جس کے ایک سو بیس روپے چہرہ شاہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سفر کرتے ہوئے مقام شہید اللہ پر پہنچے جہاں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے اور شا صاحب کے آنے کی خبر سن کر

شاہ یارقند نے چند سپاہی اور افسر ایک مہینہ پہلے سے وہاں متعین کر رکھے تھے وہ لوگ مسٹر شا صاحب سے نہایت دوستانہ طور پر ملے ، اُن کے ساتھ چاء پی کھانا کھایا ۔ شا صاحب نے بھی ایک روز اُن کی دعوت کی ۔ اُن لوگوں نے شا صاحب کے آنے کی خبر یارقند کو بھیجی اور جب تک یارقند سے روانگی کی اجازت نہ آئی وہیں ٹھہرے رہے مگر اُس قیام کے عرصے میں اکثر آدمی یارقند سے شا صاحب کی مدارات کے لیے آتے جاتے رہے اور نہایت خاطر داری کے ساتھ اُن کو وہاں رکھا ۔ آخر کار جب اجازت روانگی کی آئی تو سب لوگ روانہ ہوئے ۔ راستے میں اہل کار شا صاحب کے استقبال کے واسطے آتے تھے ۔ جبکہ یارقند کے قریب پہنچے تو ایک اہل کار جس کو مہاندار کہتے ہیں پیشوائی کو آیا اور تعظیم و تواضع کے ساتھ ملا مہاندار نے اپنے ہمراہیوں کو سواری پر سے اتار کر شا صاحب کے ملازموں کو جو پیادہ تھے سوار کرایا اور نہایت تپاک سے شا صاحب کی مزاج کی خیر و عافیت پوچھی اور مصافحہ کیا اور اُن کے گھوڑے کے برابر اپنا گھوڑا کر کے ساتھ ساتھ آگے کو چلا ۔ ایک سوار سب سے آگے گھوڑا دوڑاتا اور بندوق چھوڑتا جاتا تھا ۔ یہ گویا شا صاحب کی تعظیم کے لیے سلامی کی شلخ ہوتی جاتی تھی ۔ کچھ تھوڑے سے آگے بڑھنے پر ایک اور جماعت ملی جو شا صاحب کے استقبال کے لیے ٹھہری ہوئی تھی اُن سے مل کر اور اُن کے ساتھ چاء پانی پی کر آگے بڑھے تب یوزباشی وزیر یارقند کا بھائی آکر ملا اور شا صاحب سے راستے کی خیر و عافیت پوچھی ۔ مقام شہید اللہ میں جو اُن کو بہت دنوں تک ٹھہرنا پڑا تھا اُس کی معذرت کی ۔ آخر کار اُسی روز سہ پہر کو شا صاحب یوزباشی کے خیمے میں اُس سے ملنے کو گئے اُس نے بہت اعزاز کے ساتھ قالین پر بٹھایا ۔ چاء

منگوائی - دسترخوان بچھوایا جب شا صاحب اس سے رخصت ہو کر اپنے خیمے میں آئے تو تھوڑی سی دیر بعد یوزباشی اُن سے ملنے کو آیا - اُنہوں نے زرد رنگ کی ریشمین کشمیری پگڑی یوزباشی کی نذر کی -

اتناء راہ میں ایک روز وزیر نے یوزباشی کے پاس ایک خط بھیجا اور اس میں مہان یعنی شا صاحب کی خیر و عافیت دریافت کی اور لکھا کہ اُن کے لیے کسی بات کی دقت یا کوتاہی نہ ہو اسی طرح ہر روز قاصد آتے جاتے رہے جو ہر مرتبہ عمدہ اور نیا خلعت پہن کر آتے تھے - شا صاحب اپنی ایسی عزت اور توقیر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے - حقیقت یہ تھی کہ والئی ملک اپنے مہان کے قریب پہنچنے کی خبر سن سن کر اس قدر خوش ہوتا تھا کہ قاصدوں کو انعام اور خلعت دیتا تھا - جب کسی قدر اور یارقند کے قریب پہنچے تو ایک جماعت سواروں کی ملی جن کا سردار سیاہ پوشاک پہنے ایک مشکی گھوڑے پر سوار تھا - یوزباشی نے شا صاحب سے کہا کہ یہ یگ یعنی حاکم سنجر آپ کے استقبال کے واسطے آیا ہے - جب نزدیک پہنچے تو یوزباشی نے شا صاحب اور یگ سے ملاقات کرائی - دونوں باہم گلے ملے اور نہایت تعظیم اور تواضع کے ساتھ بات چیت ہوئی - یگ کی سیاہ پوشی کی وجہ یہ تھی کہ اُن کی بی بی نے وفات پائی تھی - اُن کے ماتم میں وہ سیاہ پوش تھے -

یارقند کے قریب سڑکوں اور پرانے پلوں کی مرمت کرائی گئی تھی اور نہروں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں پر نئے پل بنائے گئے تھے - شا صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ کو اس قدر اپنے قدر و منزلت کی ہرگز امید نہ تھی - یارقند والوں نے میرے منشی دیوان بخش سے پوچھا تھا کہ جب کوئی معزز مسافر آتا ہے تو اس کی آمد میں

کیا اہتمام ہوا کرتا ہے۔ منشی نے معمولی تیاریاں سڑکوں کی مرمت وغیرہ جو یہاں ہوا کرتی ہیں بیان کی تھیں۔ اس پر انہوں نے ایسی تیاریاں کیں کہ ہلوں کے پرانے شہتیر بھی بدلوا دیے تاکہ شا صاحب کے ساتھ جو سوار آویں تو ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں کے صدمے سے وہ پرانے شہتیر ٹوٹ نہ جاویں۔ شا صاحب اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ سب تیاریاں جو ان کے لیے ہوئیں اور اس قدر ان کی قدر و منزلت جو ہوتی تھی اس کا ان پر بار گذرتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر بستی میں اس ضلعے کا حاکم میرے استقبال کے واسطے آتا تھا۔ جب مقام کارغلی تین میل کے فاصلے پر رہا تو وہاں کا بیگ مجھ سے ملنے آیا اور نہایت خاطر داری سے ملا۔ چند درختوں کے سایہ میں فرش بچھوا کر دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر شوربا اور پلاؤ اور بڑی بڑی روٹیاں اور میوے چنے گئے۔ سب نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بعد کھانا کھانے کے لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھی اسی جگہ ایک بخارا کے حاجی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ہندوستان عرب اور روم تک کا سفر کیا تھا۔ اس سے فارسی میں بہت گفتگو ہوئی۔ دو گھنٹے تک میرے پاس بیٹھا رہا۔ چاء پیتا جاتا تھا اور سفر کا حال کہتا جاتا تھا۔

شا صاحب لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ مقام نکلا کے ریگستان میں پہنچے تو یوزباشی نے وہاں کی ایک روایت اس طرح پر بیان کی کہ یہاں کافر آباد تھے۔ ایک بزرگ مسمی شاہ جلال الدین صاحب نے ان کے روبرو اسلام کا وعظ کیا۔ انہوں نے اس شرط پر مسلمان ہونا قبول کیا کہ ان کے مکان سونے کے ہو جاویں۔ شاہ جلال الدین نے کچھ دعا پڑھی۔ ان کے سب مکان سونے کے ہو گئے مگر وہ سب کافر اپنے اقرار سے پھر گئے اور کہا کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ ہمیں مل گیا۔ اب ہم کیوں مسلمان

ہوں وہ بزرگ یہ سن کر چلے گئے۔ زمین سے ریت اُبلتا اور کافروں کے تمام مکان وغیرہ اُس میں غرق ہو گئے۔ یہاں کے خزانوں کی بہت جستجو کی گئی۔ مگر کوئی ایسا جادو ہے کہ جو کوئی اس ریگستان میں پھرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

شا صاحب کہتے ہیں کہ اگر میں ایلچی ہوتا تو اس سے کچھ زیادہ میری خاطر داری نہ ہوتی بلکہ میں اُن لوگوں کا دوست اور ہم وطن بھی ہوتا تب بھی اس سے زیادہ مجھ پر مہربانی نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک روز یوزباشی نے مجھ سے کہا کہ اے شا صاحب اگر آپ فرنگی نہ ہوتے تو ہم اور آپ بھائی ہوتے اور ایک ساتھ رہتے۔ یارقند سے تین میل ورے دوسرا یوزباشی نہایت زرق برق پوشاک پہنے ہوئے تیس سواروں کے ساتھ مجھ سے ملنے کو آیا۔ میں اور وہ دونوں گھوڑوں پر سے اترے اور مشرق ملکوں کی رسم کے موافق گلے ملے۔ یوزباشی صاحب نے اس زور سے میرا گلا دبایا کہ میرا دم گھٹنے لگا اور خیر و عافیت مزاج کی پوچھی، پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوئے۔ دونوں یوزباشی میرے دونوں پہلوؤں میں چلتے تھے۔ جب شہر کے اندر پہنچے تو ایک ایسے مکان میں جس کو قالین اور فرش بچھا کر خوب آراستہ کر رکھا تھا اور آگ روشن کر رکھی تھی مجھ کو آتارا اور یوزباشی نے کہا کہ یہ مکان آپ کا ہے۔ آپ آرام فرمائیے۔ اُس کے بعد دسترخوان بچھا، کھانے کے بعد شاغوال یعنی وزیر کا بھائی مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اپنی خاطر داری کی نسبت ممنونی ظاہر کی۔ اُس نے جواب دیا کہ بادشاہ کے مہمان کی ہم کتنی ہی تعظیم اور تواضع کیوں نہ کریں کسی طرح کافی نہیں ہو سکتی۔ اُس کے واپس جانے پر تھوڑی دیر میں بعد شاغوال یعنی وزیر سے ملنے کو گیا۔ جب اُس کے مکان پر پہنچا اور وزیر سے آنکھیں چار ہوئیں۔ میں نے جھک کر سلام کیا۔ وزیر وہاں سے

آٹھ کر دروازے تک آیا اور مجھ سے ملا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا اور آتش خانے کے قریب اپنے مقابلہ میں مسند پر بٹھایا ، نہایت خاطر کی ۔ اور بہت سی باتیں پوچھیں ۔ میرے آنے کی خوشی ظاہر کی اور کہا کہ سلطان روم اور انگریزوں کے باہم جو محبت اور دوستی ہے اس کو میں جانتا ہوں اور انگریزوں کو اپنا دوست سمجھتا ہوں ۔ آپ نے جو اس قدر دور و دراز سفر اختیار کیا اور ہمارے بادشاہ سے ملنے کے واسطے ایسی تکلیف گوارا کی یہ ایک عمدہ ثبوت اس دوستی کا ہے ۔ دوستی سے ہر ایک چیز ترقی پاتی ہے اور دشمنی سے ملک ویران ہو جاتے ہیں ۔ میں نے ان سب باتوں کا مناسب جواب دیا اور کہا کہ مجھ کو آسید ہے کہ میرا یہاں آنا دونوں ملکوں کے باہم دوستانہ برتاؤ اور آمد و رفت کا باعث ہوگا کیونکہ انگریزوں کا ترکوں کی نسبت نیک خیال ہے اور جبکہ اس تمام خاطر داری اور مہمان نوازی کا حال جو میری نسبت ترکستان میں ہوئی ہے ہماری ملکہ سنیں گی تو نہایت خوش ہوں گی ۔ اسی گفتگو میں دسترخوان بچھا اور چاء میرے روبرو پیش کی گئی ۔ اس کے بعد میں نے اٹھنا چاہا مگر شاغوال نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر پھر مجھے بٹھا لیا اور ان کے ایک ملازم نے ایک عمدہ ریشمین چغہ میرے شانوں پر ڈال دیا تب میں رخصت ہوا ۔ شاغوال بھی میرے ساتھ آٹھا اور مجھ کو دروازہ تک پہنچا گیا ۔

میرے یار قند میں پہنچنے سے پہلے میرے واسطے میز اور کرسی تیار کرا لی گئی تھی ۔ کئی دن کے بعد میں پھر شاغوال کی ملاقات کے لیے گیا اور وہ اسی طرح عزت اور خاطر سے پیش آیا ۔ ایک ریشمین چغہ عنایت کیا ۔ اس کے بعد پھر کئی مرتبہ چغہ اور ٹوپیاں وغیرہ مجھ کو بھیجیں ۔

یار قند میں کافروں کے لیے حکم ہے کہ پگڑی نہ باندھیں اور

کمر میں ایک سیاہ ڈوری باندھے رہا کریں مگر میرے ہندو نوکروں کو مسلمانی پوشاک پہننے کی اجازت تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات میرے حال پر نہایت بڑی مہربانی ہونے کے سبب سے تھی۔

ایک روز میرا منشی شاغوال کا ایک رقعہ لے کر آیا جس میں اس بات کی شکایت تھی کہ تمہارے نوکروں نے روپیہ کے لیے کچھ جنس بازار میں فروخت کی ہم سے روپیہ کیوں نہ طلب کیا اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ بدخواہ لوگ کہیں گے کہ ایک مہان انگریز کی مہانداری کی نسبت مناسب توجہ نہیں ہوتی تب میں نے اپنے منشی کو آن کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کچھ کپڑا میں نے نوکروں کے لیے خریدا تھا۔ اس پر وزیر نے کہا اگر یہ بات بادشاہ کے کان تک پہنچ جاوے تو مجھ پر حد سے زیادہ عتاب ہو۔

ایک روز رمضان کے دنوں میں میں وزیر کی ملاقات کو گیا اس روز وزیر صاحب نے اپنے ہاتھ سے میرے لیے چاء تیار کی ایک دن یوزباشی نے مجھ سے کہا کہ آپ یہاں کوئی چیز ہرگز نہ خریدیے میں نے کہا کہ تھوڑی تھوڑی سی چیزوں کے مانگنے میں مجھ کو شرم آتی ہے۔ یوزباشی نے کہا کہ جو چیز آپ کو درکار ہو خواہ وہ ہزار طلا کی ہو خواہ ایک پھول کی آس کے مانگنے میں ہرگز شرم نہ کیجیے۔ شاغوال کو میں نے ایک ملاقات میں ایک بندوق، رائفل اور ایک ریوالور اور ایک ریشمین پگڑی اور کچھ کپڑا اور ایک سو بیس پونڈ چاء نذر دی جس کو انہوں نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔ جب ہمارا بڑا دن قریب آیا تو میں نے اپنے نوکروں کو گوشت خریدنے کا حکم دیا مگر شاغوال کے ہاں سے پیغام آیا کہ آپ بازار سے کچھ نہ خریدیں۔ سب چیزیں مہیا ہو جاویں گی۔ بڑے دن کو شاغوال نے ایک بڑا بھاری دسترخوان اور دو ریشمین

چغہ اور ایک ٹوپی بھی بھیجی - وزیر نے میری تقریر کے لیے گانے بجانے والے بھی متعین کیے تھے -

ایک روز میں نے اپنے دوستوں کی دعوت کی جس میں میرا منشی دیوان بخش اور یوزباشی اور مہان دار اور چار پنجا باشی شریک ہوئے - اُن لوگوں نے پہلی روٹی کا ٹکڑہ نمک کے ساتھ کھا کر روزہ کھولا ، پھر کھانا کھایا - کھانے میں کچھ انگریزی اور کچھ اُن کا کھانا تھا - یوزباشی کو اس بات کی بڑی تشویش تھی کہ کون سی چیز کھائیں اور کون سی نہ کھائیں کیونکہ کمبخت کشمیری اور ہندوستانیوں نے جو شاہ یارقند کے ملازم تھے ترکوں سے ہماری شکایت کی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ سوائے سور کے گوشت کے یہ اور کچھ نہیں کھاتے ہیں - کسی مسلمان کو اُن کے ساتھ کھانا کھانا نہ چاہیے اس لیے یوزباشی نے میرے اور مہانوں سے کہہ رکھا تھا کہ منشی پر نظر رکھیو - جس چیز کو وہ نہ لے آس کو ہاتھ نہ لگائیو - مجھ کو اس بات کی کچھ خبر نہ تھی بعد کو خبر ہوئی ، پھر میرے منشی نے اُن کو سمجھا دیا کہ رزیل انگریز کبھی کبھی سور کا گوشت کھاتے ہیں شاہ صاحب کو میں نے کبھی کھاتے نہیں دیکھا اس بات سے سب خوش ہو گئے -

شاہ یارقند کاشغر میں تھے وہاں میرے آنے کی خبر بھیجی گئی اور جب تک مجھے وہاں آنے کی اجازت نہ ملی میں یارقند میں رہا - جس وقت اجازت آئی وزیر صاحب نے مجھ سے دریافت کرایا کہ بادشاہ کی نذر کے واسطے اگر کچھ چیزیں درکار ہوں تو ہم پنچا دی جاویں - میں نے کہلا بھیجا کہ سب آپ کی نوازش ہے میں بادشاہ کے حضور میں وہی چیزیں نذر گزارنا چاہتا ہوں جو خاص میری اور میرے ملک کی ہیں اس پر بھی وزیر نے یوزباشی کی معرفت کچھ رویہ اور چند خلعت میرے پاس بھیجے اور کہلا بھیجا -

کہ بادشاہ کے اہل کاروں کو دینے کے لیے لیتے جائیے۔ اتفاق سے میری گھڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا تو میں نے ایک شیشہ منگوایا تھا مگر وزیر صاحب نے بجائے شیشے کے اپنی گھڑی میرے پاس بھیج دی تھی۔ اب جو میں کاشغر کو جانے لگا تو وہ گھڑی میں نے اُن کے پاس واپس بھیجی۔ وزیر صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ گھڑی مجھے پھر دکھاؤ گے تو میں سخت ناراض ہوں گا۔ جو چیز میرے پاس سے جاتی ہے وہ پھر کر نہیں آیا کرتی اگر شا صاحب اس کو اپنے لایق نہ سمجھیں تو اور کسی کو دے دیں۔ آخر کار یارقند سے کاشغر کی طرف روانہ ہونے کا سامان درست ہو گیا اور صبح کے وقت نہایت عمدہ خوبصورت گھوڑا داد خواہ یعنی وزیر کے اصطبل سے میری سواری کے لیے آیا اور میرے سب نوکروں اور اسباب کے واسطے بھی گھوڑے ملے اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ محمد اسحاق جان برادر داد خواہ شہر کے دروازہ تک مجھے رخصت کرنے کو میرے ساتھ آیا کاشغر میں پہنچنے کے بعد میں نے اُن سب چیزوں کی درستی کی جو بادشاہ کی نذر کے لیے میں لے گیا تھا اور اُن کو کشتیوں پر رکھا۔ قریب ۹ بجے صبح کے بہت سے اہل کار مجھے بلانے آئے اور میں اُن کے ساتھ بادشاہ کی ملازمت کے لیے چلا۔ میرے ہمراہ دو یوزباشی اور محرم باشی وغیرہ تھے اور تیس یا چالیس آدمی نذر کی چیزیں لیے ہوئے تھے۔ میں جس مکان میں فروکش تھا اُس کے دروازے سے بادشاہی محل کے دروازے تک ایک چوتھائی میل کا فاصلہ سڑک کے دونوں طرف لوگوں کا ہجوم تھا جو اپنے مختلف رنگوں کی پوشاک کے باعث سے زندہ تصویروں کی مانند معلوم ہوتے تھے دروازے کے اندر پہنچ کر کئی بڑی بڑی ڈیوڑھیوں میں سے گزرا۔ ہر ایک ڈیوڑھی پر عمدہ عمدہ کپڑے

پہنے ہوئے پیرہ کے سپاہی خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی اس عارت کے جزو ہیں اُن کے سوا اور لوگ قطار کی قطار ریشمین لباس پہنے بیٹھے تھے۔ اُن میں جو لوگ کچھ اعلیٰ درجے کے تھے اُن کی پوشاک اوروں سے زیادہ عمدہ تھی۔ پہلے پہل میں نے کالمنک قوم کے سپاہی دیکھے جن کے پاس تیر و کمان و ترکش تھا۔ اندر کے صحن میں چند چیدہ مصاحب نظر آئے۔ یہاں سوائے ایک یوزباشی کے جو کل میرے پاس گیا تھا اور کوئی میرے ہمراہ نہ رہا میں ایک دالان میں سے گزر کر ایک دروازے میں گیا پھر ایک کوٹھڑی میں سے ہو کر دربار کے کمرے میں پہنچا۔ اس کمرے میں دریچہ کے قریب ایک شخص کو تنہا بیٹھا پایا۔ میں نے قیاس سے جانا کہ یہی بادشاہ ہے۔ تب میں اکیلا آگے بڑھا اور جب قریب پہنچا تو بادشاہ اپنی مسند سے گھٹنوں تک اٹھے اور دونوں ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھائے۔ میں نے ترکوں کے دستور کے موافق مصافحہ کیا اور ان کی اجازت سے ان کے روبرو بیٹھ گیا۔ پھر حسب قاعدہ مزاج پر ی کے لیے اٹھا مگر بادشاہ نے اٹھنے نہ دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا اور زیادہ تر اپنے قریب کر لیا۔ پھر میری مزاج پرسی کی اور فرمایا کہ امید ہے کہ سفر بآرام ہوا ہوگا۔ اس کے جواب میں میں نے عذر کیا کہ میں فارسی زبان بہ خوبی نہیں جانتا۔ بادشاہ نے ہنس کر فرمایا کہ بہ خوبی سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے بعد ایک لمحہ خاموشی رہی۔ میں منتظر تھا کہ بادشاہ کچھ فرماویں اور بادشاہ منتظر تھے کہ یہ کچھ کہے۔ آخر کار بادشاہ نے انگریزوں کی طرح موسم کی گفتگو شروع کی۔ میں نے اُس کا مناسب جواب دیا اور یہ کہا کہ میرے ہم وطنوں کو اس بات کے سننے سے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ ہمارے دوست سلطان روم اور اُن کی رعایا کے بھائیوں نے اہل چین کو نکال کر

جن کے ساتھ ہماری تین لڑائیاں ہو چکی ہیں ترکستان میں ایک نئی سلطنت قائم کی ہے اور اپنی نسبت میں نے یہ کہا کہ مجھے لاٹ صاحب نے نہیں بھیجا ہے اور نہ کوئی خط دیا ہے۔ میں صرف آپ کے نام کی شہرت سن کر اپنی خوشی سے آیا ہوں۔ بادشاہ میری باتیں سن کر سر ہلاتے جاتے تھے۔ پھر فرمانے لگے کہ جب میں نے یہ خبر سنی کہ شا صاحب دوستی کی نظر سے میری سلطنت میں آتے ہیں مجھ کو بڑی خوشی ہوئی۔ لاٹ صاحب تو بہت بڑے شخص ہیں۔ میں ان کے مقابلے میں حقیر اور ناچیز ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ لاٹ صاحب تو بڑے ہیں مگر ہماری ملکہ جو ان کی آقا ہیں ان سے بھی بہت بڑی ہیں۔ اس پر بادشاہ میری طرف دیکھنے لگے تب میں نے کہا کہ مجھ کو امید ہے کہ ان دونوں قوموں کے باہم دوستی اور محبت مستحکم ہو جاوے گی اور دوستوں کے درمیان بڑائی چھٹائی کی کچھ بحث نہیں ہوتی پھر میں نے عرض کیا کہ میں اپنے ساتھ انگلستان کی چند بندوقیں بطور نمونہ حضور کی نذر کے واسطے لایا ہوں امید ہے کہ وہ قبول فرمائی جاویں۔ بادشاہ ہنسے اور فرمایا کہ ہم تم تو دوست ہیں ہمارے تمہارے بیچ میں نذر نذرانہ کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا خیریت سے پہنچنا ہی بڑی خوشی کی بات ہے اسی کے ساتھ بادشاہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگشت شہادت کو جوڑ کر ٹیڑھی کر کے اظہار دوستی کیا اور میرے رخصت ہونے کے وقت بادشاہ نے فرمایا کہ چند روز آرام کر کے سب مقاموں کو دیکھو اس جگہ کو اور جو کچھ اس میں ہے سب کو اپنا سمجھو۔ اب تیسرے روز پھر ہم سے اور آپ سے ملاقات اور بات چیت ہوگی۔ پھر خدمت گار کو اشارہ کیا اس نے ایک سائن کا چغہ میرے شانے پر ڈالا اس کے بعد نہایت مہربانی سے بادشاہ نے مجھ کو رخصت کیا۔

پچیسویں جنوری کی شام کو مجھ سے یوزباشی سے ملاقات ہوئی
یہیں کاشغر میں محرم بھی ہوا۔ یہاں کے لوگوں نے حضرت سکندر
یعنی سکندر اعظم کی نسبت عجیب واقعات بیان کیے یعنی اُن کی
دارالسلطنت سمرقند میں تھی اور اُنہوں نے ملک چین پر اس غرض
سے کہ وہاں کے لوگوں کو دین اسلام کی طرف بہترین فوج کشی
کی۔ راہ میں ایک مقام پر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہر شخص
اس جگہ ایک ایک پتھر رکھ دے۔ وہاں ایک بڑا ڈھیر پتھروں
کا ہو گیا۔ جب چین میں پہنچے تو شاہ چین نے اُن کی اطاعت قبول
کی اور بغیر مقابلہ خراج گزار ہو گیا۔ سکندر کے سپاہیوں نے اُس
ملک کی عورتوں سے شادی کی اور حضرت سکندر نے اس مہم کے
مطلب کو پورا کر کے اللہ اکبر کہا اور وہاں سے کوچ کیا۔ جب
پتھروں کے اُس انبار کے پاس آئے جو سپاہیوں سے جاتے وقت جمع
کرایا تھا تب حکم دیا کہ ہر شخص ایک ایک پتھر اُٹھا لے۔
سب نے ایک ایک پتھر اُٹھا لیا لیکن ہزار ہا پتھر وہاں پر باقی رہ
گئے اُن پتھروں کے شمار کرنے سے تعداد اُن سپاہیوں کی معلوم
ہوئی جو چین میں اپنی چینی بیسیوں کے ساتھ رہ گئے۔ اُن لوگوں سے
دو قومیں پیدا ہوئیں۔ ایک ٹینگانی جو مسلمان ہیں (ٹینگانی ترکی لفظ
ہے اس کے معنی ہیں رہ جانا) دوسری کالمک جو اب بھی چین کے
راستے کے قریب ملکوں میں بستی ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ
حقیقت میں یہ داستان تاتار کے فتح یابوں میں سے کسی کی ہے لیکن
عام غلطی سے سکندر کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ شالی تاتار میں
ایک میدان ہے جو سنتاش کے نام سے مشہور ہے اور اُس میں اب
بھی ایک بہت بڑا انبار پتھروں کا موجود ہے اور اُس کی نسبت یہی
یا اسی قسم کی کہانی مشہور ہے۔ ٹینگانیوں کی روایت سے بھی بیان
مذکورہ کی تصدیق ہوتی ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ تیمور لنگ کے

کچھ سپاہی اس ملک میں رہ گئے اور ہم انہیں کی اولاد ہیں (لیکن تیمور لنگ کبھی اس ملک میں نہیں گیا) - جب مشرق ترکستان کا تذکرہ چلا تو لوگوں نے بیان کیا کہ چار ہزار اسی برس اب سے پیشتر اس ملک کے باشندے کافر یعنی بت پرست تھے - حضرت سلطان نامی ایک بادشاہ پیدا ہوا اور اس نے سب کو مسلمان کیا میرے منشی نے ان لوگوں سے پوچھا کہ اس کو کس نے مسلمان کیا تھا - انہوں نے کہا کہ وہ خود مسلمان ہوا ، منشی نے کہا نہیں نہیں کوئی استاد اس کا ہوگا - میں نے منشی سے کہا چپ رہو یہ لوگ جس طرح پر کہتے ہیں کہنے دو - جب تم نے ان لوگوں سے یہ سنا کہ تین ہزار برس تمہارے پیغمبر صاحب سے پیشتر مسلمان بادشاہ حکومت کرتے تھے تو ان سے تاریخی واقعات کی صحت کی کیا امید ہے ، اس پر یوزباشی اور اس کے محرم نے اپنی یادداشت کا مقابلہ کیا اور دیکھا تو منشی کی بات صحیح تھی - اور پھر بیان کیا کہ حضرت سلطان کافر بادشاہ تھا اس کو عبدالنصر سامانی بغداد کے ایک مولوی صاحب نے مسلمان کیا ہے - جب سلطان بچہ تھا اس وقت میں اس کے باپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مسلمان ہوگا - اس پر اس کا ارادہ اپنے بیٹے کے قتل کرنے کا ہوا لیکن جب اپنی بی بی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ ابھی قتل مت کرو پہلے اس کا امتحان کر لو یعنی بتکدہ میں لے جاؤ - اگر وہ ہمارے طریقہ پرستش کو قبول کرے تو زندہ رہنے دو ورنہ قتل کر ڈالو - آخر لڑکے یعنی سلطان کو بت کے سامنے لے گئے وہ اس کی پرستش میں شریک ہوا اس لیے اس کو قتل نہیں کیا گیا - لیکن جب مسلمان استاد کی تعلیم اس کو خفیہ ہوئی تو وہ اپنے دل میں بہت متردد ہوا اور جب اس کے باپ نے ایک مندر بنانے کا اس کو حکم دیا تو وہ اور بھی زیادہ تر متردد ہوا - اس نے اپنے استاد سے مشورہ

کیا۔ درویش نے کہا کہ اپنے باپ کی اطاعت کرو مگر دل میں یہ سمجھو کہ مسجد بنوا رہے ہیں۔ جبکہ تمہارا مقصد نیک ہوگا تو صرف بت خانہ کے نام سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جب وہ مندر بنوا چکا تو ایک اور بھی بڑی مشکل پیش آئی یعنی اُس کے باپ نے اُسی مندر میں ایک بت نصب کیا اور اُس کی پرستش کا اُس کو حکم دیا اُس درویش نے مثل پیشتر کے پھر اُس نوجوان مسلمان کو سمجھا دیا کہ کاغذ کے دو پرچوں پر اللہ کا نام لکھ کر اپنے ہاتھوں کی گھاٹیوں میں رکھو جب بت کے سامنے ہاتھوں پر سر رکھ کر سجدہ کرو گے تو وہ خدا کی عبادت ہوگی نہ اُس بت کی چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا ہے اور ان تدبیروں سے اُس کا نیا عقیدہ بھی درست رہا اور اُس کے والدین کے دل میں بھی کسی طرح شک نہ آیا اسی عرصہ میں چالیس لڑکے امیروں اور سرداروں کے اُس نے اپنے ساتھی کر لیے اور اُن کے ساتھ تیر اندازی اور فنون سپہ گری کی مشق کی۔ جب یہ سب سیکھے سکھائے آدمی اُس کے قابو اور اختیار میں ہو گئے۔ تو وہ دفعۃً اپنے باپ کے روبرو آیا اور اُس کو حکم دیا کہ مسلمان ہو۔ بادشاہ نے انکار کیا تب اُس کے ساتھیوں نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اُس کا منہ آسان کی طرف کیے ہوئے پکڑے رہے اس پر بھی وہ انکار کرتا رہا، پھر اُس کو زمین پر کھڑا کیا۔ اُس کے پاؤں تلے زمین پھٹنے لگی اور وہ رفتہ رفتہ دھسنے لگا تب بھی اس کے بیٹے نے دین اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی مگر اُس نے انکار ہی کیا یہاں تک کہ وہ بالکل زمین میں غائب ہو گیا اور اس کا بیٹا یعنی سلطان بادشاہ ہوا۔ لوگ کہتے ہیں کہ مقام ارثاش میں یہ جگہ اب بھی نمک کے غار کی مانند نظر آتی ہے۔ ارثاش کاشغر سے بیس میل شمال کی طرف واقع ہے اس ملک کا وہی پیشتر دارالخلافت تھا۔

پہلی فروری کو یوزباشی اور محرم باشی نے دوپہر کے وقت میرے ساتھ پلاؤ کھایا اس کے بعد میرے ملازم مسمی کبیر نے نماز پڑھی اس لیے لوگوں نے اس کو ملامت کی اور محرم باشی نے کہا کہ جو کوئی شخص کسی وقت کی نماز قضا نہ کرے تو چوری اور جھوٹ اور قتل سے اس کا کچھ ہرج نہیں ہوتا کبیر نے نماز قضا کرنے پر عدم فرصتی کا عذر کیا لیکن محرم باشی کے اس مسئلہ پر کہ نماز سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بحث کی۔ دونوں میرے منشی کے پاس گئے، منشی نے محرم باشی کے دعویٰ کے برخلاف تصفیہ کیا اور وہ مسئلہ اسلام کا بیان کیا جس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کے تمام گناہ مثل شراب خواری، قمار بازی وغیرہ اس شخص کے معاف ہوں گے جو برابر بلا ناغہ نماز پڑھتا رہے گا اور مکہ شریف کے حج کو جاوے گا لیکن انسان کے مقابلہ کے گناہ مثلاً چوری، زبردستی بے رحمی وغیرہ حج کرنے سے بھی معاف نہ ہوں گے جب تک گنہگار حتی الوسع اس کا معاوضہ دیکر مظلوم سے معافی نہ حاصل کر لے۔ پس صرف نماز سے ایسے گناہ معاف نہیں ہو سکتے، اسی دن منشی نے متعجب ہو کر مجھ سے کہا کہ ترک لوگ غیر مذہب والوں سے نہایت آزادی کے ساتھ ملتے جلتے ہیں میں نے کہا ہاں یہ لوگ دنیا کے اور سب لوگوں کی مانند ہیں منشی ہنسا اور مجھ سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے میں نے جواب دیا کہ تم ہندوستان کے لوگ اپنے ملک کے پہاڑوں کے اندر بند رہتے ہو اور باقی دنیا کے انسانوں کی بہ نسبت تمہارے خیالات بالکل مختلف ہو رہے ہیں صرف تم ہی لوگ خواہ ہندو خواہ مسلمان اور لوگوں کے ساتھ کھانے پینے میں تعصب رکھتے ہو۔ سوائے ہندوستان کے اور کہیں یہ بات پائی نہیں جاتی اور ہندوستان میں جب انگریز تم سے یہ بات کہتے ہیں تو تم اعتبار نہیں کرتے

مگر دیکھ لو ہندوستان سے نکل کر پہلے ہی قدم پر ایک سخت مسلمانی ملک میں خود تمہیں کو ایسے تعصبات کے نہ ہونے پر تعجب ہوتا ہے۔ یہی حال تمام دنیا کا ہے۔ منشی نے اس بات کو قبول کیا اور کہا کہ میں بھی ہندوستان میں جا کر اپنی رائے تبدیل کروں گا۔

کاشغر میں پانچویں اپریل کو بادشاہ سے دوسری ملاقات ہوئی جس کا میں مدت سے منتظر تھا یعنی سہ پہر کے وقت سرکار نے آکر کہا کہ یا تو کوئی بڑا سردار تم سے باتیں کرنے کے لیے آوے گا یا تم ہی بادشاہ کی ملاقات کے لیے بلائے جاؤ گے۔ میں نے جواب دیا کہ جو کچھ اتالیق غازی کا حکم ہو اس پر میں راضی ہوں۔ بعد چند منٹ کے پھر سرکار نے آکر کہا کہ تیار اور آمادہ رہو شام کو بلائے جاؤ گے اس کے جانے کے بعد دو بندوقیں میں نے صاف اور درست کیں آٹھ بجے شام کو میری طلبی ہوئی چنانچہ مجھ کو لوگ محل کے سامنے سے بڑے پھانک میں لے گئے وہاں توپیں رکھی ہوئی تھیں پھانک کھول کر ہم لوگ چوک میں پہنچے جہاں چین کی لالٹینیں روشن تھیں اس کے مقابلہ میں دیوان خانہ تھا جس میں نہایت عمدہ روشنی ہو رہی تھی۔ میرا رہنا مجھ کو دیوان خانہ کی سیڑھیوں پر چھوڑ کر چلا گیا میں اکیلا کمرہ سے اندر گیا۔ اتالیق غازی ایک گوشہ میں بیٹھے تھے، مجھ کو دیکھ کر ہاتھ بڑھایا اور یہ کہہ کر کہ آرام سے بیٹھو اپنے روبرو بیٹھایا بعد مزاج پُرسی کے ایک ہندوستانی جمعدار ترجان بنایا گیا تمام گفتگو لفظ بلفظ تو میں نہیں بیان کر سکتا کیونکہ گھنٹہ بھر سے سے زیادہ میں بیٹھا رہا اور گفتگو ہوتی رہی تھی۔ خلاصہ تمام گفتگو کا یہ ہے :- بادشاہ نے فرمایا کہ اس ملک میں آپ کے آنے سے میں اپنی بڑی عزت سمجھتا ہوں اور میں انگریزوں کے مقابلہ

میں طاقت اور مرتبہ میں بہت کم ہوں۔ میں جواب دیا کہ آپ کے اور انگریزوں کے باہم ایسی ہی دوستی ہو جانے کی مجھے امید ہے جیسی کہ سلطان روم اور انگریزوں کے درمیان میں ہے اور دوستوں کے درمیان میں کمی بیشی کا کوئی خیال نہیں کیا کرتا۔ بادشاہ نے کہا خدا ایسا ہی کرے اور مجھ کو بھائی کہہ کر فرمایا کہ میری رعایا سب تمہاری غلام ہے جب قرب و جوار کی قومیں تمہارے یہاں آنے کا حال سنیں گی تو میری اور بھی عزت بڑھ جاوے گی۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ نہ مجھ کو ملکہ نے بھیجا ہے نہ لاث صاحب نے۔ میں آپ کی ناموری سن کر خود آیا ہوں۔ مجھ سے آپ کو صرف اسی قدر فائدہ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے ملک اور اپنے بادشاہ کا حال بتا دوں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور بہت سے اور بھی تعظیمی کلمے کہے اور فرمایا کہ میں نے اس سے پیشتر کبھی کسی انگریز کو نہیں دیکھا تھا گو ان کی طاقت اور سچائی کا حال سنتا رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انگریزوں سے سوائے بھلائی کے کوئی مضر بات ظہور میں نہ آوے گی۔ میں تم کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں، جو کچھ تم صلاح دو، وہ میں کروں۔ میرا ارادہ تمہارے ملک میں ایلچی بھیجنے کا ہے۔ تمہاری کیا صلاح ہے، میں نے جواب دیا کہ آپ کا ارادہ نہایت عمدہ ہے اور ایلچی بھیجنا بہت مناسب ہے۔ پھر بادشاہ نے کہا کہ میں ایلچی بھیجوں گا اور اس کے ہاتھ ایک خط اس درخواست سے بھیجوں گا کہ وہ اس کو ملکہ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بہت بہتر تدبیر ہے بادشاہ نے پوچھا کہ کب بھیجنا چاہیے۔ میں نے کہا جب آپ کی مرضی ہو۔ میرے ساتھ خواہ مجھ سے پہلے یا میرے بعد روانہ فرمائیے مگر میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ کرنا ہو جلد کیجیے۔ تب

بادشاہ نے فرمایا کہ میرا ایلچی بے شک تمہارے ساتھ جاوے گا اب میں یہاں پر تم کو تین دن اور ٹھہراؤں گا پھر یارقند کو چلنا پڑے گا اور ایلچی کو میں یا تو یارقند میں یا یانگ حصار میں تمہارے سپرد کروں گا۔ میں نے کہا بہت اچھا اگر ارشاد ہو تو جو کچھ باتیں اس سے پوچھی جاویں گی وہ سب میں اس کو بتا دوں گا اور پھر وہ ایلچی ان سب امور کی نسبت حضور کی اجازت حاصل کر لے گا ورنہ جب وہ ہمارے حاکموں کے روبرو جاوے تو گفتگو کرنے میں شاید اس کو دقت پیش آوے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہاں سب باتیں ان کو بتا دیجیو اور کل شام کو اور پھر یانگ حصار میں ہم سے تم سے گفتگو ہوگی اور کہا کہ ملکہ انگلستان مثل آفتاب کے ہیں جس پر ان کی شعاع پڑتی ہے اس کو گرمی پہنچتی ہے میں سردی میں ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان کی کچھ شعاعیں مجھ پر بھی پڑیں میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں چند برسوں میں خداوند کریم نے اتنا بڑا ملک عطا کر دیا ہے تم آئے میری بڑی عزت ہوئی مجھ کو امید ہے کہ تم اپنے ملک میں میری اعانت کرو گے جو کچھ مجھ سے تمہاری خدمت ہونی ممکن ہو اس کے لیے ارشاد کرو اور اسی طرح میرے ساتھ بھی پیش آنا اب کہو واپس جا کر میرا کیا حال بیان کرو گے۔ میں نے کہا میں کہوں گا کہ جو کچھ آپ کی شہرت ہندوستان تک پہنچی ہے وہ اصل حقیقت سے نصف ہے۔ یہ سن کر بادشاہ ہنسے اور مصافحہ کرنے کو ہاتھ بڑھایا۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے آدمی ترکستان میں تجارت کے لیے بھیجا کرو ملکہ اپنا ایلچی یہاں بھیجیں یا نہ بھیجیں مگر خاص تمہارے آدمی آیا جایا کریں۔ پھر پوچھا کہ سال بھر میں ایک آدمی بھیجو گے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر حضور کی اجازت ہے تو ضرور بھیجوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا سب قسم کی سوداگری کی چیزیں بھیجنا اور ہمارے

نام خط لکھنا اور جو کچھ تمہیں درکار ہو ہم سے طلب کرنا۔
 تمہارے بخیریت پہنچنے کا خط ہمارے واسطے ایک نعمت ہوگا۔
 میں نے جواب دیا کہ بے شک اس ذریعے سے آپ کی خیر و عافیت
 کا حال مجھے معلوم ہوتا رہے گا جس سے مجھ کو بڑی خوشی ہوگی
 میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کی سلطنت صدہا برس قائم رہے۔ الحاصل
 اسی قسم کی گفتگو کے بعد میں نے چاء پی اور مجھ کو خلعت
 مرحمت ہوا جس کے بعد کچھ تھوڑی سی دیر بیٹھ کر میں
 رخصت ہوا ایک شہزادہ مجھ کو صدر دروازے تک پہنچا گیا سب
 لوگوں نے مجھ کو مبارکباد دی۔

چھٹی اپریل کو بادشاہ کے ہاں سے روپیہ اشرفیاں اور کچھ
 سونے کے ریزے کاغذ میں لپٹے ہوئے سرکار لایا اور کہا کہ یہ آپ
 کے ذاتی اخراجات کے لیے ہیں۔ وہ سب مالیت تخمیناً چھ سو نوے
 پونڈ یعنی چھ ہزار نو سو روپے کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہی شخص
 پھر آیا اور پینتالیس پونڈ یعنی چار سو پچاس روپیہ منشی کے لیے لایا۔
 اور پھر ایک زردوزی سرخ سائن کا چغہ اور ایک اونچی نخل کی
 ٹوپ میرے لیے اور کچھ کپڑے منشی اور میرے ملازموں
 کے لیے آئے۔ تھوڑے عرصے بعد ایک گھوڑا نہایت عمدہ اسباب
 سے سجھا ہوا آیا اور اس کی باگ میرے ہاتھ میں دی گئی اور
 دعائیں پڑھی گئیں۔ شام کو میں پھر بادشاہ کی ملازمت کے
 لیے گیا۔ معمولی گفتگو کے بعد بادشاہ نے پھر یہی کہا کہ
 بمقابلہ ملکہ کے جو ہفت اقلیم کی حکمران ہیں میری کچھ حقیقت
 نہیں۔ اس کے بعد انگلستان کے ساتھ دوستی کا تذکرہ آیا خصوصاً
 میری دوستی کا بادشاہ نے فرمایا کہ جب میں تمہارا مونہ دیکھتا
 ہوں میرے دل میں ایک نیک شگون کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ میں نے
 عرض کیا کہ آپ کی بے انتہا نوازش سے میں اس کا مستحق نہیں ہوں

اور مجھ پر کیا منحصر ہے آپ میری تمام قوم اور ملکہ پر بھی ایسی ہی مہربانی فرماتے ہیں یہ سن کر بادشاہ نے سمجھا کہ جو چیزیں صبح کے وقت مجھے عطا فرمائی تھیں ان کی نسبت گویا میں نے یہ کہا کہ وہ میری قوم اور ملکہ کے واسطے ہیں چنانچہ فرمانے لگے کہ نہیں نہیں وہ سب چیزیں خاص تمہارے لیے ہیں تمہاری ملکہ کے لیے مناسب تحفہ میں مہیا کروں گا میں تمہارے ملک کے دستوروں سے ناواقف ہوں مگر تم ہمارے دوست ہو ہم کو بتاؤ گے کہ ملکہ کے لیے کیا کیا چیزیں بھیجنی مناسب ہوں گی۔ ملکہ کا مرتبہ بہت اعلیٰ ہے۔ میں بے حقیقت ہوں۔ میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاتا تم میرے ملک کے حال سے واقف ہو یہاں آونی کپڑا اور اسی قسم کی اور چیزوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا پس تم کو چاہیے کہ تم مجھ کو صلاح دو۔ میں نے جواب دیا کہ بادشاہوں کے لیے دوستی اور اتحاد ایک بہت بیش بہا تحفہ ہے جو وہ آپس میں ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں لیکن اگر میری مصلحت کو ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ اس میں تمہیں پُر چھوڑتا ہوں جب یانگ حصار میں ملاقات ہوگی تب اس کا انتظام کریں گے۔ یہاں کام کی کثرت ہے روس اور قوقان اور بخارا وغیرہ سب طرف سے لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں لیکن یانگ حصار میں سب کام چھوڑ کر تم سے مشورہ کروں گا۔ جو کچھ تم صلاح بتلاؤ گے وہ کروں گا خواہ خط لکھیں گے یا ایلچی بھیجیں ہے یا اور جو کچھ تم کہو گے سو کریں ہے۔ میں نے کہا کہ ایلچی بھیجنے کی رائے بہت عمدہ ہے اس کی تعمیل میں جو کچھ تائید مجھ سے ممکن ہے اس کے لیے میں حاضر ہوں۔ پھر بادشاہ نے انگلیوں پر شمار کر کے فرمایا کہ کل چہار شنبہ ہے پرسوں پنجشنبہ اور اترسوں جمعہ کو میں اپنے لڑکے کو یہاں چھوڑ کر یانگ حصار کو روانہ ہوں گا دو دن تم یہاں اور رہو میرا

ملک اور میری سب رعایا تمہاری ہے اور جمعے کے روز یا نگ حصار میں مجھ سے ملو۔ مجھ کو اُس جگہ سے نہایت اُنس ہے کیونکہ اس ملک میں میں نے پہلے پہل اسی شہر کو فتح کیا تھا میرا ارادہ ہے کہ جمعے کی نماز وہیں جا کر ادا کروں اُس کے بعد سب بندوبست ہوگا اور میں دو یا تین عقلمند رئیس بھی تمہارے ساتھ کر دوں گا وہ لوگ تم کو ہاتھوں ہاتھ آرام سے میرے ملک میں سے لے جاویں گے اور تمہارے ملک میں تمہارے ہمراہ جاویں گے۔ اس کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ میں نہایت محبوب اور شرمندہ ہوں کہ اس سے پیشتر اس ملک میں ایک انگریز آیا تھا اُس کو ولی خان ڈاکو نے مار ڈالا۔ میں نے جواب دیا کہ ہم لوگ خوب جانتے ہیں کہ آپ کا اُس میں ایماء نہ تھا اور نہ ہم آپ پر اُس کا الزام لگاتے ہیں وہ مسافر انگریز نہ تھا جرمن تھا مگر پھر بھی ہم لوگوں کو اُس کے مارے جانے کا بڑا رنج ہے کیونکہ وہ ہندوستان میں ہمارا مہمان تھا اور وہیں سے ترکستان میں آیا تھا۔ پھر بادشاہ نے چھ انگلیاں اُٹھا کر فرمایا کہ اتنے برس سے میرا اختیار اس ملک پر ہے اس سے پیشتر میں کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ جو بادشاہ باستحقاق موروثی بادشاہت حاصل کرتے ہیں اُس میں اُن کی کچھ لیاقت نہیں سمجھی جاتی بلکہ جو لوگ مثل تیمور اور سکندر کے اپنی قوت بازو سے بڑی بڑی سلطنتیں حاصل کرتے ہیں وہی قابل تعریف ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا خدا تمہارا قول سچا کرے اور یہ بھی کہا کہ ایک اور انگریز یارقند میں آیا تھا تم اُس کو جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ ایک انگریز مجھ کو تبت میں ملا تھا اور اُس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلو مگر میں نے انکار کیا کیونکہ میں نے صرف اپنے ہی لیے حضور سے درخواست کی تھی۔ بادشاہ نے کہا

خیر لیکن جو کوئی انگریز یہاں آوے میں اس سے خوش ہوں اس کے بعد میں رخصت ہوا نیچے اوپر تین بھاری بھاری چغہ جو بادشاہ نے عطا فرمائے تھے پہنے ہوئے تھا اس لیے گرمی کے مارے میں گھبرا گیا تھا۔

میں نے چاہا کہ اس سرکار کو جو بادشاہ کے حضور میں سے میرے لیے نقد و جنس لایا تھا کچھ دوں مگر اس نے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں سہان سے ذرا سی بھی کوئی چیز لے لوں تو بادشاہ میری گردن مار دے گا۔ اپریل کی بارہویں تاریخ صبح کو بادشاہ سے رخصت ہونے کو گیا۔ ملازمان شاہی مجھ کو قلعے میں لے گئے جس کے اندر جا کر صحن کی حد پر بادشاہ کو بیٹھے پایا حسب معمول میں روپرو بٹھایا گیا اور ترجان طلب ہوا۔ باہم مزاج پرسی کے بعد لمبی گفتگو ہوئی جس کا پورا پورا لکھنا ممکن نہیں مختصر یہ ہے کہ بادشاہ نے فرمایا کہ ایک معزز سید کو میں بطور ایلچی تمہارے ساتھ روانہ کرنا چاہتا ہوں جب اپری کاٹ میوے کی فصل آوے تب تم روانہ ہو کیونکہ اسی وقت راہ کھلی رہتی ہے اور یارقند اور شہید اللہ و کشمیر اور تبت سے اپنی خبز بھیجو پھر فرمایا کہ مہاراجہ کشمیر کے نام بھی کوئی خط لکھوں یا نہیں اس میں تمہاری کیا صلاح ہے۔ یہ کہہ کر میرے منہ کی طرف دیکھنے لگے میں نے چاہا کہ اس کا کچھ جواب نہ دوں لیکن جب بادشاہ نے مکرر پوچھا تو میں نے کہا کہ بڑے بڑے بادشاہوں کو باجگزار رئیسوں سے خط کتابت کرنا مناسب نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ میں یہی جاننا چاہتا تھا میں تمہارے ساتھ ایک شخص ایسا بھیجوں گا جو بالکل تمہارے حکم کے تابع رہے اس کو تم کشمیر سے جب جی چاہے واپس کر دیجو۔ پھر پوچھا کہ کشمیر میں کوئی ایسا تاجر مقرر کروں جو وہاں کے حالات لکھتا رہے۔ میں نے کہا

یشک رکھنا چاہیے اور امید ہے کہ آپ لاہور میں اپنا ایک وکیل رکھنے کا بہت جلد اہتمام فرماویں گے۔ یہ سب باتیں میں نے بہت رک رک کر کہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ ایسے امور میں صلاح دینا میرا کام نہیں ہے آپ اپنی تجویز سے کام کیجیے مگر بادشاہ سب باتوں میں دوستی کا حوالہ کر کے کہتے تھے کہ تم ہندوستان کے حال سے واقف ہو اور جب کہ تم سا دوست ایسی باتوں میں بھی صلاح نہ دے جن سے وہ واقف ہے تو اس سے اور کیا ہونا ہے۔ پھر ملکہ کی عظمت اور بزرگی کا تذکرہ ہوا اور بادشاہ نے کہا کہ ملکہ مثل آفتاب کے ہیں جس کی کرنوں سے ہر چیز کو گرمی پہنچتی ہے ایسے بڑے بادشاہ کی دوستی کے لائق تو میں نہیں ہوں مگر یہ امید رکھتا ہوں کہ مجھ کو بھی ان کی شعاعوں کی دھوپ کھانے کی اجازت ملے اور یہ بات میں اس لیے چاہتا ہوں کہ میرے چاروں طرف دشمن ہیں۔ اس کے بعد پھر میری دوستی کا ذکر ہوا اس پر میں نے عرض کیا کہ میرا دل آپ کے دل کے ساتھ وابستہ ہے۔ آپ نے جو کچھ الطاف اور نوازش میرے حال پر فرمائی ہے اس کا حال میں اپنے ملک کے لوگوں سے کہوں گا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ کسی منشی کو یا کسی اور ملازم کو میرے پاس بھیجا کیجیو اور اپنی خیر و عافیت کا حال لکھتے رہیو۔ میں بھی اپنا حال تم کو لکھوں گا اور اس ملک کی جو چیز مطلوب ہو وہ طلب کیجیو یہ سب تمہارا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اس گفتگو میں یہ نسبت پیشتر کے بادشاہ کی طرف سے مہربانی کا زیادہ اظہار ہوتا تھا بات چیت ہنس ہنس کر نہایت آسان فارسی میں کرتے تھے اور ہر جملے پر جھک کر یہ کہتے۔ شا صاحب سمجھے آخر کار چاء کے بعد مجھ کو خلعت مرحمت ہوا اور میں رخصت ہوا۔ بادشاہ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا خدا حافظ

اور پھر ہاتھ اٹھا کر عربی میں میری خیر و عافیت کے لیے دعا پڑھی اور چہرے پر سے ڈاڑھی تک ہاتھ پھیر کر کہا اللہ اکبر۔

یارقند کو واپس آتے ہوئے پندرہویں اپریل کو ہم ایک گاؤں میں ناشتے کے لیے اترے وہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا یعنی میں یوزباشی اور پنجا باشی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور چومارو نام میرا ملازم میرے لیے کوئی چیز لایا۔ یوزباشی میرے آدمیوں پر بہت مہربان رہتا تھا۔ اُس نے پنجا باشی سے ہنس کر کہا کہ یہ ایک ہندو ہے۔ ہندو کسی دوسری قوم کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ پنجا باشی کی طبیعت ذرا آزاد کم تھی۔ اُس نے حقارت کے ساتھ چومارو کو دیکھ کر ترشی سے کہا کہ تو ہندو ہے۔ چومارو نے یا تو جلدی میں یا یوزباشی کی مہربانی کے خیال کے ہنس کر جواب دیا۔ نہیں میں مسلمان ہوں۔ اُس پر دونوں شخص اچھل پڑے اور بولے کہ دیکھو اُس نے اپنے منہ سے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ ہم دونوں آدمی اس بات کے گواہ ہیں۔ میں چپ رہا۔ پھر ہنس کر جواب دیا کہ ہاں میں نے بھی سنا۔ لیکن خیر اب اس بات کو جانے دیجیے آئیے کھانا کھائیے کھانا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ وہ لوگ متعجب ہو کر بیٹھ گئے مگر وہی تذکرہ کرتے رہے میں نے دو ایک باتیں ہنسی کی کہہ کر اس بات کو ٹالا لیکن دیر تک میں بھی مشوش رہا کیونکہ وسط ایشیا کے متعصب مسلمانوں کی سختی کے حال سے میں واقف تھا یہ مسلمان کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اتفاق سے بھی ایک مرتبہ یہ کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں یا صرف یا اللہ کہے تو ہم اُس کو بھر بت پرستی نہیں کرنے دیتے یا وہ اسلام اختیار کر لے یا موت۔ یوزباشی نے پھر مجھ سے کہا کہ چومارو خوب بچا کہ اس موقع پر میرے اور پنجا باشی کے سوا اور کوئی نہ تھا ہم آپ کے سبب سے اسی بات

کو دباؤ دیتے ہیں تاکہ قاضی کے کان تک نہ جائے۔

شام کے وقت مجھ سے اور پنجا باشی دادا خان سے ایک پورانی عمارت کا تذکرہ ہوا۔ یہ عمارت کاشغر اور قوقان کی راہ پر مقام ارادن میں جو اس سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اس میں سے ایک پہاڑ میں کو پورانی سیڑھیاں ہیں جن پر سے ایک ایسے درے کی راہ ہے جس کا دروازہ نہایت تنگ اور چھوٹا ہے اور درہ بہت وسیع ہے۔ یہ سیڑھیاں اور عمارت چھل ستون کہلاتی ہے یہاں کے لوگ اس عمارت کی نسبت بجز اس بات کے کہ یہ عمارت قدیم ہے اور کوئی روایت نہیں رکھتے۔

شہر یارقند کی کل آبادی میرے اندازے سے پچھتر ہزار آدمیوں سے کم نہیں ہے نیا شہر یعنی قلعہ بہت چھوٹا قریب ہزار گز مربع کے ہے۔ اس کی آبادی پانچ ہزار سے کم نہ ہوگی پس کل آبادی شہر اور قلعے کی اسی ہزار آدمیوں کی ہوگی گو تعلیم ادنیٰ درجے کی ہوتی ہے مگر انتظام تعلیم بہت اچھا ہے۔ جہاں مسجد ہے وہاں اس کے ساتھ ایک ابتدائی مدرسہ بھی ہے۔ زیادہ عمر کے طالب علموں کے لیے یعنی پندرہ برس سے بیس برس کی عمر کے طالب علموں کے لیے پچاس یا ساٹھ مدرسے ایسے ہیں جن میں بہ حساب اوسط سو طالب علم تعلیم پا سکتے ہیں اور ان مدرسوں کے لیے زمین عطا ہوئی ہے ہر ایک طالب علم بھی تھوڑی سی فیس دیتا ہے مگر تعلیم وہاں صرف اسی قدر ہوتی ہے کہ کچھ لکھنا پڑھنا آجاوے اور قرآن شریف پڑھ سکیں۔ بعض اوقات قرآن شریف با معنی بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اسی تعلیم کی بنا پر لوگ اپنے آپ کو ملا لکھتے ہیں۔ اہل چین کے زمانے کی نسبت اب مدرسوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔ بالفعل اتالیق غازی نے بھی دو مدرسے جدید یارقند میں تعمیر اور قائم کیے ہیں جن کے ساتھ بڑے بڑے تالاب بھی

سایہ دار بنائے ہیں۔ اندجان والوں اور اتالیق غازی کے عہد سے اسلام کا ویسے ہی سختی اور تشدد کے ساتھ برتاؤ ہے جیسا کہ بخارا میں تھا۔ محتسب گلی کوچوں میں پھرتا اور جس مرد کو بلا دستار اور جس عورت کو بغیر برقعے کے دیکھتا ہے سزا دیتا ہے جہاں کہیں وہ گزرتا ہے ہر شخص راستہ چھوڑ کر اس خوف سے کھڑا ہو جاتا ہے کہ کہیں میری کوئی خطا نہ نکل آوے۔ میں نے سنا ہے کہ اتالیق غازی سوائے ایسے شخص کے جو ملک میں فساد برپا کرے لڑائی کے قیدیوں کو کبھی قتل نہیں کرتا۔ چوروں کی عام سزا پھانسی ہے اور بدکاروں کی گردن ماری جاتی ہے۔

گیارہویں مئی کو داد خواہ نے میرے لیے یوزباشی کی معرفت ایک گھوڑا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ میں نے سنا ہے آپ کوئی گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ خرید لیں گے تو میری میزبانی میں بٹہ لگ جاوے گا یہ وہی عمدہ گھوڑا تھا جس کی میں نے ایک مرتبہ تعریف کی تھی۔ پھر یوزباشی نے مجھ سے پوچھا کہ دادخواہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ کو اور بھی گھوڑے کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ میری تو زبان بند ہے کیونکہ جب میں گھوڑا خریدنے کی اجازت چاہتا ہوں دادخواہ اپنے پاس سے عنایت کر دیتے ہیں۔ بہت سی چیزیں مثل خچر اور ریشم وغیرہ کے میں خریدنا چاہتا ہوں لیکن اگر بلا اجازت خریدوں تو دادخواہ ناراض ہو جاویں گے اور جو اجازت چاہتا ہوں تو وہ خود ہی عنایت کر دیں گے۔ پس شرم کے سبب سے میں تو کچھ کہہ نہیں سکتا چپ ہوں۔

بارہویں مئی کی صبح کو داد خواہ کا ایک رقعہ منشی لے کر آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ اپنے لیے چیزیں خرید کرتے ہیں اس سے دادخواہ بہت ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھ کو کیوں نہیں

اطلاع دیتے جو میں سب چیزیں مہیا کر دوں یہ بات دوستی کے برخلاف ہے۔ تب میں نے منشی سے اس رقعے کے جواب میں لکھوایا کہ دادخواہ کی نوازش میرے حال پر اس قدر ہے کہ وہ مجھ کو صرف وہی چیزیں نہیں عنایت کرتے جن کی میں درخواست کرتا ہوں بلکہ وہ چیزیں بھی مرحمت فرماتے ہیں جن کی میں دل میں خواہش کرتا ہوں پس میں نے اب اپنے دل میں بھی کسی چیز کی خواہش کرنا ترک کر دیا ہے۔ میں ان کے بار احسان سے دبا جاتا ہوں اور مجھ کو بڑی شرم آتی ہے۔

بیسویں مئی کی صبح کو یوزباشی دادخواہ کے پاس سے یہ خبر لایا کہ اب وقت روانگی کا قریب آ گیا سامان سفر گھوڑے وغیرہ تیار کرنا چاہیے اور جو چیزیں درکار ہوں وہ خرید لینی چاہئیں اور مجھ سے پوچھا کہ دادخواہ آپ کے دوست ہیں آپ ان سے کیا تحفہ لیجیے گا۔ میں نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں دوست سے تحفہ لینے کا رواج نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ آپ اپنے ملک میں نہیں ہیں جہاں ہیں وہیں کا دستور برتنا چاہیے اور اگر آپ کسی تحفے کے لیے اپنی خواہش ظاہر نہ کریں گے تو دادخواہ ناراض ہو جاویں گے۔

بائیسویں مئی کی صبح کو میں یوزباشی کے ساتھ دادخواہ سے ملنے گیا وہاں موسم کی گرمی کا تذکرہ ہوا۔ دادخواہ نے کہا پانی نہیں برستا جو ہوا ٹھنڈی ہو۔ اندجان میں گرمی بہت ہوتی ہے لیکن وہاں اکثر پانی برستا ہے اس لیے وہاں کی گرمی برداشت ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا شاید اندجان کی آب و ہوا ہمارے ملک انگلستان کی آب و ہوا کے موافق ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اندجان میں جاڑے کے موسم میں برف کثرت سے پڑتی ہے اور گرمی میں پانی افراط سے برستا ہے یہی حال ہمارے ملک کا ہے۔ دادخواہ نے

کہا ہاں یہی حال ہے شاید اندجان کے ٹھیک مغرب اور مقابل میں انگلستان ہے جس کے سبب سے دونوں کی آب و ہوا یکساں ہے۔ تب میں نے سمجھایا کہ انگلستان اندجان سے شمال کی طرف واقع ہے اور قطب کے قریب ہے۔ بہ نسبت یہاں کے انگلستان سے وہ ستارہ آسمان پر زیادہ بلند نظر آتا ہے۔ دادخواہ نے کہا کہ میں یہ نہیں جانتا کہ ہفت اقلیم میں سے کس اقلیم میں آپ کا ملک ہے اور وہاں دن کتنے گھنٹے کا ہوتا ہے کیا سولہ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہم دنیا کو ہفت اقلیم پر تقسیم نہیں کرتے۔ ہمارے ہاں دنیا کے پانچ حصے ہیں۔ پس میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا ملک کس اقلیم میں ہے لیکن سب سے بڑے دنوں میں دن رات کے چوبیس گھنٹے میں سے اٹھارہ یا انیس گھنٹے کا دن ہوتا ہے۔ دادخواہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ تم تو اقلیم پنجم کے کنارے پر ہو۔ میں نے کہا کہ اس سے بھی اور شمال کی طرف جہاں ہمارے جہاز بڑی بڑی مچھلیاں پکڑنے جاتے ہیں وہاں گرمی کے موسم میں آفتاب شب و روز آفاق سے نیچے نہیں آتے۔ دادخواہ نے پوچھا کہ وہاں کس قسم کے لوگ آباد ہیں اور کہا کہ ہمارے قاعدے کے موافق ایسی آب و ہوا سے جسم میں بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ میں نے وہاں کے باشندوں کا حال بیان کیا اور کہا کہ ان کے قد ہمارے سینے سے اونچے نہیں ہوتے اس پر دادخواہ نے کہا کہ وہ سردی سے ٹھہر گئے ہوں گے۔ میں نے پھر کہا کہ ہمارے ملک سے اکثر جہاز اور ذی علم لوگ ملکوں کی تحقیقات کے لیے جایا کرتے ہیں۔ دادخواہ نے کہا کہ عقلمند گورنمنٹ کا یہی طریقہ ہے کہ سب باتوں سے مطلع رہے۔

شا صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے ملک اور آب و ہوا کا تذکرہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے لکھا ہے کہ دادخواہ ذہین اور

عالم شخص ہے کیونکہ ایشیا کے رہنے والوں کو جو یورپ کے علوم سے ناواقف ہیں اس بات کی واقفیت نہیں ہوتی کہ جس قدر شمال کی طرف جائیں اسی قدر دن اور رات میں فرق ہوتا جاتا ہے گو میں نے صرف اتنی ہی بات کہی تھی کہ قطب کے قریب کے ملکوں میں گرمی کے موسم میں ہر وقت آفتاب موجود رہتا ہے اور اس بات کو میں کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ سردی میں آفتاب مطلق طلوع نہیں ہوتا تاہم دادخواہ نے فوراً سمجھ لیا کہ وہ ملک سرد ہوگا۔

اٹھائیسویں مئی کو یوزباشی نے آکر یہ خبر دی کہ پرسوں کی تاریخ آپ کی روانگی کی قرار پائی۔ ظہر کی نماز کے بعد میں دادخواہ سے ملنے کو گیا اور اُن سے پوچھا کہ ہندوستان سے میں آپ کے لیے کیا چیز بھیجوں۔ اُنھوں نے جواب دیا میں سپاہی ہوں سوائے بندوق کے اور کس چیز کی مجھے خواہش ہے مگر میں تمہاری خیر و عافیت چاہتا ہوں اور پھر بندوق کے لیے درخواست کرتا ہوں جو ایلچی میرے ساتھ روانہ ہونے والا تھا میں نے اُس کا حال دریافت کرنا چاہا مگر دادخواہ نے بالکل لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ اب آپ نے دروازہ آمد و شد کا کھولا ہے آپ کی دوستی اور آپ کا نام میرے دل پر نقش کا لہجر ہے جو بجز موت کے مٹ نہیں سکتا۔ اس کے بعد میں سب سے رخصت ہوا۔

ایتھی نیم کلب لندن

(تہذیب الاخلاق بابت ماہ رجب ۱۲۹۷ھ صفحہ ۲۳۱)

لندن میں یہ ایک نہایت نامی اور معزز کلب ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ معزز کوئی کلب نہیں ہے۔ اس کلب میں جو کوئی ممبر ہوتا ہے اس کے دوست اس کو مبارکباد کی چٹھیاں لکھتے ہیں اور اس کو ایسا فخر ہوتا ہے کہ ویسا فخر کسی خطاب کے ملنے سے بھی نہیں ہوتا۔

اگر ہماری یاد میں غلطی نہ ہو تو اس کلب میں یہ قاعدہ ہے کہ کوئی شخص جو صاحب تصنیف نہ ہو یا اور کسی کمال میں مشہور نہ ہو۔ وہ اس کلب کا ممبر نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی قاعدہ ٹھہرایا ہے کہ اس کلب میں بارہ سو ممبر سے زیادہ نہ ہوں گے۔

سینکڑوں آدمیوں کی درخواستیں ممبر ہونے کے لیے آتی ہیں کہ بر وقت خالی ہونے کسی ممبری کے آن کا تقرر ہو اور ان کا نام بطور امیدواران ایک رجسٹر میں مندرج ہوتا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں جبکہ ہم لندن میں تھے۔ تین ہزار سے زیادہ امیدواروں کا نام رجسٹر میں مندرج تھا اور دس دس و بارہ بارہ برس امیدواری پر گذر گئے تھے۔

دوامی ممبروں کے سوا جن کی تعداد بارہ سو سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ کوئی نامی اور مشہور شخص کسی میعاد معین کے بے آنریری ممبر ہو سکتا ہے۔ ہم کو دو دفعہ اس کلب کے آنریری ممبر مقرر ہونے کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ پہلے تقرر کی میعاد گذر جانے کے بعد دوسری دفعہ پھر تقرر ہوا اور جب تک

ہم لندن میں رہے اس معزز کلب کے آنریری ممبر تھے۔

ایڈورڈ ٹامس صاحب جو نہایت ذی علم اور نامی مصنف ہیں اور قدیم زمانہ کے تاریخی حالات کی تحقیقات میں اور قدیم سکوں اور کتبوں کے انکشاف حال میں ید طولی رکھتے ہیں اور اس کلب کے منتظم ممبروں میں ہیں۔ وہ ہمارے آنریری ممبر ہونے کے باعث ہوئے تھے۔ جس کی عزت ہمیشہ میرے دل میں رہے گی۔

اس کلب کی روحانی خوبیوں کا لکھنا تو نہایت مشکل ہے مگر جو ظاہری باتیں ہیں ان کا کسی قدر بیان کیا جاتا ہے۔ گو اس کا لطف بھی بغیر دیکھے حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثل مشہور ہے

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ہال مال میں ایک نہایت عالیشان مکان دو منزلہ بنا ہوا ہے۔ ممبر جو وہاں جاتے ہیں اکثر حاضری کھا کر جاتے ہیں اور رات کا کھانا کھا کر آتے ہیں۔ ممبروں یا آنریری ممبروں کے سوا اور کسی کو وہاں جانے کا استحقاق نہیں ہے۔ جب اس کے دروازے میں داخل ہو تو نیچے کی منزل کا ایک کمرہ ملتا ہے۔ جس میں فرش ہے اور دو تین کوچیں بچھی ہوئی ہیں اور اس کے کونے میں ایک چھوٹا سا کمرہ بطور حجرہ کے بنا ہوا ہے۔ جس کی دیواریں آئینہ بندی کی ہیں۔ اس میں ایک شخص بطور مینجر کے رہتا ہے۔ جو تمام احکام ممبران کی تعمیل کرتا ہے۔ اس چھوٹے کمرہ کی دیواریں آئینہ بندی کی اس لیے ہیں کہ جو شخص وہاں آوے مینجر کو معلوم ہو۔

چونکہ اس کلب میں ممبر بہت دیر تک رہتے ہیں اور ان کے دوستوں کو ان کے گھر پر ان سے ملنے کا بہت کم موقع ہوتا ہے اس لیے ان کے دوست بحالت ضرورت کلب ہی میں ان سے ملنے

آتے ہیں اور اس ڈیوڑھی کے کمرہ میں ٹھہرتے ہیں۔ جو ملازم بطور چپراسی حاضر باش کے وہاں موجود ہوتا ہے اس کو اپنا ٹکٹ دیتے ہیں اور وہ چپراسی اس ٹکٹ کو اس ممبر کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ جس سے وہ ملنے آئے ہیں۔ وہ ممبر وہاں آجاتا ہے اور مل کر چلا جاتا ہے۔ یہ ملاقات گپ شپ کی ملاقات نہیں ہوتی۔ ضروری بات سن لی۔ جواب دے دیا۔ چار پانچ منٹ سے زیادہ ملاقات میں صرف نہیں ہوتے۔

اس ڈیوڑھی کے کمرہ کے دائیں طرف ایک نہایت وسیع کمرہ بطور ہال کے ہے۔ یہ کمرہ اخباروں کے پڑھنے کا ہے نہایت عمدہ فرش سے آراستہ ہے۔ عمدہ عمدہ کوچیں اور آرام چوکیاں بچھی ہوئی ہیں۔ بیچ میں درجہ دار گول میز لگی ہوئی ہے۔ جس پر گویا تمام دنیا کے اخبار رکھے جاتے ہیں۔ چاروں طرف دیواروں میں عمدہ سے عمدہ جغرافیہ کے نقشے اس حکمت سے لگے ہوئے ہیں کہ ایک ادنیٰ اشارہ سے کھل جاتے ہیں اور ادنیٰ اشارہ سے از خود لپٹ جاتے ہیں۔ جو ممبر اخبار پڑھنا چاہتے ہیں اس کمرہ میں آتے ہیں اور کوچوں اور آرام چوکیوں پر بیٹھے اخبار پڑھتے ہیں۔ اگر کسی خبر میں ایسا مضمون ہوا جس کے سمجھنے کو جغرافیہ کا نقشہ دیکھنا ضرور ہے۔ ایک اشارہ ڈوری کا کیا نقشہ کھل گیا۔ جب دیکھ لیا، چھوڑ دیا نقشہ از خود لپٹ گیا کوئی شخص اس کمرہ میں آپس میں باتیں نہیں کرتا۔ خاموش مثل تصویر اخبار پڑھتے ہیں۔ جو کوئی آتا ہے نہایت آہستہ سے چلتا ہے کہ پاؤں کی آواز نہ ہو اور دوسروں کے پڑھنے میں ہرج نہ ہو اور ذہیان نہ بٹے۔

اس کے پہلو میں ایک اور بڑا کمرہ ہے۔ اس میں لکھنے کا سامان ہر قسم کا موجود ہے۔ بیچ میں گول میز درجہ دار لگی

ہوئی ہے۔ ہر قسم کا کاغذ اور چٹھیا لکھنے کے متعدد قسم کے کاغذ و لفافے رکھے ہوئے ہیں۔ لکھنے کے خوبصورت مقام مہیا ہیں اور ہر جگہ دوات و قلم موجود ہے۔ جس ممبر کو کچھ لکھنا ہو اس کمرہ میں جاتا ہے اور لکھنے میں مصروف ہوتا ہے۔

جو ممبر چٹھیا ڈاک کی روانگی کے لیے لکھتے ہیں۔ انہوں نے چٹھی لکھی اور اسی میں ایک نل بنا ہوا ہے۔ اس میں ڈال دی۔ وہ چٹھی اس مینجر کے پاس پہنچی۔ اس نے اس کا وزن کیا۔ ڈاک کے محمول کے ٹکٹ لگائے اور روانہ کردی۔

جو لوگ اس کلب کے ممبر ہیں۔ ان کے نام کی چٹھیاں اکثر اسی کلب کے پتہ سے آتی ہیں۔ جو لوگ وہاں موجود ہوتے ہیں۔ مینجر ان کو وہ چٹھیاں تقسیم کر دیتا ہے۔ جو اور ملک میں چلے جاتے ہیں وہ اپنا پتہ مینجر کو بتلا جاتے ہیں اور وہ اُس پتہ پر روانہ کر دیتا ہے۔ ہر ایک ممبر کے لیے ڈاک کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ شاید اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

ڈیوڑھی کے کمرہ کے بائیں طرف ایک اور بہت وسیع کمرہ ہے۔ یہ کھانے کا کمرہ ہے۔ جو نہایت عمدگی سے کھانا کھانے کے سامان سے آراستہ ہے۔ تمام عمدہ سے عمدہ اشیاء کھانے اور پینے کی یہاں موجود ہیں۔ خانہ سامان و خدمت گار نہایت خوبصورت وردیاں پہنے حاضر ہیں جا بجا چھوٹی و بڑی میزیں لگی ہوئی ہیں۔ ہر وقت ہر چیز موجود ہے۔ جس ممبر کا دل چاہے اُس میں جاوے اور جو چاہے کھاوے اور پیوے۔

چرٹ بھی نہایت عمدہ اقسام کے موجود ہوتے ہیں۔ چرٹ پینے کے لیے ایک علیحدہ کمرہ ہے۔ جس کی دیواریں اور چھت بالکل آئینہ بندی کی ہیں۔ اس کے اندر سے باہر کا چمن پھولوں کا بالکل دکھائی دیتا ہے۔ اُس کی چھت میں دھواں نکلنے کے لیے ایک

روشن دان ہے - جس میں سے چُرٹ کا دھواں نکل جاتا ہے -

لندن میں چونکہ سردی ہے اور اس سبب سے ہمیشہ کمروں کے کواڑ بند رہتے ہیں - اس لیے چُرٹ پینے کے لیے علیحدہ خاص کمرہ ہوتا ہے - ہر کمرہ میں چُرٹ نہیں پی سکتے - کیونکہ اس کا دھواں باہر نہیں نکل سکتا اور کمرہ کی دیواروں پر جو سنہرا اور گلدار کاغذ لگا ہوتا ہے - اُس میں چُرٹ کے دھوئیں کی بُو ہو جاتی ہے اور اس لیے ہر جگہ چُرٹ پینا ایک بد تمیزی کی بات خیال ہوتی ہے اور چُرٹ پینے کا کمرہ علیحدہ بنا ہوا ہے -

اس کھانے کے کمرہ میں نہایت عمدہ انتظام ہوتا ہے - اُس میں ممبروں کو اختیار ہے کہ تنہا کھاویں یا چند ممبر جو آپس میں نہایت دوست ہیں - ایک میز پر کھاویں - وہ خانسامان کو حکم دیتے ہیں - کہ پانچ آدمی یا چھ آدمی یا زائد یکجا کھاویں گے - یہ فی الفور اُسی مقدار کی میز کو آراستہ کر دیتا ہے - جو ممبر وہاں جاتے ہیں - اکثر ٹفن اور رات کا کھانا وہیں کھاتے ہیں - رات کے کھانے میں آپس میں بولنے، ہنسنے، بات چیت کرنے کی کچھ ممانعت نہیں ہے -

ہم بھی اُس کمرہ میں چند دفعہ گئے ہیں - مگر ایک رات جبکہ ہمارے دوست ایڈورڈ ٹامسن صاحب نے بلایا تھا - نہایت لطف تھا - قریب پندرہ سولہ آدمیوں کے ایک میز پر تھے اور اُس میز پر تین شخص ایشیا کے رہنے والے تھے ایک میں، ایک حاجی محمد حسین خاں سفیر شاہ ایران - اور ایک منشی صاحب جن کا نام اس وقت یاد نہیں ہے اور مدرستۃ العالیہ دارالسلطنت روس کے مدرس اول زبان فارسی کے تھے اور اسی زمانہ میں سینٹ پیٹرز برگ (پیٹرو گراڈ) سے لندن کی سیر کو آئے تھے - نہایت لطف سے وہ کھانا ہوا - جس میں سوائے میرے اور سب لوگ نہایت عالم و فاضل و نامی و گرامی

اور ایک نہ ایک فن میں مشہور و کامل تھے ۔

اوپر کی منزل اس سے بھی زیادہ عجیب ہے ۔ ایک کمرہ نوکروں کے حاضر رہنے کا ہے ۔ ایک کمرہ اس لیے ہے کہ وہاں جاکر چرٹ پی سکیں یا ٹہل سکیں ۔

علاوہ اس کے ایک نہایت وسیع کمرہ ہے ۔ سب کمروں سے زیادہ وسیع اس میں جا بجا لکھنے پڑھنے کی میزیں لگی ہوئی ہیں اور اس کے پاس نہایت عمدہ و نفیس کتب خانہ ہے ۔ جس میں داروغہ کتب خانہ حاضر رہتا ہے ۔ جو ممبر کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں ۔ کوئی کتاب یا رسالہ تالیف کرتے ہیں ۔ کوئی مضمون لکھنا چاہتے ہیں یا کسی بات کی تحقیقات پر کچھ لکھتے ہیں ۔ وہ اس کمرہ میں جاتے ہیں اور جو جگہ ان کے لیے تجویز ہوتی ہے ۔ وہاں بیٹھ کر اپنا کام کرتے ہیں ۔ جو کتاب درکار ہوتی ہے فی الفور کتب خانہ سے ملتی ہے ۔

یہ کمرہ درحقیقت تصویر کا عالم ہے ۔ بات کرنی یلہ آواز دینی تو درکنار کھانسنہ بھی نا مناسب خیال کیا جاتا ہے ۔ اس قدر آہستہ سے آٹھنا اور چلنا ہوتا ہے کہ ذرا آواز نہ ہو ۔ بلکہ بقول شخصے کہ حرکت بھی نہ معلوم ہو ۔ ہر ایک شخص اپنے خیال میں اور اپنی دھن میں ایسا مصروف ہوتا ہے کہ اس کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہوتی ۔ بڑے بڑے عالم دانشمند اپنی فکر اور اپنے علم اور اپنی تحقیقات کا نتیجہ قلم کی زبان سے اس مقام پر دنیا کی اطلاع کے لیے ظاہر کرتے ہیں ۔

آسی کمرہ میں ہم نے ڈین اسٹائلے کو دیکھا جو نہایت مشہور عالم لندن میں ہیں ۔ وہ کسی امر کی تحریر میں مشغول و مستغرق تھے ۔ پہلی دفعہ انہوں نے بے انتہا مہربانی ہم پر یہ کی کہ کرسی پر سے آٹھ کر ہم سے ہاتھ ملایا اور پھر چپکے بیٹھ گئے ۔ یہ پہلی

ملاقات تھی۔ ہم خاموش ایک کونے میں کھڑے ہو گئے اور چپکے آن عالموں کو دیکھا کیے جو اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ آن کو دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی تھی اور عقل متحیر ہوتی تھی۔ کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں۔

لندن میں ایک اخبار چھپتا ہے جس کا نام پال مال گزٹ ہے۔ ہم کو شبہ پڑ گیا۔ کہ یہ اخبار آسی کلب سے متعلق ہے۔ یا اس سے علیحدہ۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کلب کے اکثر ممبروں کے مضمون اور آرٹیکل اس اخبار میں چھپتے ہیں اور اسی لیے وہ اخبار نہایت عمدہ اور ذی وقعت خیال کیا جاتا ہے۔

ہمارے ہموطن اس مضمون کو پڑھ کر کسی قدر خیال کر سکیں گے کہ یورپ میں کلب کس مقصد کے لیے قائم ہوتا ہے۔ اور کیا نتیجہ اس کلب سے حاصل ہوتا ہے۔ ہندوستان میں اگر کوئی کلب قائم ہو تو اس کا نتیجہ بجز اس کے کہ ایک مکان میں چند صورتیں جمع ہو جاویں اور حقہ کی گڑ گڑ بلند آواز ہو اور پانوں کی تواضع کی جاوے اور آپس میں مل کر کچر کچر لغو و بیہودہ باتیں کریں اور قہقہہ آڑاویں اور کیا ہو سکتا ہے۔ زیادہ ترقی ہو تو ایک دوسرے کو کچھ سخت کہہ بیٹھتے۔ کیا عجب ہے کہ نوبت رنجش اور سخت کلامی و ہاتا پائی کی پہنچے۔ ان تمام چیزوں کے لیے وہ لیاقت چاہیے جس کے لیے ایسے مجمعے موضوع ہیں۔ جب ہم میں ایسے لوگ ہی موجود نہیں ہیں جو ایسے مقاموں اور ایسے مجموعوں کے لائق ہوں تو کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

ہم نے علیگڑھ سائنٹفک سوسائٹی قائم کی۔ اس کے لیے ایسا عمدہ و عالیشان مکان بنایا جو اس وقت تک ہندوستان کے ہندوستانی مجموعوں کے لیے نہیں ہے۔ پھر اس سے کیا نتیجہ ہے۔

ہم وہ آدمی کہاں سے لاویں جو اپنے ملک - اپنی قوم کی بھلائی و ترقی کے لیے کچھ محنت اختیار کریں - اس کو جانے دو - ہم کو تو ایسے دو چار آدمی بھی نہیں ملتے جو اس مکان میں بیٹھ کر اگر کچھ نہ کریں تو اپنی قوم کی ابتر حالت پر روویں ہی -

ہاں اس مکان کا باغ ایسا عمدہ آرامتہ ہے جو بہت ہی کم اپنا نظیر رکھتا ہے - وہ بھی کسی ہندوستانی کی سعی و کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک فیاض و عالی ہمت اور نیک دل ، نیک خصلت ، فرشتہ سیرت - ہمہ تن نیکی و سرتا پا خیر مجسم یورپین لیڈی کا نتیجہ ہے - جس نے اپنے شوق و محنت سے اس کو آرامتہ کر دیا ہے - ہماری قوم میں تو اتنی بھی لیاقت نہیں ہے - کہ اس پر فضا باغ کی سیر کے بھی لائق ہوں - پس کسی جگہ ، کلب یا سوسائٹی قائم ہونے سے ہم کو کیا خوشی ہو سکتی ہے -

اے ہمارے عزیز ہموطنو! ہمارے قوم کے جو لوگ بوڑھے

ہیں - وہ کے دن کے ہیں - ان کو خدا جلد بہشت نصیب کرے گا - جو جوان ہیں - ان سے ہاتھ آٹھاؤ - جب درخت کی شاخ سخت (خشک) ہو جاتی ہے - وہ ٹوٹ جاتی ہے - پر کسی طرف پھر نہیں سکتی - ہاں اپنی اولاد کی جو چھوٹی پود ہے - خبر لو ان کی تعلیم و تربیت کا فکر کرو - تمہاری حالت تمہارے باپ دادا کی حالت سے زیادہ خراب ہے اور تمہاری اولاد کی حالت تم سے بھی بہت زیادہ بدتر اور ابتر ہوگی - اگر تم اس کی فکر نہ کرو گے - تمہاری ارواح قبر میں ان کے لیے روئے گی -

سکرٹری مہن کلب الہ آباد نے اپنی رپورٹ میں مدرسۃ العلوم علیگڑھ کا ذکر کیا ہے - ہم نہایت سچے دل سے اور تمہاری نہایت خیر خواہی سے کہتے ہیں کہ صرف یہی ایک علاج ہے - جو تمہاری اولاد کی بھلائی و بہتری کے لیے ہو سکتا ہے - اے عزیز

ہموطنو! تم نے اس مدرسہ کی نہایت ناشکری کی ہے اور بہت کچھ جھوٹ اور محض غلط باتیں اپنی بد اقبالی اور بد قسمتی سے اس کی نسبت کہی ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ تم آؤ اور اس کی حالت کو دیکھو اور خود اپنی دریافت اور اپنی تحقیقات سے اس پر رائے قائم کرو اور اس کی تکمیل پر ہمت باندھو، دیکھو، سمجھو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اس وقت تم جھوٹی باتیں بنا کر ہنس لو۔ قہقہے آڑا لو مگر یقین جان لو کہ اس کے بعد رونا اور دانت پسنا ہے۔

تاریخ سرکشی ضلع بجنور

الہی تو مجھ کو توفیق دے کہ یہ تاریخ میری پوری ہو اور صحیح بات اس میں لکھنے کی ہدایت کر، کیونکہ طرفداری کی تاریخ لکھنی ایسی بے ایمانی کی بات ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا وبال قیامت تک مصنف کی گردن پر ہوتا ہے۔ اس تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے بہت سا اس میں میری آنکھ کا دیکھا ہے اور بہت سا اپنے ہاتھ کا کیا ہوا اور اس کے سوا جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت تحقیقات سے اور بہت صحیح اور نہایت سچ لکھا ہے۔

حالات و واقعات | میرٹھ میں جو فساد اور نمک حرامی

دسویں مئی ۱۸۵۷ء کو ہوئی تھی اس کی خبر گیارہویں تاریخ تک بجنور میں نہیں آئی تھی۔ بارہویں تاریخ کو یہ خبر مشہور ہوئی اور پے در پے اس کے آثار نمودار ہوتے گئے، یعنی کنارہ گنگا تک راہ لٹنے لگی اور آمد و رفت مسافروں کی بند ہو گئی۔ بارہویں اور تیرہویں کو جو مسافر بجنور سے میرٹھ کو جاتے تھے راہ سے اولٹ آئے مگر ضلع بجنور میں اب تک کچھ غدر نہ تھا۔

کیفیت پھیلنے غدر کی بجنور میں | رفتہ رفتہ ضلع بجنور میں بھی غدر

شروع ہوا۔ راہیں لٹنے لگیں۔ سولہویں مئی ۱۸۵۷ء کو درمیان موضع جہال و اولینڈہ تھانہ بجنور میں غارت گری ہوئی کہ گوجروں نے مسمیٰ دیبی داس بزاز کو لوٹا۔ اسی طرح شہبازپور کھدر پر ڈاکہ پڑا کہ گوجروں نے مل کر اس گاؤں کو لوٹ لیا اور یہ سب سے پہلا گاؤں ہے جو ضلع بجنور میں لٹا۔ اسی تاریخ سولہ

ہزار روپیہ جو چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور نے بابت اپنی مالگذاری کے بجنور کو روانہ کیے تھے بجنور میں پہنچے اور داخل خزانہ ہوئے۔ بعد اُس کے سترھویں مئی کو سربراہ ڈاک مسٹر کاری صاحب بہادر کو گھاٹ راولی پر لوٹا گیا۔ اگرچہ ان وارداتوں کے مجرم تدبیر اور کوشش جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر سے بہ تعیناتی تھانہ داران اور میر تراب علی تحصیلدار و افسر پولیس کے گرفتار ہوئے اور کچھ مال مغروہ بھی برآمد ہوا اور لوگوں کو ڈر اور خوف بھی ہوا مگر گوجر اپنی بد معاشی سے باز نہ آئے۔ علی الخصوص اس سبب سے کہ پار کے گوجروں سے اس ضلع کے گوجروں کو حرمزدگی کرنے کی بہت مدد ملتی تھی۔

گوجروں کے فساد کا بیان | اگرچہ شروع فساد سے گوجروں کی نیت بد ہو گئی تھی مگر اُن کو اُس کا اثر ظاہر کرنے کے لیے ایک عجیب حیلہ ہاتھ آیا۔ قوم روہ نے جو بہت عمدہ کاشتکار اس ضلع کے ہیں اور نامردی میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں گوجروں سے چھیڑکی کہ ایک گوجری مع اپنے خاوند اور نانی کے سرحد موضع شہباز پور پر گنہ مند اور مسکن قوم روہ میں جاتی تھی۔ روہوں نے گوجری کو پکڑ لیا اور اُس کا خاوند مارا گیا نانی بھاگ کر موضع شیخوپورہ میں بساؤں پدھان قوم گوجر کے پاس گیا اور حاکم کو چھوڑ کر گوجروں کی برادری سے فریاد کی۔ سب گوجر متفق ہوئے اور روہوں کا لوٹنا اور برباد کرنا مصمم ٹھہرایا، چنانچہ راجی والہ میں سب گوجر جمع ہوئے اور شہباز پور اور ابوالخیر پور بنکر جو دونوں قریب قریب تھے آ مارا، سب گھر لوٹ لیے اور اکثر جلا دیے۔ چھ آدمی قتل و زخمی ہوئے اور گوجری کو لے گئے۔

انتظام ضلع کی تدبیریں | ابتدائے فساد سے جناب صاحب مجسٹریٹ نے مناسب تدبیریں انتظام ضلع کی کرنی شروع کی تھیں۔

رجمنٹوں کے رخصتی سوار جو ضلع بجنور میں موجود تھے ان کو بھی بلا لیا تھا اور کچھ سوار بھی نوکر رکھنے شروع کیے تھے اور تھانہ داروں اور افسر پولیسوں کو بھی بقدر مناسب برقدار بڑھانے کو لکھ بھیجا تھا اور خاص شہر کی حفاظت کے لیے یہ تدبیر کی تھی کہ چودھری نین سنگھ رئیس بجنور کو اجازت دی تھی کہ رات کو شہر کا گشت کیا کریں ، چنانچہ چودھری صاحب ایسا ہی کرتے تھے اور جناب مسٹر الگزیٹر شیکسپیئر صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر بھی مناسب مناسب جگہ پر رات کو پھرتے اور خبرداری کرتے رہے اور ہم تینوں افسروں نے اپنی جمیعت ملازمین وغیرہ کے دو غول کیے پہلا غول محمد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ کا تھا کہ وہ اپنے غول کو ساتھ لے کر رات کو گشت کرتے تھے ۔ دوسرا غول مجھ صدر امین اور میر سید تراب علی تحصیلدار بجنور کا تھا کیونکہ ہمارے پاس نوکر کم تھے اس لیے دونوں آدمیوں نے مل کر ایک غول بنا لیا تھا اور یہ دونوں غول رات کے وقت علحدہ علحدہ شہر بجنور اور اندھیرے باغات کا جو متصل آبادی تھے اور جیل خانہ اور خزانہ کا گشت کرتے تھے اور سب طرف پھر پھرا کر ہم تینوں افسر مع اپنے اپنے غولوں کے کوٹھی جناب صاحب کلکٹر بہادر پر حاضر ہو کر تمام رات کمر باندھے کرسیوں پر بیٹھے پھرا دیتے ، کیونکہ شورش ضلع میں حد سے زیادہ ہو گئی تھی اور کوئی وقت اندیشہ سے خالی نہ تھا مگر اپنے جناب صاحب کلکٹر بہادر کی مہربانی اور عنایت کا شکر ادا نہیں کر سکتے کہ ہمارے لیے سب طرح کی آسائش کا سامان وہاں مرتب تھا اور بہت اچھا شامیانہ ہمارے لیے کھڑا کر دیا تھا اور ہم بہ آسائش تمام اس میں رہتے تھے۔

۲۹ پٹن کی کمپنی کا سہارنپور | اٹھارویں مئی ۱۸۵۷ء کو دفعہ سے مجنور میں آنا
ایک کمپنی تلگنوں کی جو سہارنپور

سے مراد آباد جاتی تھی مجنور پہنچی اور مجھ کو یوں خبر ملی کہ وہ کمپنی بگڑ کر آئی ہے اور صوبہ دار اور دو چار تلنگہ جناب صاحب کلکٹر بہادر کی کوٹھی پر آگئے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی میں گھبرا کر صاحب ممدوح کے پاس گیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ بطور بدلی مراد آباد کو جانی ہے میں نے بے ادب مدح خاں صوبہ دار کو صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ کچھ اپنا حال اور جو مقابلہ اس کا قریب اللہ باس گوجروں سے ہوا تھا عرض کر رہا تھا مگر اس کی بے ادبانہ گفتگو اور لاپرواہ اور مغرور نشست سے جو بدی اس کے دل میں تھی اس کے چہرہ سے ظاہر ہوتی تھی۔ اس دن یہ تجویز ہوئی کہ اس کمپنی کے قیام مجنور کی تدبیر کی جاوے چنانچہ تدبیر بھی ہوئی جس سے میں بہت ڈرتا تھا۔ مگر جب ان کی بات چیت کا جو آپس میں کرتے تھے اور نیز بازاروں میں بکتے پھرتے تھے حال معلوم ہوا تو ان کا قیام مجنور میں نہایت نامناسب معلوم دیا اور باوجودیکہ مراد آباد سے اجازت ان کے رکھ لینے کی آگئی تھی مگر ان کا چلا جانا غنیمت سمجھا جاتا تھا اور وہ خود بھی رہنا نہیں چاہتے تھے اس سبب سے وہ مراد آباد چلے گئے۔

مراد آباد کے جیلخانہ کا ٹوٹنا | ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو مراد آباد کا اور اس کے سبب سے ضلع مجنور میں زیادہ تر بد نظمی کا ہونا۔
جیلخانہ ٹوٹا اور یہ خبر بہت جلد ضلع مجنور میں پہنچی اور بلکہ بعض دیہات

میں کچھ قیدی بھاگ بھاگ کر آگئے اس خبر کی شہرت سے ضلع میں زیادہ تر بد نظمی ہوئی اور ہر چہار طرف دیہات سے ہزار ہا گنوار جمع ہونے لگے اور کسی کے دل میں عملداری کی دہشت باقی نہ رہی اور ہم لوگوں کو ہر دم یہ اندیشہ ہونے لگا

کہ بنیادا بجنور پر ڈاکہ پڑے اور خزانہ سرکاری لٹ جاوے مگر ہم لوگ بدستور اپنی ہوشیاری سے جہاں تک ممکن تھا گشت و گرداوری اور گنواروں کو رعب ظاہری دکھانے میں کچھ تقصیر نہیں کرتے تھے اور بجنور کی ایک بہت اچھی ہوا باندھ رکھی تھی کہ اس کے سبب گنواروں کے دلوں پر بجنور کا ایک خوف طاری تھا۔

سفر مینا کی باغی کمپنیوں کا
نجیب آباد میں آنا

اسی اثنا میں سفر مینا کے تین سو سپاہیوں نے رڑکی میں سرکشی کی اور ایک کمپنی سفر مینا کی جو رڑکی سے سہارنپور کا انڈرانچیف صاحب بہادر کے کمپ میں شامل ہونے کو بھیجی گئی تھی راستہ سے رڑکی واپس آئی اور ان سب نے مل کر رڑکی سے لنڈھورہ کو کوچ کیا اور لنڈھورہ کی رانی سے پیغام کیا کہ وہ ان کو اپنے پاس نوکر رکھ لے اس وعدہ پر کہ وہ رڑکی وغیرہ سب اس کو فتح کر دیں گے مگر اس نے منظور نہ کیا۔ تب انہوں نے ارادہ کیا کہ نجیب آباد کے نواب کے پاس جا کر اپنا ارادہ پورا کریں، چنانچہ وہ نجیب آباد روانہ ہوئے اور بیسویں مئی کو نجیب آباد پہنچے۔

ناعمود خاں اور احمد اللہ خاں
کا صوبہ داروں سے مصلحت کرنا

اتنی بات تو تحقیق ہے کہ جب یہ سپاہی نجیب آباد پہنچے تو ان میں کے چند افسر اور کچھ سپاہی احمد اللہ خاں تحصیلدار نجیب آباد کے پاس گئے اور علیحدہ مکان میں بیٹھ کر کچھ گفتگو اور مصلحت کی، پھر وہاں سے احمد اللہ خاں ان سب آدمیوں کو لے کر محمود خاں کے پاس گیا اور وہاں بھی بہت دیر تک خفیہ مصلحت رہی۔ حقیقت میں اس مصلحت کا سچا اور یقینی حال نہیں معلوم ہو سکتا، مگر جو سنا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان سپاہیوں نے نواب کو سرکشی اور اپنی نوابی قائم کرنے اور حکام انگریزی کی مخالفت کی ترغیب کی اور ظاہر ہے کہ اس کے سوا یہ سپاہی اور کیا صلاح

دیتے۔ نواب کا جواب بھی جو خفیہ تھا تحقیق نہیں معلوم ہو سکتا مگر یہ سنا ہے کہ نواب نے کہا کہ جب تک حکام انگریزی بجنور میں موجود ہیں میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ تم اس شہر میں کہ خاص میرا شہر ہے اور اس تحصیل میں جو مجھ سے متعلق ہے کچھ فساد مت کرو۔ اگر بجنور میں جا کر فساد کرو گے اور انگریزوں کو خارج کر دو گے تو پھر مجھ کو نواب ہو جانے کا بہت اچھا قابو مل جائے گا۔ آن۔ پاہیوں نے بجنور آنے کا اقرار کیا اور یہ خبر کہ وہ تلنگہ بجنور کو آتے ہیں متواتر ہم کو پہنچی اور ہم کو نہایت ڈر اور خوف رہا اور ہم تینوں افسروں نے ایسی تدبیریں سوچیں کہ در صورت آجانے آن بے ایمانوں کے جہاں تک ممکن ہو سکے حکام اہل ولایت کی حفاظت میں کام آویں اور جناب صاحب کلکٹر بہادر کو بھی آن۔ تدبیروں سے مطلع کیا گیا کہ ہر ایک تدبیر کا پہلے سے بندوبست رہے۔ ہم اس میں کچھ شک نہیں کرتے کہ یہ وہ وقت ہے کہ پہلی دفعہ نا محمود خاں اور احمد اللہ خاں کے دل میں سرکشی اور بغاوت کا بیج اوگا اور اس نے اپنی حکومت کے خیالی درخت کو بہت اچھا سایہ دار سمجھا اور سرکار دولت مدار انگریزی کے احسانوں اور پرورشوں کو جو اس کے اور اس کے باپ کے ساتھ کی تھیں سب کو یک لخت بھولا۔

سفر مینا کی کمپنیوں کا نگینہ	اسی تاریخ یعنی یسویں مئی کو
میں آنا اور تحصیل کا لٹنا	نگینہ میں مراد آباد کا جیلخانہ ٹوٹنے

کی خبر پہنچی اور نگینہ میں بد معاشوں کی نیت بد ہوئی اور بازار نگینہ کا بند ہونا شروع ہوا۔ مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ نے اپنے چہرہ سیوں اور منیر الدین قائم مقام تھانہ دار کو لے کر بازار کا گشت کیا اور دکانیں کھلوا دیں اور سب کی تسلی اور تشفی کی اور سب ہندو مسلمان رئیسوں کو بلا کر ہوشیار رہنے اور اپنے اپنے محلہ کا بندوبست

رکھنے کی فہمائش کی ۔ نہایت تعجب ہے کہ اکیسویں تاریخ مئی کو گیارہ بجے منیر الدین قائم مقام تھانہ دار نگینہ نے مولوی قادر علی تحصیلدار کو یہ خبر سنائی کہ بجنور کا جیل خانہ ٹوٹ گیا ، حالانکہ اس وقت تک جیلخانہ بجنور میں کچھ آفت برپا نہیں ہوئی تھی ۔ اس خبر سے مولوی قادر علی کو زیادہ تردد ہوا کہ کل مراد آباد کے جیلخانہ ٹوٹنے کی خبر پر نگینہ میں جب یہ فساد برپا ہوا تھا ، تو اب بجنور کی خبر پہنچنے پر دیکھیے کیا فساد ہوتا ہے ۔ اس لیے چراسیان تحصیل کو کہا کہ کمر باندھ کر مستعد رہو اور دروازہ تحصیل بند تھا اور کھڑکی کھلی ہوئی تھی مگر تحصیلدار صاحب کو تلنگوں کی کچھ خبر نہ تھی ۔ سنا گیا کہ بعد گفتگوئے نواب کے تلنگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بغیر کنپو کے ملے اتنا بڑا فساد کرنا مناسب نہیں اس لیے انہوں نے ارادہ مراد آباد جانے کا کیا اور وہ نجیب آباد سے روانہ ہو چکے تھے کہ دفعۃً تین تلنگہ براہ کھڑکی تحصیل میں چلے آئے اور تحصیلدار صاحب سے کہا کہ رسد تیار کرو ۔ اس عرصہ میں بہت سے تلنگہ اندر گھس آئے اور تحصیلدار صاحب کو بیچ میں گھیر لیا اور سنگین چڑھا کر بندوقوں کو پایوں پر چڑھا لیا اور بجنور آن کو کچہری کے مکان میں لے گئے اور دفتر کے صندوقوں کو کمندوں سے توڑ ڈالا اور پھر خزانہ کے قفل کو توڑ کر خزانہ لوٹنے لگے ۔ اس وقت تحصیلدار صاحب کو فرصت ملی اور وہ وہاں سے مع تھانہ دار بھاگ کر ایک مکان میں جا چھپے جب تلنگہ ان کی تلاش میں پڑے تو وہ شہر کے باہر جا کر اور رستہ سے شہر میں آئے اور ایک جگہ پوشیدہ ہو گئے اور غرضی اطلاعی بہ حضور جناب صاحب کلکٹر بہادر روانہ کی ۔ شہر کے بہت سے بد معاش ان تلنگوں کے ساتھ ہو گئے اور تحصیلدار صاحب کا اسباب لوٹ لیا اور بازار نگینہ

کو لوٹتے ہوئے چلے گئے اور بد معاشوں نے بھاگرت کلال کو بھی جو بہت مالدار آدمی تھا لوٹ لیا۔ جب سب تلنگہ شہر سے چلے گئے تو تحصیل دار صاحب نے نگینہ کے ہندو مسلمان رئیسوں کو جمع کیا اور جو بد معاش شہر میں غدر مچا رہے تھے، ان کا بندوبست بفہائش اور بتوسط رئیسان نگینہ کر دیا۔

بجنور کا جیلخانہ ٹوٹا | نگینہ میں تو یہ آفت ہو رہی تھی

اور ہم تینوں افسر بجنور میں بہ حضور جناب صاحب کلکٹر بہادر حاضر تھے اور درباب حفاظت خزانہ گفتگو ہو رہی تھی کیونکہ خبر یورش گنواران اور آمد آمد پلٹن سفر مینا گرم تھی اور یہ رائے قرار پائی تھی کہ کل خزانہ کنویں میں ڈال دیا جائے۔ ہم اسی تجویز میں تھے کہ ایک بجے سے کچھ قبل دفعۃً جیلخانہ پر بندوق فیر ہونے کی آواز آئی اور معلوم ہوا کہ جیلخانہ ٹوٹ گیا۔ جناب صاحب کلکٹر بہادر اور میں صدر امین اور ڈپٹی کلکٹر صاحب اور سید تراب علی تحصیلدار صاحب بندوقیں اور تلواریں لے کر جیلخانہ پر چلے اور جس طرف قیدیوں کے غول جانے کا احتمال تھا۔ اس طرف دوڑے۔ قریب آدھے میل کے دوڑے ہوں گے کہ اس وقت یہ خیال گذرا کہ خزانہ نہ لٹ جاوے۔ اس لیے جناب صاحب کلکٹر بہادر نے مجھ، صدر امین کو اور ڈپٹی کلکٹر صاحب کو حکم دیا کہ خزانہ پر جا کر وہاں کا انتظام کرو۔ چنانچہ ہم دونوں خزانہ پر واپس آئے اور فی الفور پہرہ اور ایکٹ قائم کیے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور سید تراب علی تحصیلدار جیلخانہ پر تشریف لے گئے۔ اتنے میں جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر مسلح گھوڑے پر سوار تشریف لائے اور کنجی خزانہ کی مجھ، صدر امین کو سپرد کر کے خود مع چند سواران تعاقب قیدیان فرمایا۔ ہم کو یقین تھا کہ جیلخانہ صرف اس غرض سے ٹوٹا ہے کہ

قیدی اور شہر کے بدمعاش جمع ہو کر خزانہ پر حملہ کریں گے مگر قیدیوں نے جیلخانہ سے نکل کر دریا کی طرف بھاگنا شروع کیا تھا اور سب کے منہ دریا کی طرف تھے۔ اور بھاگے جاتے تھے اس سبب سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یا یہ ہمارا خیال غلط تھا یا یہ کہ جب قیدیوں نے جناب صاحب کلکٹر بہادر کو اور جناب جارج پامر صاحب بہادر کو مستعد اور تعاقب کرتا ہوا دیکھا تو ان کو اس فاسد ارادہ کا قابو نہ ملا۔ غرض کہ سپاہیوں کی بندوقوں سے چند قیدی مارے گئے اور کچھ زخمی ہوئے۔ باقی جو بچے وہ جیلخانہ میں بند کیے گئے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر خزانہ پر تشریف لائے اور فی الفور خزانہ نکالا گیا اور مجھ صدر امین نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ کنویں میں ڈال دیا اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے کھادر گنگا تک قیدیوں کا تعاقب کیا۔

جیلخانہ کا ٹوٹنا نہایت تعجب کی اور بہت غور طلب بات ہے۔ ظاہر ہے کہ باہر سے جیلخانہ پر کسی کی یورش نہیں ہوئی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بسبب شرارت یا سازش رام سروپ جمعدار کے جو پہلے تلنگہ کسی پلٹن کا تھا جیلخانہ ٹوٹا اور کھڑکی جیلخانہ کی کھل گئی اور ہماری دانست میں جب بہت سے قیدی جیلخانہ سے نکل چکے، تب باقی ماندہ پر بندوق سر ہوئی جیلخانہ ٹوٹنے کا سبب شاید یہ ہو کہ رام سروپ نے اس اندیشہ سے کہ باہر سے جیلخانہ پر حملہ نہ ہو اور باہر کی یورش سے اپنا نقصان زیادہ خیال کر کے یہ کام کیا ہو، مگر ایک خیال ہم کو بہت شبہ میں ڈالتا ہے، کہ اگر نجیب آباد والی مصلحت صحیح ہو تو وہی دن بلکہ وہی وقت نجیب آباد سے تلنگوں کا بجنور میں آنے کا تھا اور بعد تشریف فرما ہونے حکام انگریزی کے فی الفور

وام سروپ کی بہت قدر و منزلت نواب کے ہاں ہوتی گئی اور دن بدن اس کا تقرب بڑھتا گیا ، حالانکہ پہلے سے کوئی وجہ اس کے ایسے تقرب کی نواب کے دربار میں نہ تھی ۔

برم پور کا لٹنا | اس واقع کے بعد گوجر پرگنہ منڈاور میں بہت کثرت سے جمع ہوئے اور روہے جو بہت مالدار تھے اور آن سے اور گوجروں سے عداوت ہو گئی تھی ۔ ان کے لوٹنے کا ارادہ کیا اور موضع برم پور پرگنہ کیرت پور پر جو ایک بہت بڑا گاؤں روہوں کا تھا ۔ چڑھائی کی اور ہزارہا گوجر گنگا وار اور گنگا پار کے جمع تھے ۔ اور کچھ موئے بھی آن کے ساتھ تھے ۔ سب نے مل کر اس گاؤں کو آٹھ روز تک لوٹا اور گھر گھر کھود کھود کر مال و اسباب نکالا اور گھر جلا دیے ۔ مشہور ہے کہ تیس ہزار من کھانڈ لوٹی اور کل اسباب و غلہ اور مویشی تین لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا ، کیونکہ یہ گاؤں بڑا تھا ، اور بہت گاؤں والوں نے امن کی جگہ سمجھ کر اپنا مال یہاں لا رکھا تھا ، جس بھاؤ سے گیہوں بکتے تھے اسی بھاؤ سے اس لوٹ کی کھانڈ بکتی تھی ۔

نامحمد خان کا بجنور میں آنا | اس واقعہ سے پہلے جناب صاحب کلکٹر بہادر نے جملہ رئیسان ضلع کو بجنور میں طلب کیا تھا ۔ کہ مع کمک کے واسطے انتظام ضلع کے حاضر ہوں ۔ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اسی روز شام کے قریب نامحمد خان نجیب آباد سے مع ساٹھ ستر آدمی پٹھان بندو قچیوں کے بجنور میں پہنچا ۔ ظاہر میں تو بلا شبہ یہ بات تھی کہ حسب الطلب آیا ہے ۔ مگر تعجب یہ ہے کہ اپنے ساتھ خالی گاڑیاں واسطے لے جانے خزانہ کے نجیب آباد کو لایا تھا اور جب ڈپٹی صاحب سے ملا تو نہایت افسوس سے ہاتھ مل کر کہا کہ کیا غضب کیا جو خزانہ کنویں میں ڈال دیا ۔ میں تو گاڑیاں واسطے لے جانے نجیب آباد کے

لایا تھا۔ یہ باتیں نجیب آباد والی مصلحت کو تصدیق کرتی ہیں اور جیلخانہ ٹوٹنے کے سبب کو نہایت شبہ میں ڈالتی ہیں۔

اس رات بجنور میں بہت بڑا اندیشہ رہا کیونکہ تلنگوں کا ارادہ مراد آباد جانے کا ابھی تک کھلا نہ تھا بلکہ بجنور ہی آنے کا یقین تھا اور ہم کو کچھ امید نہ تھی کہ آج کی رات خیر سے گزرے گی اور بڑا اندیشہ ہم کو حکام انگریزی اور جناب میم صاحبہ کا تھا کیونکہ یہ نمک حرام کمبخت تلنگہ خاص حکام انگریزی کے نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ ہندوستانی آدمیوں یا اہلکاروں سے چنڈاں سروکار نہیں رکھتے تھے۔ ہم اپنے دل کا حال بیان کرتے ہیں کہ جناب مسٹر الیگزینڈر شکسپیئر صاحب بہادر دام اقبالہ جو اخلاق اور عنایت ہمارے حال پر فرماتے تھے ان اخلاقوں اور عنایتوں نے ہمارے دل میں ایسی محبت ان صاحبوں کی ڈال دی تھی کہ ان صاحبوں کی خدمت گزاری میں ہم اپنی جان کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ بے مبالغہ میں اپنے دل کی کیفیت بیان کرتا ہوں کہ محبت کے سبب ان صاحبوں کی نسبت جو وہم دل میں آتا تھا وہ بُرا ہی بُرا دیکھائی دیتا تھا اور جب اُس وہم کا اثر دل پر پہنچتا تھا تو دل سے ایک محبت کا بہت بڑا شعلہ نکلتا تھا اور وہ ان صاحبوں کو گھیر لیتا تھا اور ہمارا دلی ارادہ یہ تھا کہ خدا نخواستہ اگر بُرا وقت آوے تو اول ہم پروانہ کی طرح قربان ہو جاویں پھر جو کچھ ہو سو ہو اور میں کچھ شک نہیں کرتا کہ میرے ساتھی دونوں افسروں کا بھی یہی حال تھا۔ ہم جب اُس رات کوٹھی پر آن کر بیٹھے ہیں تو اس ارادہ سے نہیں آئے تھے کہ ہم زندہ یہاں سے پھر اپنے گھر پر آویں گے مگر نہایت خدا کا شکر ہے کہ ہماری اس سچی نیت نے ہم کو بہت بڑا پھل دیا کہ ہمارے محبوب حکام کو

بھی سب طرح اپنے فضل میں رکھا اور ہم کو بھی ہر آفت سے بچایا اور آج وہ دن ہے کہ اللہ کی عنایت سے ہم سب لوگ جو اس اچھی نیت میں شریک تھے مع اپنے محبوب حکاموں کے زندہ اور سلامت اکٹھے ہیں اور دل کی خوشی سے خدا کا شکر کرتے ہیں۔ آمین۔

مفر سینا کے تلنگوں کا وہام پور
کو جانا
وہاں سے دھام پور کو روانہ ہوئے۔

جو بدعت کہ دفعۃً نادانستگی میں آنہوں نے نگینہ میں کی تھی اس کی خبر دھام پور میں جا پہنچی تھی۔ تحصیلدار دھام پور نے دروازہ تحصیل بند کر لیا تھا اور سپاہی اندر تحصیل کے ہوشیار ہو گئے تھے اور بڑی خوبی یہ تھی کہ شہر کے بدمعاشوں میں سے کوئی آن کا ساتھی اور بہکانے والا اور ہمت بندھانے والا نہ ہوا بلکہ ہر سکھ رائے لوہیہ کے ہاں آس دن برات تھی اس نے برات کا کھانا اور بہت اچھی اچھی مٹھائی تلنگوں کو دیں اور رسد بھی شہر والوں نے جمع کر دی اس لیے تلنگوں نے وہاں کچھ فساد نہیں کیا اور مراد آباد چلے گئے۔

خاص بجنور کے انتظام کی اور
ضلع انتظام کی زیادہ تدبیریں
جیل خانہ ٹوٹنے کے بعد ضلع
میں زیادہ تر غدر ہوا اور خاص

بجنور پر بھی ڈاکہ آنا مشہور تھا اور گنوار ہر جگہ علی الخصوص پرگنہ منڈا اور میں بہ کثرت جمع تھے اس لیے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر نے چودھری نین سنگھ کی معرفت دو سو آدمی ملازم فرمائے اور گرد شہر کے ناکہ بندی کر دی اور پکٹ جا بجا بٹھا دیے اور رات کو ہم افسروں کا گشت روز تشریف بری جناب صاحب کلکٹر بہادر تک بدستور رہا۔ اس سبب سے بجنور میں در حقیقت بہت اچھا امن ہو گیا اور تمام ضلع میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ بجنور میں بہت بڑا بندوبست ہے اور اس دہشت کے سبب کسی کی

جرات نہ تھی کہ بجنور پر کسی طرح کا قصد کرے مگر پرگنہ جات میں بدستور غدر تھا اور جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر اس کے بھی انتظام میں مصروف تھے اور سواران جدید ملازم رکھے جاتے تھے اور پیدل سپاہی بھی بھرتی ہوتے تھے اور واسطے بھیجنے مدد اور کچھ تھوڑی سی سپاہ معتمد کے میرٹھ اور مراد آباد کو بھی لکھا تھا اور یہ انتظار تھا کہ جب یہ جمعیت جمع ہو جاوے تو پرگنہ جات کا دورہ بھی رہے اور مفسدوں پر دوڑ بھی لیجائی جاوے۔ ان تدبیروں کے سوا انتظام اور مضبوطی پولیس سے بھی غفلت نہ تھی اور احکامات مناسب بنام تھانہ داران اور افسران پولیس کے جاری ہوتے تھے اور انتظام ضلع بہت اچھی اچھی تدبیروں سے ہاتھ سے نہیں دیا تھا، مگر ضلع بجنور جو ملحق تھا مظفر نگر سے اور گنگا وار اور گنگا پار کے گوجر سب آپس میں آمد و رفت رکھتے تھے اور چاند پور کا پرگنہ ملا ہوا تھا دیہات پچھاندے جاٹوں اور میواتیوں سے اور نجیب آباد کا پرگنہ ملا ہوا تھا جنگل اور بنجاروں سے۔ اس سبب سے شورش ضلع میں بہت زیادہ ہو گئی تھی جس کا اندفاع بہت اچھی فوج کی کمک اور بدون دو ہلکی ضرب توپ کے ممکن نہ تھا۔

رئیسان جو کمک کو بلائے گئے تھے ان میں سے بد نصیب نامحمد خاں تو پہلے آچکا تھا۔	چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری ہر تاپ سنگھ کا بجنور میں آنا

اس کے دوسرے دن چودھری رندھیر سنگھ صاحب رئیس ہلدور اور اس کے بعد چودھری ہر تاپ سنگھ صاحب رئیس تاجپور تشریف لائے تھے اور صرف پانچ پانچ سوار کمک کو دیے تھے اور کچھ سپاہی ان کے ساتھ تھے اور احاطہ کوٹھی جناب صاحب کلکٹر بہادر میں مقیم ہوئے تھے۔ مگر یہ قلیل کمک اس بڑے فساد کو دفع نہیں

کر سکتی تھی۔ افسوس ہے کہ ان رئیسوں میں سے کسی نے توپ کے موجود ہونے کا اقرار نہ کیا۔ اگر اُس وقت وہ توپیں ہمارے ہاتھ آجاتیں جیسا کہ ہمارے بعد ضلع میں نکلیں اور اچھی طرح مدد ہوتی تو کیا عجب ہے کہ بر خلاف ان حالات کے جواب پیش آئے اور کوئی صورت ضلع میں پیدا ہو جاتی۔ بھوپ سنگھ تعلقہ دار ریہڑ و بڈہ پورہ باوصف طلب کے بہ حضور جناب صاحب کلکٹر بہادر حاضر نہیں ہوا اور نہ کچھ مدد دی۔ نا محمود خاں جو حاضر تھا اپنے آنے کے بارہ گھنٹے کے بعد بہت بے قرار تھا اور وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح میں نجیب آباد چلا جاؤں اور طرح طرح کے عذر بجنور کے رہنے میں پیش کرتا تھا۔ مگر ہم کو اُس وقت تک چنداں شبہ اُس پر نہ تھا۔ ہم اُس کے جھوٹے عذروں کو سچا سمجھتے تھے اور ہر طرح سے اُس کی خاطر کرتے تھے کہ بجنور میں مقیم رہے کیونکہ ہم کو اُس سے بڑی توقع کمک کی تھی مگر اب ہم خیال کر سکتے ہیں کہ یہ بے قراری اُس کی صرف اس سبب سے ہوگی کہ بجنور میں اُس کا منصوبہ پورا نہ ہوا تھا، یعنی نہ تلنگہ آئے تھے اور نہ خزانہ لے جانے کا اُس کو قابو ملا تھا اس لیے وہ گھبراتا تھا اور چاہتا تھا کہ بجنور سے نجیب آباد جا کر اور کوئی نیا منصوبہ کرے۔ غرضکہ دو روز بمشکل ٹھہرا اور پھر نجیب آباد چلا گیا۔

چند نامی دیہات کے لئے کا ذکر | غرضکہ جہاں تک ممکن تھا انتظام کیا جاتا تھا مگر یہ گنوار فساد سے باز نہ آئے اور دیہات لوٹتے رہے۔ پرتلپ پور پرگنہ نجیب آباد پر ڈاکہ چڑھا۔ وہاں لڑائی ہوئی اور چوکیدار اور چندا پدھان زخمی ہوا۔ اکبر آباد کے مرد ہوں اور قصائیوں نے بہت بڑا غول بنایا۔ پہلے اکبر آباد کے پٹواریوں کو لوٹا پھر سکندر پور کے جاٹوں کو

جا مارا - پھر حاجی پور پر چڑھ آئے - حاجی پور پر مقابلہ ہوا اور کئی آدمی حاجی پور کے مع بڈھا مقدم آلاہیڑی والا کے چو حاجی پور والوں کی مدد کو آیا تھا مارے گئے - پھر رامپور کو جا لوٹا بعد اُس کے سب جاٹ آپس میں متحد ہوئے انہوں نے اکبر آباد کو جا مارا - سب گھر لوٹ لیے اور جلا دیے اور پھر تماشا یہ تھا کہ یہ گنوار جو اپنا بدلا لینے کو جمع ہوتے تھے اور لام باندھتے تھے صرف یہی نہ تھا کہ اُسی گاؤں کو لوٹیں جس سے عداوت ہے بلکہ جب لام تیار ہو گیا جس کو چاہا اور جس کو کمزور دیکھا لوٹ لیا - انہی خرابیوں کے سبب سے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر نے یہ مناسب تجویز فرمائی کہ چند ذی عزت آدمی جن کا دباؤ ضلع میں ہو بطور سپرنٹنڈنٹ ضلع مقرر کیے جاویں اور وہ جمعیت مناسب ساتھ لے کر ہر ایک پرگنہ میں گشت کرتے رہیں اور جہاں گنواروں کی لام بندی سنیں ان کو متفرق کر دیں چنانچہ شفیع اللہ خاں بھائی احمد اللہ خاں بد ذات کا اور مصطفیٰ خاں رشتہ مند نا محمود خاں کا اور سعد اللہ خاں رئیس بڈھ پورہ کا جو سابق میں تھانہ دار نگینہ تھا اس کام کے لیے نامزد کیے گئے - کیونکہ یہ لوگ ذی عزت تھے اور ان کے ساتھ بہت پٹھان اچھے سپاہی ساتھی اور برادری کے تھے اور بڑی منفعت یہ بھی تھی کہ یہ نالائق سرکار کو اپنے حال پر متوجہ دیکھ کر شکر سرکار کا ادا کریں گے اور خیر خواہی سرکار میں بدل مصروف رہیں گے اور اس کا نتیجہ بہت اچھا پائیں گے اور چونکہ یہی لوگ ضلع میں فساد مچا سکتے تھے ، ان کو اپنی طرف کر لینے سے فساد نہ ہونے کی بھی توقع تھی - درحقیقت یہ تدبیر ایسی پسندیدہ تھی کہ اگر آدمی اچھے ملتے تو بہت اچھا انتظام ضلع میں رہتا - نگینہ کے ہندو و مسلمان سب رئیسوں نے مل کر یہ درخواست کی کہ گشت و گردآوری نگینہ

کے لیے تھے خاں جو لکڑیوں کی تجارت کا کام کرتا تھا مع قدرے جماعت کے مقرر کیا جاوے۔ شاید اگر وہ ایسی درخواست نہ کرتے تو تھے خاں اس وقت سرغنہ مفسدان بن کر فساد شروع کرتا۔ چنانچہ ان رئیسوں کی درخواست منظور ہوئی اور تھے خاں کے نام حکم گشت و گرداوری کا جاری کیا گیا۔ ان سب حالات سے ظاہر ہے کہ ہمارے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر کسی وقت تدبیر سے غافل نہیں رہے اور جو جو تدبیر انہوں نے کی ایسی پسندیدہ اور مستحکم تھی کہ اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔

چاند پور پر ڈاکہ ہڑنے کا | چھیسویں مئی کو عید کے دن بہت ذکر

چاند پور پر چڑھ آئے اور ڈاکہ ڈالنا چاہا۔ شہر والوں نے کمال مستعدی سے ان کا مقابلہ کیا اور کئی آدمی طرفین کے مارے گئے اور زخمی ہوئے اور شہر لٹنے سے بچ گیا۔ بعد اس کے پھر بہت سے گنوار دوبارہ چاند پور پر ڈاکہ ڈالنے کو جمع ہوئے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر نے نجف علی نائب رسالہ دار رخصتی رجمنٹ کو افسر کر کے پچیس سوار واسطے اعانت پولیس کے روانہ چاند پور کیے۔ وہ سوار وہاں پہنچے اور دو روز مقام کیا۔ جب ڈاکہ والے متفرق ہو گئے تو بجنور میں واپس آئے۔ جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر کو فی الجملہ سستی اور ڈرہوکی تھانہ دار چاند پور کی واضح ہوئی تھی اس لیے گلاب سنگھ تھانہ دار کو طلب فرما کر تنبیہ اور چشم نمائی فرمائی۔ پھر اس نے وہاں جا کر بمعیت بھولا ناتھ جمعدار کے موضع چھلی کو جو دیہات مفسدوں میں سے تھا جلا دیا اور اس نادیب سے فی الجملہ پرگنہ میں امن ہوتا گیا۔

ملازمان جدید رکھنے سے کچھ | مگر جس قدر سپاہی اور سوار فائدہ نہ تھا

بڑھائے جاتے تھے کچھ ہماری

دلجمی نہ ہوتی تھی اور در حقیقت کچھ دلجمی کی بات نہ تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں یا یہ کام تھا کہ اگر اتفاقیہ کوئی فوج ضلع میں آ جاوے تو اس کا مدافعہ کیا جاوے۔ یہ بات ان آدمیوں سے کسی طرح ممکن نہ تھی یا یہ کہ ضلع میں اگر کوئی نامی آدمی بگڑ جاوے تو اس کا علاج کیا جاوے مگر ان آدمیوں سے اس امر کا بھی انسداد ممکن نہ تھا، بلکہ اس وقت یہ سب آدمی بغل کے دشمن ہوتے کیونکہ تمام ضلع کی نظر نا محمود خان پر تھی۔ البتہ گنواروں کا انتظام اس جمعیت سے ممکن تھا مگر یہ جب ہوتا جب ان دونوں باتوں سے طائیت ہوتی۔ اس لیے جناب صاحب کلکٹر بہادر بتا کید واسطے طلب کمک کے تحریر فرماتے تھے۔ آخر کو فوج کی کمک سے ناامیدی ہوئی۔ مگر جناب مسٹر رابرٹ الیگزینڈر صاحب بہادر کمشنر نے جو پچیس سوار جدید ملازم رکھ کر بریلی سے بھیجے تھے اٹھائیسویں مئی کو اور مراد آباد سے چالیس تلنگہ اسی پلٹن کے جو بگڑ کر پھر چند روز کے لیے سیدھی ہو گئی تھی بجنور کو روانہ ہوئے تھے انتیسویں مئی کو بجنور پہنچے۔ تیسویں مئی کو رات کے وقت جناب جارج ہامر صاحب بہادر اور سید تراب علی تحصیلدار بجنور ان تلنگوں کو مع بیس سوار کے جن کا افسر بہادر علی خان رسالہ دار رخصتی مرسلہ جناب صاحب کمشنر بہادر تھا تشریف فرمائے منڈاور ہوئے کیونکہ پرگنہ منڈاور میں گوجروں وغیرہ گنواروں کا بہت زور تھا اور انہوں نے مجد پور اور منڈاور پر ڈاکہ ڈالنے کو بہت بڑا لام باندھا تھا۔

جناب صاحب کلکٹر بہادر کے سامنے بھی احمد اللہ خان اور شفیع اللہ خان کا بد نیتی سے کام کرنا	احمد اللہ خان اور شفیع اللہ خان

اس کے بھائی نے جو کام کیے اگر خوب غور سے دیکھا جاوے تو وہ بھی

خود سری اور خود مختاری کے شبہ سے خالی نہ تھے ، مثلاً بنجارہ بہ ارادہ فاسد جنگل میں جمع ہوئے تھے ۔ آن پر شفیع اللہ خان دوڑ لے گیا اور آن کو مارا اور ان کا اسباب جو مشہور ہے کہ بیس پچیس ہزار روپیہ کی مالیت کا تھا لوٹ لیا اور چند بنجاریوں کو بطور لونڈیوں کے اپنے گھر پکڑ لایا تھا ۔ جب بنجاروں نے ایک کیا اور بہت بنجارے جمع ہوئے تب آن عورتوں کو ایک ہفتہ کے بعد چھوڑا ۔ اسی طرح احمد اللہ خان بھاگو والہ پر جہاں بنجارے جمع تھے دوڑ لے گیا تھا اور آن میں سے چند بنجاروں کو پکڑ لیا تھا اور یہ بات سنی گئی تھی کہ کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دیا اور یہ بھی مشہور ہوا تھا کہ ایک بنجارہ کو مار کر درخت میں لٹکا دیا تھا اور دوڑ لے جاتے وقت راہ میں جب کنگ پور پہنچا تھا ایک پدھان کو زخمی کیا تھا اور دس ہزار روپیہ کا اسباب لوٹ لیا تھا ۔ بوڈہ گری کے جاٹوں نے چند دیہات لوٹے تھے ۔ شفیع اللہ خان آن پر دوڑ لے گیا اور مقابلہ کے وقت آن سے بھاگا ۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ نا محمود خان بلا طلب جناب صاحب کلکٹر بہادر نجیب آباد سے بجنور آتا تھا اور بمقام کیرت پور مقیم تھا شفیع اللہ خان نا محمود خان کے پاس کیرت پور میں گیا اور اس کو مع جاعت ہمراہیان بوڈہ گری پر لایا ۔ گاؤں کو لوٹ لیا اور پھونک دیا ۔ اگر ان باتوں پر لحاظ کیا جاوے تو خود سری کی بُو سے خالی نہ نکلیں گی ۔

نا محمود خان کا دوسری دفعہ بلا طلب بجنور میں آنا	نا محمود خان باوجودیکہ پہلی دفعہ ہرگز بجنور میں رہنا نہ چاہتا تھا

اب کی دفعہ بلا طلب جناب صاحب کلکٹر بہادر کے نجیب آباد سے بجنور کو آنا خالی شبہ سے نہ تھا ، چنانچہ یکم جون کو وہ بجنور میں پہنچا اور احاطہ کوٹھی جناب صاحب کلکٹر بہادر میں اس نے

ڈیرہ کیا۔ اب کی دفعہ علامتیں بغاوت کی اس کے چہرہ سے ظاہر تھیں اور وہ اپنے دل کو اپنی حکومت کے خیال سے خوش کرتا تھا اور اس کے عشق میں چور تھا اور ڈپٹی صاحب کے سامنے اس نے ایسی باتیں کیں جن سے صاف ارادہ فاسد اس کا ظاہر ہوتا تھا۔ ڈپٹی صاحب نے مجھ کو بلا کر نا محمود خاں کی فاسد نیت سے مطلع کیا۔ میں نے کہا کہ فی الفور جملہ حال جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کرنا چاہیے، چنانچہ اس کی باتوں سے جو فساد اس کی نیت کا ہم کو معلوم ہوا تھا ہم نے جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کیا اور یہ تجویز ہوئی کہ نا محمود خاں کو بجنور سے رخصت کیا جاوے۔ اب اس کا جانا مشکل معلوم ہوتا تھا مگر بحکمت اس کو بہ بہانہ دورہ پرگنہ چاند پور روانہ کیا مگر وہ مچلاتا ہوا دارا نگر کو چلا گیا۔

اکتیسویں مئی ۱۸۵۷ء کو جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا منڈاور میں مفسدوں کو تنبیہ کرنا	جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا منڈاور میں مفسدوں کو تنبیہ کرنا

اور جہاں جہاں گوجروں کی لام بندی کا شبہ تھا وہاں کی خبریں منگوائیں اور چار بجے خود مع سید تراب علی تحصیلدار اور لطافت علی تھانہ دار سوار ہوئے اور آسوکھیڑی تک جو گنگا کے کنارے پر ھے تشریف لے گئے اور دو جزائلیں اس گاؤں میں سے لے آئے۔ دوسرے دن یکم جون کو خبر ملی کہ موضع فضل پور میں گنواروں نے لام باندھا ھے۔ جناب صاحب ممدوح نے یس تیس تلنگہ اور بیس سوار اور میر سید تراب علی تحصیلدار بجنور اور میر لطافت علی تھانہ دار منڈاور کو ساتھ لیا اور میر محمد علی پیشکار شرک رئیس منڈاور اور تخمیناً ایک ہزار ساکنان منڈاور بھی ساتھ ہوئے اور مسمیٰ بساون پدھان شیخوپورہ کو مع اس کے دونوں

بیٹوں کے ساتھ لیا۔ قریب موضع فضل پور کے باغ میں بہت سے آدمی تحمیتاً چار ہزار کے قریب مجتمع معلوم ہوئے جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے سب سے پہلے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور سواروں کو ساتھ لے کر دائیں طرف سے ان پر حملہ کیا اور میر تراب علی تحصیلدار اور لطافت علی تھانہ دار اور میر محمد علی پیشکار سٹرک تلنگوں کے ساتھ ہو کر آگے بڑھے۔ گنواروں نے ہلہ دیکھ کر بندوقوں کا فیر کیا اور تلواریں کھینچ کر بمقابلہ پیش آئے جب اس طرف سے بندوقوں کی باڑ چلی تو وہ بھاگ نکلے مگر ان پر حملہ کر کے بہت سے آدمیوں کو گھیر لیا اور موضع فضل پور میں آگ لگا دی اور لوٹ لیا۔ پندرہ بیس آدمی جان سے مارے گئے اور بہت سے آدمی زخمی ہوئے اور بیس تیس آدمی ہتیار بند گرفتار ہوئے اور بہت سے آدمی لہبی ندی اور گنگا میں ڈوب کر مر گئے اور فضل پور کے سوا جہانگیر پور اور بھوجپور اور شیخوپورہ اور حسین پور نرائن پور اور امین پور بھی جلانے گئے کہ ان گاؤں کے لوگ بھی شریک تھے۔

پچاس ہزار روپیہ کا بجنور سے	اسی اثناء میں دوسری جون کو
میرٹھ کو جانا	جناب کپتان گف صاحب بہادر

مع چند سواروں کے میرٹھ سے خزانہ لینے کو بجنور میں تشریف لائے اور پچاس ہزار روپیہ کنویں میں سے نکال کر صاحب ممدوح کے سپرد کیے گئے۔ باوجودیکہ صاحب کے پاس سوار بہت کم تھے اور ڈاکہ والوں کے ہر طرف غول کے غول جمع تھے مگر صاحب موصوف نے بہ کمال دلاوری خزانہ ہاتھیوں پر لدوا کر چوتھی جون کو براہ گھاٹ دارانگر میرٹھ کو لیے چلے گئے۔ جس دلاوری سے صاحب خزانہ لے گئے ہیں ہر شخص اس کو دیکھ کر اور سن کر عش عش کرتا تھا۔ دوسری تاریخ کو جناب مسٹر جارج پامر

صاحب بہادر نے قیدیوں کو جو پرگنہ منڈا اور میں گرفتار ہوئے تھے روانہ بجنور کیا اور گرد و نواح کے گوجر طلب کیے اور تیسری تاریخ کو بہت سے گوجر حاضر آئے اور ان سے پچلکھ فساد نہ کرنے اور ہتیار حاضر کر دینے اور لوٹ کا مال واپس کر دینے کا لکھوایا اور اس تنبیہ سے نہایت ڈر اور انتظام ضلع میں ہو گیا اور ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ شاید تمام ضلع میں سے شورش جاتی رہے۔

مگر افسوس ہے کہ اس انتظام سے پہلے یعنی ۳۱ مئی سنہ ۱۸۵۷ء کو بریلی اور مراد آباد بگڑ چکا

بریلی کا بگڑنا اور مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا بجنور میں واپس آنا

تھا اور سب صاحب لوگ وہاں سے تشریف لے گئے تھے۔ اگرچہ یہ خبر کچھ کچھ مشہور ہوئی تھی اور ہم اس کے اخفا کے درپے تھے مگر تیسری تاریخ کو شام کے وقت بذریعہ چٹھی معتبر خبر بگڑ جانے بریلی اور مراد آباد کی پہنچ گئی تھی۔ اس لیے جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا ایسی حالت میں تلنگوں کے ساتھ رہنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس لیے صاحب موصوف کو لکھا گیا کہ بلا عذر بجنور میں چلے آویں، چنانچہ اسی رات صاحب موصوف بجنور میں تشریف لے آئے اور صبح کو سید تراب علی تحصیلدار مع تلنگوں کے بجنور میں پہنچے اور دوسرے روز تلنگے روانہ مراد آباد ہوئے۔

کئی روز سے ڈاک بریلی کی بند تھی اور پار کی ڈاک بھی منظم

بریلی بگڑنے کے بعد بجنور کا کیا حال تھا

نہ تھی اور اس سبب سے ہم لوگ نہایت متردد اور فکر مند تھے اور ظاہر ہے کہ ہم سب کی بلکہ بہت سے اضلاع کی نظر بریلی پر تھی اور جبکہ بریلی اور شاہجہاں پور اور پیلی بہیت اور بدایوں اور مراد آباد سب اضلاع روہیل کھنڈ کے بگڑ چکے تھے، تو

اس بجنور کے ضلع کے قائم رہنے کی کیا توقع تھی - جو پہاڑ اور جنگل اور گنگا کے کھادر سے ملا ہوا ہے اور جس میں کسی طرح کا سامان حفاظت اور مقابلہ یا معتمد تھوڑی سی فوج بھی جناب صاحب کلکٹر بہادر کے ہاتھ میں نہ تھی اور نہ ہاتھ آنے کی توقع تھی اور جس میں مسٹر کولبرک صاحب بہادر سنہ ۱۸۱۲ء میں ایک بہت بڑا کانٹوں دار درخت بو گئے تھے یعنی بسا گئے تھے - اجڑے ہوئے اور جلا وطن ہوئے ہوئے بہنو خاں باپ نا محمود خاں کو نجیب آباد میں جس کے سبب یہ گویا برباد ہوا ہوا خاندان پھر لوگوں کی نظروں میں سا گیا تھا اور اسی سبب سے ہر ایک شخص ضلع کا اپنے تئیں قدیم متوسل اور پرانا نمک خوار اور پشتینی تابعدار نا محمود خاں کا سمجھتا تھا - اور ایسے تزلزل کے وقت میں ہر ایک کی نگاہ اسی پر پڑتی تھی اور درحقیقت روہیل کھنڈ کے بگڑنے کے بعد کون نصیحت دے سکتا تھا کہ حکام انگریزی ایسی حالت پر بھی ضلع نہ چھوڑیں مگر ہمارے جناب صاحب کلکٹر بہادر نے ان حالات پر بھی استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا اور بدستور ضلع کے انتظام پر کمر باندھ رہے اور جناب صاحب مددوح کی حسن تدبیر سے ہم سب کو آمید تھی کہ شاید ایسے وقت میں بھی ضلع قائم رہے ، بشرطیکہ اور کوئی آفت پیدا نہ ہو مگر اس آفت نے ہم کو نہ چھوڑا جس کا داغ ہمارے دل پر سے کبھی نہیں جانے کا -

نا محمود خاں کا تیسری دفعہ	نا محمود خاں جو دارا نگر کی جانب
بارادہ فساد بجنور میں آنا	گیا ہوا تھا - اس کو کسی نے

خبر بھیجی کہ جناب صاحب کلکٹر بہادر خزانہ ہلدور کو روانہ کرتے ہیں - ہلدور والوں کا خاندان ضلع میں ایک بڑی دہشت والا مشہور تھا اور نا محمود خاں کو اگر کچھ اندیشہ تھا - تو اسی خاندان سے تھا - اس نے یہ خیال کیا کہ اگر یہ معاملہ

اسی طرح پر ہوا تو شاید اُس کے دلی ارادوں میں زیادہ دقت پیش آوے یہ خبر سنتے ہی اُس نے اپنی بدلی ہوئی نیت کا ظاہر کرنا اور اُس کا اثر دکھانا اپنے دل میں ٹھان کر دفعۃً ساتویں جون سنہ ۱۸۵۷ء کو مع اپنے ساتھی پٹھانوں کے بجنور میں چلا آیا اور شام تک کچھ اور پٹھان نجیب آباد سے بھی آگئے تھے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اُس رات نا محمود خاں کے پاس تخمیناً دو سو ڈھائی سو پٹھان اچھے بندو بچے مع ساز و سامان موجود ہوں گے۔ ہم نے جو پٹھان اور اور لوگ نئے نوکر رکھے تھے اُن کا بلکہ پرانے نوکروں کا بھی دل نا محمود خاں کی طرف پاتے تھے اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ سب لوگ نا محمود خاں سے ملتے تھے اور میٹھی میٹھی باتیں اُس سے کرتے تھے اور کیا تعجب ہے کہ کسی راز میں بھی شریک ہوں۔ اُس زمانہ میں بجنور میں یہ آفت ہو گئی تھی کہ ہر ایک شخص کے دل میں جم گیا تھا کہ سرکاری علمداری اٹھ جاوے گی اور بے شبہ نا محمود خاں مسند حکومت پر بیٹھے گا اس لیے ہر ایک شخص اس ضلع کا رہنے والا اس سے راہ و رسم رکھنی ضروری سمجھتا تھا۔ اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب ہمارے نوکر بھی نا محمود خاں کے ساتھیوں میں سے تھے اور ہم کو ہرگز توقع نہ تھی کہ بُرے وقت پر یہ لوگ ہمارا ساتھ دیویں گے بلکہ ہم یقین جانتے تھے کہ یہ سب نا محمود خاں کے ساتھ ہو جاویں گے۔

نا محمود خاں کے اس ارادہ کا ذکر کہ رات کو فساد کرے	اسی تاریخ چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاجپور کے پاس مفصل خطوط

حالات بگڑنے بریلی اور مراد آباد کے آگئے اور خان بہادر خاں کی بے ایمانی اور نمک حرامی کی بھی مفصل خبر آگئی اور انہوں نے وہ سب خط جناب صاحب کلکٹر بہادر کو دکھا دیے اور کمبخت

نا محمود خان کو بھی بد ذات خان بہادر کی خبر مل چکی تھی اور در حقیقت اسی خبر سے اُس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ خان بہادر خان کی پیروی کرے اور رات کے وقت اپنا ارادہ پورا کرنے کا ٹھہرا چکا تھا مگر اُس وقت تک ہم کو اُس بد ذات کے ارادہ کی خبر نہیں ملی تھی۔ صرف اتنی بات ہوئی تھی کہ جب نا محمود خان آیا تو جناب صاحب کلکٹر بہادر نے دو دفعہ اُس کمبخت کو بلایا اور وہ نہ گیا اور جب گیا تو اُس کی بات چیت میں خود جناب صاحب کلکٹر بہادر نے بے رخی دیکھی اور اس کی پیشانی پر اس کے دلی ارادہ کا اثر پایا۔ رات کو آٹھ بجے محمد سعید خان محرر کلکٹری ساکن نجیب آباد نے مجھے خبر دی کہ محمود خان کا ارادہ آج رات کو فساد کرنے کا ہے، کیونکہ اس بات کے سننے سے کہ جناب صاحب کلکٹر بہادر خزانہ ہلدور بھیجتے تھے نہایت برہم ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ رات کو کشت و خون ہو جاوے۔ میں نے محمد سعید خان سے کہا کہ تم ابھی جاؤ اور تدبیر کرو کہ فساد نہ ہو اور خود اور ولی محمد کی معرفت میری طرف سے نواب کی خاطر جمع کر دو کہ خزانہ ہلدور نہیں جانے کا اور نہ وہاں بھیج دینے کی صلاح ٹھہری ہے اور اُسی وقت میں نے سعد اللہ خان بڈھ پورہ والے کو بلایا اور اُس کو بہت سمجھایا کہ تم فساد کو روکو اور نواب کو سمجھاؤ اور کہہ دو کہ اگر بالفرض خدا نخواستہ دو انگریز مارے بھی جاویں گے تو کیا فائدہ ہوگا اور بدنامی اور نمک حرامی جدا ہوگی اور خدا کے ہاں جدا منہ کالا ہوگا اور اس بات کا میں ذمہ دار ہوں کہ خزانہ ہلدور نہیں جانے کا اور جناب صاحب کلکٹر صاحب بہادر کوئی ایسی بات نہیں کریں گے۔ جس سے نواب صاحب کی سرداری اور اعتبار پر دوسرے کو ترجیح ہو پھر فساد کرنے اور بدنامی اٹھانے اور خون ریزی ہونے سے

کیا فائدہ ہے ۔ پھر میں اور سید تراب علی تحصیلدار اسی وقت جناب صاحب کلکٹر بہادر کے پاس حاضر ہوئے اور ڈپٹی صاحب بھی وہاں آئے ہوئے تھے بعد گفتگوئے مضامین ان خطوط کے جو چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاجپور کے پاس آئے تھے ۔ یہ سب حالات مفصل میں نے جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کیے اور درباب قیام اور عدم قیام حکام اور انتظام ضلع در صورت تشریف بری حکام کے بہت سی گفتگو اور مصلحت رہی ۔

اسی دن مراد آباد سے یہ بھی خبر آئی تھی کہ کچھ باغی فوج اور دو توپیں بجنور کو روانہ ہونے کو ہیں ۔ اگرچہ اس وقت بھی ہم کو اس خبر کے صحیح ہونے میں کچھ شبہ نہ تھا اور عقل بھی اس بات کو قبول کرتی تھی کہ نمک حرام فوج کو بڑی غرض لوٹنے سے اور اس سے زیادہ مطلب حکام انگریزی کے نقصان جان کا تھا ۔ پھر بجنور کو ان آفتوں سے خالی چھوڑنا ہرگز قیاس میں نہیں آتا تھا ۔ مگر کئی دن بعد ہم کو بخوبی تحقیق ہو گیا کہ یہ خبر بالکل سچ تھی ۔ اور منشاء اس کا یہ ہوا تھا کہ جب وہ چالیس تلنگے بجنور سے روانہ ہو کر مراد آباد پہنچے تو سپاہیان پلٹن نمک حرام نے مراد آباد کے خزانہ کا جو روپیہ لوٹا تھا اس میں سے ان کو حصہ نہ دیا اور کہا کہ تم بجنور کا خزانہ کیوں چھوڑ آئے اور وہاں کے حکام کو کیوں زندہ چھوڑا ، اس لیے ان تلنگوں نے ارادہ کیا کہ اور تلنگہ اور توپخانہ اپنے ساتھ لے کر پھر بجنور میں آویں اور اپنا ارادہ پورا کریں غرض کہ بلاشبہ یہ ان کا ارادہ ہکا قرار پا چکا تھا اس لیے رات کو مصلحت کے وقت اس بات میں بھی کہ فوج باغی کے آنے پر کیا تدبیر کی جاوے گی ، گفتگو ہوئی تھی اور لوگوں کے دلوں کا حال دیکھ کر میری یہ رائے تھی کہ جب سب لوگوں کو یقین ہو جاوے گا کہ

فوج آتی ہے اور رستہ میں ہے ، تو جتنے لوگ یہاں ہیں کوئی بھی ہمارا ساتھ نہیں دینے کا اور ہم کو ایک ایسا چوہا تک بھی میسر نہیں آنے کا جو حکام انگریزی کی رفاقت کر کے گنگا پار کسی امن کی جگہ تک ان کو پہنچاویں اور بے شبہ میری رائے بہت صحیح اور نہایت پکی تھی اور ہمارے جناب صاحب کلکٹر بہادر اور اور عقلمند آدمی اس کو تسلیم کرتے تھے ۔

غرض کہ بہت سی مصلحت کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ آج ہی رات کو جناب میم صاحبہ اور عیسائی عورتیں اور مجھے اور کچھ مرد بمعیت جناب مسٹر کری صاحب منظر نگر اور وہاں سے رڑکی روانہ ہو جاویں اور صرف جناب مسٹر الیگزینڈر شکسپیئر صاحب بہادر اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر بجنور میں تشریف رکھیں بارہ بجے رات کو یہ صلاح پکی ہوگئی اور جناب میم صاحبہ کی روانگی کی تیاری ہونے لگی ۔ اس وقت نا محمود خان کی بد نیتوں کے سبب جو اب بخوبی کھل گئی تھیں ، یہ رائے ٹھہری کہ بلا اطلاع نا محمود خان میم صاحبہ کے روانہ کرنے میں مبادا کچھ فساد ہو جاوے بظاہر اس سے بھی صلاح لے لی جائے ، چنانچہ جناب صاحب کلکٹر بہادر کے حکم سے اسی وقت رات کو نا محمود خان کے پاس جو احاطہ کوٹھی میں مقیم تھا میں گیا اور میں نے اس کو پٹھانوں کے غول میں بیٹھا ہوا پایا ، میں نے اس سے عرض کیا کہ مجھ کو علیحدہ آپ سے کچھ عرض کرنا ہے ۔ اول تو اس نے ایک عجیب غرور سے کہا کہ یہاں کون غیر ہے ۔ سب بھائی پٹھان ہیں کہو ۔ مگر میرے اصرار پر آٹھ کر آیا ۔ میں نے اس سے اول یہ بات کہی کہ آپ کو کس نے خبر دی ہے کہ خزانہ ہلدور جاتا ہے ۔ یہ بات بالکل جھوٹ ہے اور میں ذمہ دار ہوتا ہوں کہ خزانہ نہیں جانے کا ۔ اس نے جواب دیا کہ میرا

منہ کالا ہونے میں اب کچھ باقی نہیں۔ میرے ساتھ کے پٹھان مجھ کو گالیاں دیتے ہیں اور بہت بُرا بھلا کہتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ خان بہادر خان اپنی موروثی گدی پر ہو بیٹھا۔ اس کمبخت کو کیا ہوا ہے جو چپکا بیٹھا ہے اور میں نے انگریزوں کا نمک کھایا ہے میں نہیں چاہتا کہ کوئی انگریز مارا جاوے اور میرا منہ کالا ہو اگر انگریزوں کو اپنی جان بچانی ہے۔ تو یہاں سے نکل جاویں۔ اگر کوئی پٹھان مار دے گا تو میں کیا کروں گا علاوہ اس گفتگو کے جس طرز اور انداز پر اس نے مجھ سے باتیں کیں جس کی کیفیت بات چیت کرنے میں متکلم اور مخاطب ہی خوب جانتا ہے اور سمجھتا ہے اور بیان میں نہیں آسکتی اُس سے مجھ کو بخوبی یقین ہو گیا کہ یہ کمبخت فساد کرنے پر بالکل مستعد اور ہمہ تن بلکہ ہمہ جان آمادہ ہے۔ اُس وقت جو میرے دل پر کیفیت تھی میں ہرگز بیان نہیں کر سکتا کیونکہ مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ آج حکام انگریزی کی جان کو ضرور نقصان پہنچے گا۔ میں نے اُس سے کہا کہ جو بات بغیر فساد کے حاصل ہو اُس میں فساد کرنا اور بد نامی اٹھانی نہیں چاہیے۔ اگر آپ کی صلاح ہو تو ہم ایسی تدبیر کریں کہ جناب صاحب کلکٹر بہادر سے کہہ کر آج رات کو جناب میم صاحبہ اور اور صاحبوں کو یہاں سے روانہ کر دیں دو ایک روز میں جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جینٹ مجسٹریٹ بہادر خود چلے جاویں گے اور تم نواب ہو ہی، بغیر بد نامی کے تمہارا مطلب حاصل ہو جاوے گا اور اسی قسم کی اور باتیں جو مناسب وقت کے تھیں اُس سے کہیں جن سے اس کے دل میں یہ بات پڑی کہ حکام انگریزی کی جان کو نقصان نہ پہنچے اُس نے جواب دیا کہ یہ کہاں کا بکھیرا ہے کہ آج جناب میم صاحبہ جاویں اور پھر حکام جاویں۔ اگر جانا ہے تو آج

سب جاویں ورنہ میرا منہ کالا ہوگا۔ یعنی کوئی مارا جاوے گا۔ اس وقت تک تو میں نے پٹھانوں کو روک روک کر رکھا ہے۔ پھر میرے قابو سے باہر جاویں گے۔ حالی یہ ہے کہ نجیب آباد میں نا محمود خاں اور احمد اللہ خاں نے بہت سے آدمی نوکر رکھ لیے تھے اور بہت سے پٹھان ان کے ساتھی وہاں جمع تھے۔ ایسا گمان بلکہ یقین ہوتا ہے۔ کہ اس نے اس گروہ کو نجیب آباد سے بلایا تھا اور منتظر تھا۔ ان لوگوں کے آجانے کا۔ اس کی دلیل ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسی رات بہت سے آدمی نجیب آباد سے روانہ ہو چکے تھے اور جب ہم کوٹلہ بھاگے جاتے تھے، تو بہت سے غول نجیب آباد سے آتے ہوئے ہم کو ملتے تھے اور بمجرد تشریف فرما ہونے جناب صاحب کلکٹر بہادر کے ایک معقول جمعیت نا محمود خاں کے پاس جمع ہو گئی تھی، پھر اگر یہ بات نہ تھی۔ جو ہم خیال کرتے ہیں، تو اس طرح سے دفعۃً نجیب آباد سے آدمیوں کا بجنور میں جمع ہونے کا کیا سبب ہوگا۔

غرض کہ جب مجھ کو یقین ہو گیا کہ نا محمود خاں نے فساد کرنا بخوبی اپنے دل میں ٹھان لیا ہے اور وہ کسی طرح باز نہیں آنے کا اس وقت میں نے

نا محمود خاں کی بد نیتی معلوم ہونے کے بعد انتظام ضلع اور تشریف بری حکام میں مشورہ ہونا۔

کہا کہ چلو ہم اور تم چل کر جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کریں کہ اب یہاں رہنا مناسب نہیں۔ اس نے کہا میں تو نہیں جاتا اور میں صاحب کلکٹر سے کہہ چکا ہوں کہ یہاں نہ رہیں اور جو شرط نمک حلائی کی تھی اس سے میں ادا ہوا۔ اب چاہیں جاویں چاہیں نہ جاویں۔ یہ کہہ کر اپنے پٹھانوں میں جا بیٹھا۔ لاچار میں نے ان کو یہ سب حال جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کیا اور اس وقت در باب سپردگی ضلع اور تشریف بری حکام کی پھر

مصلحت ہوئی ایسے حال میں کہ مراد آباد سے فوج باغی کے آنے کی خبر گرم تھی اور کوئی آدمی ملازمان جدید و قدیم میں سے قابل اطمینان کے نہیں تھا اور دشمن قوی بغل میں۔ اور ظاہر ہے کہ ہم تین آدمی بجز اس کے کہ اپنی جان دے دیتے اور کیا کر سکتے۔ کچھ چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ حکام انگریزی سردست حفظ جان کا کریں اور ضلع چھوڑ دیں، چنانچہ ہم سب کی بھی رائے قرار پائی اور ہمارے حکام نے بھی اس کو پسند کیا۔ اگرچہ اول اول ڈپٹی صاحب کو اس میں شامل تھا مگر پھر یہی رائے ان کے نزدیک بھی مستحسن ٹھہری۔

چودھریوں کا انتظام ضلع سے | اگرچہ اس وقت کوئی اور مصلحت
انکڑ کرنا

نا محمود خاں کے ہاتھ میں چھوڑا جاوے مگر ہمارے جناب صاحب کلکٹر بہادر نے بنظر دور اندیشی اور اس خیال سے کہ شاید اور کوئی کام کی بات نکل آوے چودھری رندھیر سنگھ رئیس ہلدور اور چودھری ہرتاپ سنگھ رئیس تاج پور سے پوچھا کہ تم ضلع کا انتظام کر سکتے ہو۔ انہوں نے مجبوری اپنی اور نہ ہو سکتا اس کام کا اپنے سے بیان کیا اور درحقیقت ممکن نہ تھا کہ ضلع کے آدمی نا محمود خاں کو چھوڑ کر اور کسی کی حکومت قبول کرتے۔ میں نے جناب صاحب کلکٹر بہادر کے رو برو چودھری رندھیر سنگھ سے یہ بات بھی کہی تھی کہ ایسی تدبیر ہو سکتی ہے کہ بروقت آجانے پلٹن باغی کے جب تک کہ وہ ضلع سے چلی جاوے حکام انگریزی کی حفاظت رہے۔ چودھری صاحب نے اس امر کا ہونا بھی غیر ممکن بیان کیا۔ غرضکہ یہ سب باتیں دو بجے رات کے طے ہوئیں اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے بھی روانگی کی تیاری کی۔

میں تعریف نہیں کر سکتا اپنے جناب صاحب کلکٹر بہادر کی مروت اور اخلاق اور ہر ایک اپنے متوسل کی پرورش کے خیال کا کہ ایسے نازک وقت میں جناب ممدوح نے سب عیسائی مرد اور عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور ہم سے پوچھا کہ تم کیا کرو گے ہم نے عرض کیا کہ ہم بھی بھاگیں گے۔ ڈہٹی صاحب کے اہل و عیال سب ہلدور جا چکے تھے سید تراب علی تحصیلدار کے اہل و عیال اور چھوٹے چھوٹے بچے اور لڑکیاں سب بجنور میں تھیں۔ صاحب نے سید تراب علی سے فرمایا کہ ہم سب کو مثل اپنے سمجھتے ہیں اور سب کی حفاظت جان اپنے ساتھ چاہتے ہیں۔ اگر تمہاری عورتوں اور بچوں کا ہمارے ساتھ چلنا ہو تو دم سب کو لے چلیں گے مگر یہ امر بہت مشکل تھا۔ ہم نے عرض کیا کہ بالفعل کوئلہ جاویں گے اور وہاں سے جہاں امن ملے اور جو الفاظ ہماری دلجوئی اور پرورش اور مہربانی کے ہم پر فرمائے ان کا ہم شکر ادا نہیں کر سکتے۔ غرضکہ اُس وقت میں اور سید تراب علی اجازت لے کر عورتوں کے اور بچوں کی روانگی کے سامان کو کوٹھی سے باہر نکلے اور نامحمود خاں سے میں نے کہا کہ اب سب صاحب جاتے ہیں۔ تم ان صاحبوں کی حفاظت میں اب بہت کوشش کرو کیونکہ جناب صاحب کلکٹر بہادر کا ارادہ ہے کہ پار پہنچ کر گورنمنٹ کو رپورٹ کریں کہ یہ تمام ضلع تم کو مل جاوے اور اسی قسم کی مصلحت آمیز باتوں سے اُس کو خوش کیا اور بخوبی اپنی خاطر جمع کر لی کہ کچھ اب فساد نہیں ہونے کا۔ اُس وقت میں اور سید تراب علی تحصیلدار مکان پر آئے اور فی الفور عورتوں کو اور بچوں کو سوار کر کے تین بجے رات کے جناب صاحب کلکٹر بہادر کی کوٹھی کے احاطہ کے پاس لا کر ٹھہرایا اور خود ہم دونوں جناب ممدوح کے پاس حاضر ہوئے اور سواروں کے افسروں

سے کہا کہ کچھ سوار ہمراہی کو چلیں۔ ہماری بات کو سن کر سب چپکے ہو رہے مگر قطب الدین رسالہ دار اور جو نئے سوار بریلی سے آئے تھے اور ابھی ان کا میل جول نا محمود خان سے نہیں ہوا تھا ہمراہی کو مستعد ہوئے اور بہادر علی جمعدار اور تین چار سوار پرانے آمادہ ہوئے۔ ہاتھی سب تیار تھے اور سوار بھی تیار ہو کر کوٹھی پر حاضر ہوئے۔ اس وقت سید تراب علی تحصیلدار کو بھیج کر نا محمود خان کو بلوایا گیا اور جناب صاحب کلکٹر بہادر نے فرمایا کہ ہم جاتے ہیں اور ضلع تمہارے پاس چھوڑتے ہیں۔ تم بخوبی انتظام رکھو اور ہمارے اہلکاروں سے کام لو اور آرام سے رکھو۔ نا محمود خان نے کہا کہ مجھ کو خط لکھ دو۔ جناب صاحب کلکٹر بہادر نے مجھ کو حکم دیا کہ لکھ دو۔ میں نے اس وقت خط لکھا۔ اگرچہ نقل اس خط کی نہیں ہے مگر جو مضمون مجھ کو یاد ہے لکھتا ہوں۔ امید ہے کہ لفظوں میں بھی فرق نہ ہوگا۔

تحریر ہونا خط سپردگی ضلع کا | مضمون خط موسومہ نا محمود خان بنام نا محمود خان
از طرف جناب صاحب کلکٹر بہادر
مرقومہ شب مابین ہفتم و ہشتم جون ”جو کہ بالفعل انتظام ضلع بجنور کا جب تک کہ سرکار کی مرضی ہو آپ کے سپرد ہوتا ہے آپ کو چاہیے کہ ضلع کا بخوبی انتظام کرو اور جس قدر اسباب جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر کا کوٹھی میں ہے اور جس قدر مال و اسباب و دفتر سرکاری ہے اس کی بخوبی حفاظت رکھو۔“ مرقوم ساتویں جون سنہ ۱۸۵۷ء۔

روانہ ہونا حکام کا بجنور سے | یہ خط بعد دستخط نا محمود خان کو دیا گیا اور وہ بد نصیب اس کو لے کر باہر آیا۔ جناب صاحب کلکٹر بہادر نے کلمات رخصت ہم سے فرمائے اور جو ریخ اور درد

جداۓی کا ہمارے دل پر تھا وہ ہم نے ظاہر کیا۔ تھوڑی دیر بعد سب صاحب سوار ہونے کو کوٹھی کے برآمدہ میں آئے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر نے بہ کمال عنایت مجھ کو اور سید تراب علی تحصیلدار کو رخصت کیا کہ اپنی عورتوں کو ساتھ لے کر چلے جاویں۔ ہم رخصت ہوئے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور سب صاحب سوار ہو کر تشریف فرما ہوئے۔ ڈپٹی صاحب مع چودھری رندھیر سنگھ ہلدور کو چلے گئے۔ سمجھو اس بات کو کہ وہ سب ہمک حرام پرانے سوار مع بہادر علی جمعدار کے گنگا کے کنارہ پر سے نا محمود خاں کے پاس بھاگ آئے مگر نئے سوار رڑکی تک ساتھ رہے اور وہاں پہنچ گئے ان کا کورٹ (مارشل) ہوا جناب صاحب کلکٹر بہادر کی عنایت سے ان کی جان بخشی ہوگئی۔ محمود خاں نے سورج کو بھی اچھی طرح نکلنے نہیں دیا کہ بجنور میں اپنے نام کی منادی ان الفاظ سے کہ خلق خدا کی ملک بادشاہ کا حکم نواب محمود خاں بہادر کا، پٹواری اور نواب بن بیٹھا۔

نا محمود خاں کے خاندان کا پچھلا حال	مناسب ہے کہ اس مقام پر تھوڑا سا حال نا محمود خاں کے خاندان کا بیان کروں، نا محمود خاں پوتا ہے نجیب خاں کا جو احمد شاہ کے وقت میں یعنی ۱۷۴۸ء دوندے خاں کا نوکر تھا اور اس کی طرف سے پرگنہ دارا نگر کی تحصیل کرتا تھا اس نے بہت سے لوگ اپنے ساتھ جمع کیے اور ان پرگنہ جات پر جواب ضلع بجنور میں ہیں قبضہ کر لیا، پھر دوندے خاں کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی، اس سبب سے مستقل مالک اس ملک کا ہو گیا اور بادشاہ کے دربار تک بھی رسائی کر لی۔

جب عالمگیر ثانی تخت پر بیٹھا یعنی سنہ ۱۷۵۳ء میں تو

نجیب خان نے جیت سنگھ ڈکیت کو مار کر کچھ گنکا پار کا علاقہ بھی جو اب ضلع سہارن پور میں شامل ہے اپنے ملک میں ملا لیا اور بادشاہ کے دربار سے اس کو نجیب الدولہ امیرالامراء کا خطاب ملا اور سنہ ۱۷۵۵ء میں اس نے قلعہ پتھر گڑھ بنایا اور نجیب آباد بسایا۔

جب نجیب الدولہ سنہ ۱۷۷۰ء میں مر گیا اس کا بیٹا ضابطہ خاں اس کی جگہ بیٹھا، نواب شجاع الدولہ لکھنؤ والہ نے بسبب نہ ادا ہونے روپیہ معاملہ مرہٹوں کے جس کا ضامن شجاع الدولہ ہو گیا تھا، ضابطہ خاں کو سنہ ۱۷۷۴ء میں اس ملک سے خارج کر دیا ضابطہ خاں نے نواب عبدالاحد کی سفارش سے سنہ ۱۷۷۶ء میں باونی سہازن پور کی سند بادشاہ سے حاصل کی اور غوث گڑھ میں رہنا اختیار کیا۔

اس کے مرنے کے بعد غلام قادر خاں اس کا بیٹا اس کی جگہ بیٹھا اور اس نے شاہ عالم کو اندھا کیا، مہاراجہ پٹیل نے اس جرم میں اس کو بعد مقابلہ گرفتار کیا اور لوہے کے پنجرہ میں قید کر کے اور ایک ایک عضو جدا جدا کر کے مار ڈالا، معین الدین خاں عرف بھنبو خاں، غلام قادر کا بھائی بھاگ کر پنجاب چلا گیا۔

جب سرکار دولت مدار انگریزی نے اضلاع دہلی کو فتح کیا تب بھنبو خاں کو بلا کر بہت خاطر کی اور پانچ ہزار روپیہ مہینے کی پنشن مقرر کر کے بریلی میں رہنے کا حکم دیا اور پھر مسٹر کولبرک صاحب بہادر کی رپورٹ سے سنہ ۱۸۱۲ء میں نجیب آباد میں آباد ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد سرکار دولت مدار انگریزی نے بنظر ترحم محمود خاں اور جلال الدین خاں اس کے بیٹے اور بیٹیوں کے لیے ہزار روپیہ ماہواری پنشن مقرر کی اور ہر ایک شخص کو اس

خاندان میں سے بہت بڑے بڑے معزز عہدے عطا فرمائے کہ تمام خاندان بہ کمال عزت اپنی زندگی بسر کرتا تھا ، بھنبو خاں نے اس زمانے میں (یعنی سن ۱۲۴۷ ہجری مطابق سنہ ۱۸۳۱ء کے) جب کہ ایک جعلی غلام قادر خان دہلی میں اکبر بادشاہ کے دربار میں آیا تھا ، بادشاہ کے ہاں رسائی پیدا کی اور اپنے بیٹوں کے نام خطاب حاصل کیا اب اس غدر میں اس خاندان نے سرکار دولت مدار انگریزی سے نمک حرامی کی ۔

جب کہ ہم رخصت ہو کر کوٹلہ کی طرف روانہ ہوئے راہ میں ہم کو بہت سے غول سپاہیوں کے	ڈہٹی کلکٹر اور صدر امین اور میر تراب علی تحصیلدار کا بجنور میں آنا اور نا محمود خاں سے ملنا

نجیب آباد سے بجنور آتے ہوئے ملے اور کوٹلہ میں شفیع اللہ خاں بھانجا محمود خاں کا ملا جو نجیب آباد سے بجنور کو آتا تھا کہ یہ سب باتیں رات والے ارادہ کو بخوبی تصدیق کرتی ہیں ، ہم نے دو تین روز کوٹلہ میں قیام کیا اور ہم اس فکر میں تھے کہ یہاں سے کدھر جاویں اور کیونکر جاویں کہ اس درمیان میں متواتر احکام نا محمود خاں کے ہماری طلب میں پہنچے ، آخر کو سوار آن کر ہم کو بجنور لے گئے اور سید تراب علی تحصیلدار کے قبائل نگینہ روانہ ہو گئے اور ڈہٹی صاحب بھی ہلدور سے حسب الطلب بجنور میں آئے ، ہم سب نے نا محمود خاں سے ملاقات کی مگر جیسا کہ وہ چاہتا تھا ، اس کو نذرین نہیں دیں ، تھوڑی دیر بعد اس نے ہم کو رخصت کیا اور یہ بات کہی کہ بدستور اپنا کام کرو ، ہم نے بجنور میں دیکھا کہ رام سروپ کا بہت عروج ہے اور اس کی معرفت باغی تلنگے نواب کے پاس نوکر ہوتے جاتے ہیں اور نویں یا دسویں جون سے باغی تلنگوں کی ملازمی شروع تھی ۔

عظمت اللہ خان کا نائب اور احمد اللہ خان کا ڈپٹی کلکٹر اور کلن خان کا سپہ سالار اور حبیب اللہ کا بخشی مقرر ہونا

آس کے دوسرے دن سے ناعمود خان نے نیا بندوبست کرنا شروع کیا ، عظمت اللہ خان منصف ٹھا کر دوارہ کو اپنا نائب اور احمد اللہ خان

تحصیلدار نجیب آباد کو ڈپٹی کلکٹر متعہد اور جنٹ مجسٹریٹ مقرر کیا مگر احمد اللہ خان نے ایسی مداخلت ہم پہنچائی اور نواب کو بالکل ایسا اپنے قابو میں کر لیا کہ تمام انتظام فوج اور ملک اور مال اور عدالت کا آسی کو اختیار تھا اور در حقیقت نواب صرف بز اخفش رہ گیا تھا ، فوج سوار اور پیادہ کے رکھنے کو حکم جاری کر دیا اور جو جو لوگ پرانے عہدے دار نواب کے خاندان کے تھے وہ اپنے پرانے عہدوں پر مامور ہونے کو طلب ہوئے اور احمد یار خان عرف کلن خان سپہ سالار اور حبیب اللہ خان بخشی فوج مقرر ہوا ، ہم اس حال کو دیکھ دیکھ کر بہت گھبراتے تھے ، علی الخلوص اس بات سے کہ جو کوئی نواب کے سامنے حکام انگریزی کا نام لیتا تھا تو وہ بہت ناراض ہوتا تھا ۔

صدر امین اور تحصیلدار نے اپنی کارروائی کی کیا تدبیر کی ؟

جبکہ نواب نے ہم کو کہا کہ تم سب اپنا اپنا کام کرو آس

وقت میں نے اور سید تراب علی تحصیلدار اور پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر نے باہم مشورہ کیا اور آپس کی ایک کمیٹی بنائی اور یہ تجویز کی کہ ہم میں سے کوئی شخص کوئی کام نہ کرے جب تک کہ باہم کمیٹی کے آس کی صلاح نہ ہو لے ۔ چنانچہ آسی وقت کام کرنے کے باب میں یہ رائے ٹھہری کہ میر سید تراب علی تحصیلدار بجنور جو ضروری حکم نواب کا پہنچے آس کو لاچار تعمیل کریں اور باقی احکام سب ملتوی پڑے رہنے دیں اور باقی مالگذاری بجز آس قدر روپیہ کے جس سے تنخواہ عملہ تحصیل و تھانہ تقسیم

ہو جاوے اور کچھ وصول نہ کریں ، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بخشی رام تحصیل دار کی معرفت کہ وہ بھی خیر خواہ سرکار اور ہمارا ہمراز تھا جو مالگزار آیا اس کو فہمائش کی گئی کہ روپیہ مت دے ، اس تساہل تحصیل سے نواب نازاں ہوا اور احکام سخت بھیجنے لگا اور کلمات نا ملائم پروانہ جات میں تحریر ہونے لگے اور نسبت اجرائے کار دیوانی یہ رائے ٹھہری کہ جب تک ہو سکے میں صدر امین بموجب آئین سرکار دولت مدار انگریزی کام کرتا رہوں اور کسی طرح کا تعلق نواب سے اس کام کا نہ رکھوں چنانچہ مجھ صدر امین نے ایسا ہی کیا اور جو روبکاریاں اور رپورٹیں قابل ارسال بحضور جناب صاحب جج بہادر تھیں ان میں علی الاعلان کچھری میں بھی حکم تحریر ہوتا رہا کہ بحضور جناب صاحب جج بہادر بھیجی جاویں اس میں فائدہ یہ تھا کہ عوام یہ سمجھتے تھے کہ حکام انگریزی کا تسلط بدستور ہے ، البتہ نواب کو یہ امر بہت ناگوار تھا اور ایسی باتوں سے اس کی دشمنی ہمارے ساتھ زیادہ ہوتی جاتی تھی مگر ہم کو توقع تھی کہ ہمارے حکام بہت جلد پھر ضلع میں تشریف لائے ہیں ۔

فوج نمک حرام باغی جو مراد آباد میں مقیم تھی ان کے ساتھ سازش کرنے کی نا محمود خاں کو بہت

مراد آباد سے بجنور میں فوج باغی کے آنے کی خبر کا مشہور ہونا اور نا محمود خاں کا ان سے سازش کی تدبیر کرنا ۔

فکر تھی اور خبر آمد آمد فوج مراد آباد کی بجنور میں بہت گرم تھی اور خطوط بھی مراد آباد سے درباب قصد روانگی فوج کے جانب بجنور کو آئے تھے ۔ اس لیے نا محمود خاں نے رام سروپ جمعدار جیلخانہ اور مصائب علی دفعہ دار سواران کو مع چند اپنے معتمدوں کے دھام پور روانہ کیا اور مراد آباد میں خطوط بھیجے کہ فوج کو سمجھا دیں کہ صاحبان انگریز یہاں سے معہ

کل خزانہ کے چلے گئے۔ اب یہاں نہ خزانہ ہے نہ حکام انگریزی۔ پھر یہاں آنا بے فائدہ ہے اور اگر بہ ارادہ ملازمی میرے پاس آویں تو آن کا گھر ہے۔ جب یہ خبر فوج والوں کو ہوئی تو انہوں نے آنا بجنور کا ملتوی کیا اور رام سروپ وغیرہ دھام پور سے واپس آئے۔ چند روز بعد نواب کو کسی طرح معلوم ہوا کہ فوج باغی کا ارادہ ہے کہ گھاٹ دارا نگر سے گنگا پار اتریں اس لیے اس نے در باب فراہمی رسد احکام بنام تحصیلداران جاری کیے اور تعلقہ داروں کے نام بھی پروانہ رسد رسانی کے لکھے۔ چنانچہ جو پروانہ بنام چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور لکھا تھا اس کی نقل یہاں لکھتا ہوں:-

نقل پروانہ دستخطی نواب محمود خان

”رفعت و عوالی مرتبت عزیز القدر چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاج پور بخیریت رہو جو بہ اطلاع آمد پلٹن مراد آباد کے پروانہ جات بنام تحصیلدار چاند پور و دھام پور وغیرہ دربارہ انتظام و فراہمی رسد وغیرہ مقام فرود گاہ لشکر پر جاری ہوئے ہیں۔ لہذا تم کو لکھا جاتا ہے کہ تم بھی جس قدر ہو سکے دربارہ انتظام و دے دینے رسد وغیرہ کے مدد و معاون آن کے رہو۔ تاکید جانو“
مرقوم ۱۷ جون سنہ ۱۸۵۷ء۔

مولوی قادر علی تحصیلدار نکیہہ
کا موقوف کرنا

اس عرصے میں نواب کے پاس بہت سے رشتہ مند اس کے جمع ہو گئے

اور اس کو اپنے رشتہ داروں کی پرورش منظور ہوئی اور یہ بھی اس کو خیال تھا کہ یہ معزز عہدہ دار بسبب خیرخواہ ہونے سرکار کے میوی مرضی کے موافق کام نہیں کرنے کے۔ اس لیے سترہویں جون سنہ ۱۸۵۷ء کو پہلی بسم اللہ اس نے مولوی قادر علی تحصیلدار نکیہہ کو برخاست کیا اور عباد اللہ خان اپنے رشتہ مند

کو جو پیشکار تحصیل کاشی پور ضلع مراد آباد تھا تحصیلدار نگینہ مقرر کیا۔ جب مولوی قادر علی برخاست ہو کر بجنور میں آئے نواب کچھ متوجہ نہ ہوا۔ انہوں نے اس اپنی برخاستگی کو غنیمت سمجھا۔ ان آفات سے غلیحہ ہو جانا بہت اچھا جانا۔ اب ہم اس مقام پر پروانہ برخاستگی مولوی قادر علی کو بعینہ نقل کرتے ہیں۔

نقل پروانہ دستخطی نا محمود خان

”رفت و عوالی مرتبت عزیز القدر مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ بعافیت باشند جو بنظر انتظام حاضر ہونا تمہارا حضور میں ضرور ہے لہذا حسب الحکم روبکار امروزہ تم کو لکھا جاتا ہے کہ تم کار مفوضہ اپنا سپرد برادر عزیز القدر گرامی شان مجد عباد اللہ خاں کے کر کر حاضر حضور ہو اور تم اپنے دل میں کچھ ہراس نہ کرو کہ تم سے حضور میں کار سرکار لیا جاوے گا ”مرقوم ۱۷ جون سنہ ۱۸۵۷ء۔

نا محمود خاں کا صدر امین سے مشورہ کرنا اور صدر امین کا اس کی خواہش سے انکار کرنا۔

اسی تاریخ نا محمود خاں نے رات کے وقت مجھ صدر امین کو اپنے پاس بلایا اور نا محمود خاں اور احمد اللہ خاں نے تخلیہ میں مجھ سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ اور تم ہم سے ہمارے ساتھ شریک ہونے پر حلف کرو اور جو جاگیر چاہو نسلًا بعد نسلًا اب ہم سے ٹھہرا لو اور ہم سے حلف لو کہ ہم ہمیشہ وہ جاگیر بحال رکھیں گے۔ اول تو مجھ کو بڑا ڈر ہوا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنے دل کو اسی بات پر مستقیم کیا کہ سچی اور سیدھی بات کہنی ہر وقت اچھی ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نواب صاحب! میں اس بات پر حلف کر سکتا ہوں کہ میں ہر حال میں تمہارا خیر خواہ رہوں گا اور کسی وقت تمہاری بدخواہی نہ کروں گا۔ الا گر تمہارا ارادہ ملک گیری اور انگریزوں

سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا ہے تو میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوں اور میں نے کہا کہ خدا کی قسم! نواب صاحب میں صرف تمہاری خیرخواہی سے کہتا ہوں کہ تم اس ارادے کو دل سے نکال دو۔ حکام انگریزی کی عملداری کبھی نہیں جائے گی۔ اگر فرض کرو کہ تمام ہندوستان سے انگریز چلے گئے تو بھی حکام انگریزی کے سوا کوئی عملداری ہندوستان میں نہ کر سکے گا۔ اور میں نے کہا کہ تم اطاعت سرکار اپنے ہاتھ سے مت دو۔ اگر بالفرض انگریز جاتے رہے جیسا کہ تمہارا خیال ہے تو تم نواب بنے بنائے ہو۔ تمہاری نوابی کوئی نہیں چھینتا اور اگر میرا خیال سچ نکلا تو تم خیرخواہ سرکار ہو گے اور سرکار کی طرف سے تمہاری ترقی اور بہت قدر ہووے گی اور اگر تم مجھ کو انتظام ملک میں شریک کیا چاہتے ہو تو جناب صاحب کلکٹر بہادر سے اجازت منگا لو اور یہ اقرار کر لو کہ کوئی کام نہیں کرنے کے جب تک پہلے آس کی منظوری جناب صاحب کلکٹر بہادر سے حاصل نہ کر لیں۔ اگر نا محمود خاں میں عقل ہوتی تو سمجھتا کہ یہ سب باتیں آس کی بھلائی کی تھیں مگر چونکہ جبلت آس کی بدی پر تھی وہ ان باتوں سے ناراض ہوا اور چین بہ جبین ہو کر مجھ کو رخصت کر دیا اور ہر طرح ہماری دشمنی کے درپے ہو گیا اور جان لیا کہ یہ لوگ رفاقت سرکار انگریزی سے باز نہ آویں گے۔ پھر ہم پر زیادہ تر زیادتی شروع کی۔ میرے خاص رہنے کے مکان کو بجبر مجھ سے چھین لیا اور اپنی فوج کے افسروں کو دے دیا۔ جو اسباب میرا آس میں بند تھا وہ سب فوج والوں نے لے لیا۔ سید تراب علی تحصیلدار کا گھوڑا بہ تعیناتی تیس سپاہیوں کے بجبر چھین لیا اور ہر طرح سے درپے ہمارے آزار کے ہو گیا۔ ہم دن رات اس فکر میں تھے کہ کسی طرح نواب کے پنجے سے نکل جاویں مگر ممکن نہ تھا۔ جناب

صاحب کلکٹر بہادر بجنور ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ علاقہ جنگل کپتان ریڈ صاحب بہادر میں ییلداران متعینہ یکسار نے فساد کرنا چاہا۔ اس لیے مسٹر اسٹمن صاحب کان ڈاکٹر معہ اپنی میم صاحب کے اور مسٹر برٹن صاحب سارجنٹ یکسار سے نجیب آباد میں آگئے تھے اور خاص محمود خاں کے مکان میں رہتے تھے۔ ان دنوں میں ایک گروہ سواروں کا رڑکی سے آیا اور ان دونوں صاحبوں اور میم صاحب کو بخیریت یہاں سے لے گئے اور رڑکی میں پہنچا دیا۔

اسی عرصے میں احمد اللہ خاں نے خزانہ سرکاری جو کنویں میں تھا نکالنا شروع کیا اور کچھ آس میں

خزانہ کا نجیب آباد روانہ ہونا اور خزانچی پر پھر کا مقرر کرنا اور چودھری نین سنگھ کا نواب سے مقابلہ پر آنا

سے احمد اللہ خاں نجیب آباد لے گیا اور نا محمود خاں نے ہر ایک رئیس سے بھی مخالفت شروع کی۔ جمعیت سنگھ برہمن رئیس بجنور کے گھر پر واسطے تلاشی مساعہ پنا پاتر کے سوائی سنگھ جاٹ کو معہ جمعیت کثیر چڑھا بھیجا۔ چودھری جودہ سنگھ رئیس بجنور سے جو اسباب مسٹر لمیٹر صاحب کا آس کے پاس امانت تھا طلب کیا۔ بانکے رائے خزانچی بجنور نے کچھ اسباب اپنا خفیہ ہلدور روانہ کیا تھا، اس سبب سے اور نیز اس باعث سے کہ کسی شخص نے بخبری کی کہ جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا ایک بکس محمولہ اشرفی و جواہر خزانچی کے پاس امانت ہے، خزانچی کے مکان پر بہ افسری و تعیناتی رام سروپ جمعدار معہ چند باغی تلنگوں کے جو معرفت رام سروپ ملازم ہوئے تھے اکیسویں جون سنہ ۱۸۵۷ء کو پھر متعین کر دیا اور رام سروپ نے طرح طرح کی تکلیفیں بانکے رائے خزانچی اور آس کے بھائی بھاری لال کو دیں اور کچھ روپیہ بھی رام سروپ نے لیا۔ جب یہ باتیں ہونے لگیں تو چودھری نین سنگھ اور چودھری جودہ سنگھ رئیسان بجنور نے نواب

سے ارادہ مقابلہ کیا اور دیہات سے آدمی جمع کیے۔ ہزار ہا آدمی گنوار بجنور میں جمع ہو گئے۔ نواب نے چودھریوں سے مصالحت چاہی، چنانچہ ایک دن رات کے وقت چودھری نے سنگھ چودھری جودھ سنگھ رئیس بجنور واسطے صلح کے نواب کے پاس کوٹھی پر گئے۔ مگر اس وقت ملاقات نہ ہوئی۔ جب وہاں سے پھرے تو دونوں چودھری تحصیل میں آئے اور مجھ سے اور سید تراب علی تحصیلدار سے یہ بات کہی کہ ہمارا ارادہ ہے کہ لڑ کر نواب کو اٹھا دیں۔ ہم نے جواب دیا کہ ہم اس میں کچھ صلاح نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ہم کو معلوم نہیں کہ یہ امر حکام انگریزی کی مرضی کے موافق ہوگا یا نہ ہوگا۔ تمہارا جو دل چاہے سو کرو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ تمام اسباب جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر کا اور خزانہ سرکاری اور دفتر اب تک موجود ہے۔ اگر اس پر کچھ آفت پہنچی اور لٹ گیا تو بلاشبہ باعث نا رضامندی حکام انگریزی ہوگا۔

یہ ہنگامہ ہنوز برپا تھا کہ دفعہٴ
منیر خان نامی ساکن کنج پورہ
نگینہ سے جہادی بن کر معہ

منیر خان جہادی کا بجنور میں
آنا چودھریاں بجنور اور نواب
سے صلح کا ہونا

جمعیت چار سو آدمی کے بجنور میں داخل ہوا اور احمد اللہ خان جو نجیب آباد گیا ہوا تھا اس فساد کی خبر پا کر بجنور میں آیا اور احمد یار خان عرف کلن خان سپہ سالار اور نادر شاہ خان رسالہ دار رخصتی رجمنٹ ملتان جو بجنور میں آ گیا تھا درمیان میں پڑے اور آپس میں نواب کے اور چودھریوں کے صلح ٹھہری۔ احمد اللہ خان اور دونوں چودھری صاحب تیسویں جون سنہ ۱۸۵۷ء کو کچھری تحصیل میں آئے اور بہت سی گفتگو کے بعد صلح ٹھہری۔ چودھری صاحبوں نے گنگا جل اٹھایا کہ ہم نواب کے تابعدار اور مطیع رہیں

گے اور احمد اللہ خاں نے اسی جلسہ میں کلام اللہ پر مہر کی کہ ہم چودھریوں کے ساتھ برائی نہیں کریں گے اور نا محمود خاں اور عظمت اللہ خاں نے کوٹھی پر سے کلام اللہ پر مہر کر کے بھیج دی اور آپس میں صلح ہو گئی۔ چویسویں جون سنہ ۱۸۵۷ء کو بانکے رائے خزانچی سے چار ہزار روپے لینے ٹھہرے اور وہ بکس جناب جارج پامر صاحب بہادر کا بھی جو خزانے میں تھا لیا اور خزانچی کے مکان پر سے پہرہ اٹھ گیا۔

منیر خاں جہادی نے بجنور میں بہت غلغلہ مچایا اور مجھ صدر امین اور رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر	منیر خاں جہادی کا صدر امین اور ڈپٹی کلکٹر اور تحصیلدار ڈپٹی انسپکٹر کو تنگ کرنا

اور سید تراب علی تحصیلدار بجنور پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے انگریزوں کی رفاقت کی ہے اور ان کو زندہ بجنور سے جانے دیا ہے اور اب بھی انگریزوں کے ساتھ سازش اور خط و کتابت رکھتے ہیں اس لیے ان کا قتل واجب ہے اور در حقیقت ہماری خفیہ خط و کتابت جناب مسٹر جان کری کرافٹ ولسن صاحب بہادر سے جاری تھی اور اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ ہمارے ساتھ فساد کرنے میں نواب کا بھی اشارہ تھا کیونکہ اس میں بڑی حکمت یہ تھی کہ جہادیوں کے ہاتھ سے ہم لوگوں کے مارے جانے میں نواب کی کچھ بدنامی نہ ہوتی تھی اور کام نکلتا تھا اور پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر کی نسبت علاوہ اس الزام کے یہ بھی جرم لگایا گیا تھا کہ عیسائی مکتب ہر جگہ بٹھاتا پھرتا تھا۔ غرضیکہ منیر خاں نے ہم پر زیادتی کی بہ جبر و حکومت ہم کو طلب کیا اور کھلا بھیجا کہ اگر حاضر نہ ہو گے تو بہتر نہ ہوگا اور بڑی مشکل یہ ہوئی کہ چند چپراسیان تحصیل ہم سے مخالف اور جہادیوں سے جا ملے تھے۔ اس لیے لاچار میں اور سید تراب علی تحصیلدار اس کے پاس گئے۔

منیر خاں نے مجھ سے درباب مسئلہ جہاد گفتگو کی۔ میں نے اس سے کہا کہ شرع کی بموجب جہاد نہیں ہے اور اسی قسم کی گفتگو کے بعد ہم وہاں سے چلے آئے۔ اس کے دوسرے دن منیر خاں مذکور مولوی علیم اللہ رئیس بجنور کے پاس گیا اور در باب مسئلہ جہاد ان سے گفتگو کی۔ تحقیق سنا کہ مولوی علیم اللہ نے بہت دلیری سے اس کے ساتھ گفتگو کی اور بہت دلیلوں سے اس کو قائل کیا کہ مذہب کی رو سے جہاد نہیں ہے۔ مگر اس گفتگو پر بہت دنگہ ہوا اور منیر خاں کے ساتھیوں نے مولوی علیم اللہ کے قتل کو تلوار نکالی مگر لوگوں نے پیچ میں پڑ کر بچا دیا۔ اس کے دوسرے دن منیر خاں مع اپنے ساتھیوں کے بجز ان چند آدمیوں کے جنہوں نے ان گفتگوؤں کے بعد ساتھ چھوڑ دیا تھا دہلی چلا گیا اور وہاں جا کر لڑائی میں مارا گیا۔

بعد اس کے احمد اللہ خاں نے کچھ روپیہ خزانے سے نکالا اور بہت سے آدمی ملازم رکھے اور

خزانہ اور اسباب حکام انگریزی کا نجیب آباد کو روانہ ہونا اور مسودہ عرضی موسومہ بادشاہ کا تحریر ہونا

بہت سا اسباب جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر کا اور ڈاکٹر صاحب بہادر اور انگریزی نویسوں کا روانہ نجیب آباد کر دیا اور ڈاک سرکار جس کی تمام چٹھیوں کو ۱۷ جون سے کھول کر پہلے پڑھ لینا شروع کر دیا تھا اور جس کو چاہتا تھا پھاڑ ڈالتا تھا اور جس کو چاہتا تھا مکتوب الیہ کو دینے کا حکم دیتا تھا، بالکل بند اور مسدود کر دی کہ بائیسویں جون سے روانگی ڈاک بجنور بند ہو گئی۔ اس عرصے میں غفلت ہوا کہ خاں بہادر خاں نے فرمان حکومت ملک کٹہر کا بادشاہ دہلی سے حاصل کیا اور کٹہر کا تمام ملک اس کو مل گیا۔ نامحمد خاں کو بڑا تردد ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ملک کٹہر میں ضلع بجنور بھی

شہار میں آ جاوے اور حکومت اس ضلع کی بھی خاں بہادر خاں کو کو مل جاوے اس لیے اُن سب نے آپس میں مل کر تجویز کی کہ ایک عرضی بادشاہ دہلی کو بھیج کر اس ضلع کی سند نا محمود خاں کے نام پر بادشاہ سے حاصل کی جاوے۔ چنانچہ اُن سب نے باہم مشورہ کر کے ایک مسودہ عرضی مرتب کیا اور عمدو خاں کے ہاتھ اُس کا بھیجنا تجویز ہوا۔

بعد مرتب کرنے اس مسودہ کے احمد اللہ خاں نے دورہ کا ارادہ کیا۔ بڑی غرض اس دورہ سے اپنی	احمد اللہ خاں کا دورہ کو اٹھنا اور عمدو خاں کا دہلی کو مع عرضی روانہ ہونا

حکومت کا بٹھانا اور روپیہ تحصیل کرنا تھا، چنانچہ دسویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء کو اُس نے بجنور سے نجیب آباد کو کوچ کیا اور تیرہویں تاریخ کو عمدو خاں عرضی موسومہ بادشاہ دہلی بجنور سے لے کر روانہ دہلی ہوا۔ اسی تاریخ احمد اللہ خاں نجیب آباد سے نگینہ آیا اور چودھویں کو دھام پور پہنچا۔ وہاں جانے سے مطلب یہ تھا کہ امام بخش عرف ماڑے بد معاش شیر کوٹ نے جو روپ چند مہاجن کو لوٹا تھا اور لاکھ ہا روپیہ کا مال لے لیا تھا اُس کا تدارک کرے اور جو روپیہ اُس نے لوٹا ہے وہ اُس سے چھین کر اپنے قبضہ میں لاوے۔ ماڑے نے بھی اپنے پاس سامان لڑائی درست کیا تھا اور آدمی جمع کیے تھے اور شیر کوٹ میں مستعد مقابلہ بیٹھا تھا اس لیے احمد اللہ خاں نے دھام پور میں کئی دن مقام کیا۔

ماڑے کا پھلا حال | ماڑے قوم کا شیخ اور قدیمی

بد معاش آدمی ہے۔ نصف قصبہ شیر کوٹ کا اس کے بڑوں کی زمینداری میں تھا۔ اس سبب سے اس کے بڑے چودھری کہلاتے تھے مگر یہ شخص بہت مفلس اور بد معاش ہو گیا تھا۔ چودھری

ہرتاپ سنگھ اس کی ماں کو ڈیڑھ روپیہ مہینہ دیتے تھے۔ ماڑے بدمعاش مارچ سنہ ۱۸۵۵ء میں بہ اجلاس مسٹر چارلس جان وینگفلڈ صاحب بہادر کے بعثت بدمعاشی بہ میعاد ایک سال قید ہوا تھا۔

جب کہ نامحمد خان عرضی موسومہ بادشاہ دہلی بھیج چکا تو آس کے دل میں یہ خط مہایا کہ	وزن انگریزی کی تبدیل اور بانوں کا چھاپہ بلفظ مہر شاهی ہونا

اس ضلع میں کچھ کچھ نشان بادشاہی عملداری کے جاری کیے جاویں اور خاص علامات حکومت گورنمنٹ کو مٹایا جاوے۔ اس ارادہ پر اٹھارویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء کو آس نے یہ تجویز کی کہ سیر بوزن اسی روپیہ کے جو بحکم سرکار انگریزی جاری ہوا ہے موقوف ہو اور بجائے آس کے سیر قدیم بوزن سو روپیہ کے اس صورت کا جاری ہو اور آس پر ٹھپہ لگایا جاوے جس میں لکھا ہو



”مہر شاہی“ چنانچہ واسطے تعمیل اس کے احکام عام جاری ہوئے اور تحصیل نجیب آباد و نگیہ میں شاذ و نادر کہیں کہیں یہ سیر تیار بھی ہوئے۔ الا تحصیل بجنور میں زمانہ قیام سید تراب علی تک اس کی تعمیل مطلق نہیں ہوئی تھی مگر بعد اس کے اس تحصیل میں بھی بنے۔

ماڑے سے احمد اللہ خان کی صفائی اور ملاقات کا ہونا	احمد خان کے دھام پور میں پہنچنے کے بعد سب ہندو اور مسلمان

آس کے ساتھ متفق تھے اور چودھریان شیر کوٹ نے بھی ہر طرح

سے اطاعت احمد اللہ خاں کی اختیار کی تھی اور بمقام دھام پور آن کر انیسویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء کو احمد اللہ خاں سے بہ طور ملازمت ملاقات کی تھی اور زمینداران شیرکوٹ بھی احمد اللہ خاں کے شریک تھے کیونکہ ہر شخص ماڑے کا فساد رفع ہونا دل سے چاہتا تھا مگر اُس وقت تک احمد اللہ خاں سے ماڑے کچھ کمزور نہ تھا اس لیے احمد اللہ خاں نے ماڑے سے صلح کرنی چاہی اور اپنے معتمدوں کو بیچ میں ڈالا۔ بڑی منفعت اس ضلع میں احمد اللہ خاں کو یہ تھی کہ ایک پکا بدمعاش اُس کے ہاتھ آتا تھا اور ضلع میں طرح طرح کے فساد برپا کرنے کو ایک بہت اچھا چلتا اوزار ملتا تھا۔

چنانچہ یہ حکمت اُس کی چل گئی اور ماڑے صلح پر راضی ہو گیا اور بائیسویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء کو ہاتھی پر بیٹھ کر بعزت تمام دھام پور میں آیا اور احمد اللہ خاں سے ملازمت کی اور چار اشرفیاں اور کچھ روپیہ نذر دیے اور تلوار کھول کر احمد اللہ خاں کے آگے رکھ دی احمد اللہ خاں نے بہت خاطر کی اور وہ تلوار اپنی طرف سے اُس کی کمر میں باندھ دی اور اُسی دن شیرکوٹ کو رخصت کیا۔

احمد اللہ خاں کو احمد اللہ خاں تیشیسویں جولائی کو احمد اللہ خاں میں جانا	شیرکوٹ میں گئے ماڑے نے استقبال کیا اور احمد اللہ خاں کی اور تمام لشکر کی دعوت کی۔ احمد اللہ خاں نے اُس کا سو روپیہ مہینہ مقرر کیا اور اہتمام رسد اور انتظام لشکر کشی اُس کے سپرد ہوا۔ جو لوگ ماڑے کے ہاتھ سے مظلوم تھے وہ ماڑے کے نصیب کو یاور اور اپنے سے زمانہ کو برگشتہ دیکھ کر روئے اور بولے کہ

شعر:

من زیاران چشم یاری داشتیم خود غلط بود انچه ما پنداشتیم

چوئیسویں جولائی کو احمد اللہ خاں چودھری امرائے سنگھ کے گھر میں گئے۔ چودھری صاحب نے پانچ سو روپیہ ان کے پیش کیے اور ہر طرح تابعداری سے ملے۔

چودھری امرائے سنگھ سے سختی	احمد اللہ خاں جو بد نیتی اور فساد کا ایک پتلا تھا اور دوسرا
باقی کا مطالبہ کرنا	

اُن کا بھی استاد نواب ماڑے خاں بہادر بدمعاش اُن کے ساتھ ہوا، فساد ایک درجہ سے گیارہ درجہ ہو گیا اور چودھری امرائے سنگھ کو جو ضلع میں بہت نامی مال دار اور سب سے زیادہ کمزور مشہور تھا سونے کی چڑیا سمجھ کر بے سبب فساد شروع کیا اور یہ پیغام بھیجا کہ زر مالگذاری جو قریب بارہ ہزار روپیہ کے تھا فی الفور ادا کرو اور نا محمود خاں نے بجنور سے اور شفیع اللہ خاں اور عظمت اللہ خاں نے نجیب آباد سے سپاہ اور رسد وغیرہ سامان جنگ احمد اللہ خاں کے پاس روانہ کرنا شروع کیا اور جو توپ کہ نگینہ سے معرفت نتھو خاں بجنور میں آئی تھی وہ بھی مع میگزین روانہ شیر کوٹ ہوئی اور ستائیسویں جولائی کو شیر کوٹ میں پہنچ گئی۔

چودھریاں بجنور وغیرہ کا واسطے صفائی معاملہ شیر کوٹ کے ہلدور و تاجپور کو روانہ ہونا	اگرچہ یہ فساد صرف چودھری امرائے سنگھ شیر کوٹ والہ سے تھا، مگر نا محمود خاں اور اس

کے صلاح کاروں کو چودھریاں ہلدور کی بڑی دہشت دل پر تھی اور چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاجپور کو بھی ایک جتھہ اور تھوک کا آدمی سمجھتے تھے، اُن کو یہ خیال ہوا کہ مبادا یہ لوگ چودھری امرائے سنگھ کی مدد کریں، اس بات کے بند کرنے کو نا محمود خاں نے ستائیسویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء کو قادر شاہ خاں اور حسن رضا خاں اور چودھری نین سنگھ چودھری

جودھ سنگھ رئیسان بجنور کو ہلدور و تاجپور روانہ کیا کہ ہماری اور چودھری امراؤ سنگھ کی صفائی ہلدور اور تاجپور کے چودھری صاحب بیچ میں پڑ کر کرا دیں۔

فرمان بادشاہی کا آنا | آن لوگوں کے روانہ ہونے کے بعد اٹھائیسویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء کو عمدو خاں جو نا محمود خاں کی عرضی لے کر بادشاہ کے پاس گیا تھا مع فرمان بادشاہی موسومہ نا محمود خاں بجنور میں آیا اور اس کے ساتھ لالہ متھرا داس پدر لالہ بانکے رائے خزانچی بھی دہلی سے بجنور میں آئے اور عمدو خاں نے وہ فرمان نا محمود خاں کو دیا، چنانچہ اس کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں :-

نقل فرمان بادشاہی مؤرخہ ۲۸ فروری ذی قعد سنہ ۲۱ جلوس مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء

۱۲	۵۳
محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی	
ابو ظفر سراج الدین سنہ احد	

”فدوی خاص لائق العنايت والاحسان امیرالدولہ ضیاء الملک محمد محمود خان بہادر مظفر جنگ مورد تفضلات بودہ بداند عرضداشت ارادت سات آن فدوی خاص مشعر ظہور ابتری و بے نظمی در کل پرگنات و دیہات آن ضلع از شورش و فساد غارتگران و مفسدان و تدبیر انتظام آن بہ فراہمی جمعیت سوار و پیادہ بقدر تاب و توان و عرض احوال و رسوخ عقیدت و وثوق ارادت موروثی در بارگاہ خسروی بہ استدعاء بزل توجهات شاہی در خصوص انتظام آن ملک بدستور سلف بملاحظہ قدسی گذشت و کاشف معروضات گشت فی الواقع

آباؤ اجداد آن فدوی خاص ہمہ مورد نوازشات سلاطین پیشین انار اللہ برہانہم بودہ اند و مخصوص آن لایق عنایت والاحسان در رضا جوئی و خدمت گذاری قرہ باصرہ خلافت مرزا شاہرخ بہادر مرحوم دقیقہ فرو گذاشت نکرده (یعنی سنہ ۱۸۴۴ء میں جب مرزا شاہرخ شکار کو اس ضلع میں آئے تھے) باعث رضا مندی خاطر در یا مقاطر گردیدہ بود نظر بران مستحق رعایت و عنایت است ولیکن درائے خدمات سابقہ اگر فی الحال مصدر حسن خدمتی خواہد گشت مورد مزید الطاف بادشاہی خواہد گردید و درخواست آن فدوی خاص کہ عبارت از اجازت انتظام کلی آن ضلع است برتبہ پذیرائی خواہد رسید پس تا وقتیکہ از پیشگاہ قدسی سند مستند شرف اجرا نیابد جملہ محاصل ملکی را بعد وضع مصارف فوج و عملہ تحصیل بطریق امانت تصور باید کرد و بار سال آن در حضور فیض گنجور باید پرداخت و نیز زر خطیر خزانہ کلکٹری و اسباب و اسپاناش کہ بعد فرار انگریزان بہ قبضہ خود در آورده ہمہ معہ فرد و اصلباتی آن بمعیت متہرا داس و دو سوار ملازم بادشاہی کہ در انجا میرسند زود تر روانہ نمایند تا نقد فدویت و ارادت آن فدوی خاص بہ محک امتحان کامل بر آید و ظہور این گونہ دولت خواہی و خیر اندیشی وسیلہ ترقی معارج و مراتب گردد۔ فقط زیادہ تفصیلات شناسد المرقوم ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۲۱ معلی۔“

میں خیال کرتا ہوں کہ متہرا داس کو بادشاہ دہلی کے دربار میں کچھ رسائی یا تعلق نہ تھا کیونکہ وہ مدت سے دہلی کے رئیسوں میں نہیں گنا جاتا تھا۔ ہمیشہ باہر رہتا تھا۔ جب عمدو خاں دہلی گیا اور اس کو معلوم ہوا کہ بادشاہ خزانہ اور مال انگریزوں کا مطالبہ کرتے ہیں کچھ عجب نہیں کہ اس نے متہرا داس کا نام لکھوایا ہو کہ وہ متہر داس کو ہر طرح دبانے کا اور اس پر

جبر کرنے کا قابو رکھتا تھا ورنہ خود نواب سے اور متھرا داس سے رنجش تھی اور متھرا داس کو کمال اضطراب تھا کہ اس کے بیٹے نواب کے پنجے میں سے نکلیں، چنانچہ جب متھرا داس بجنور میں آیا - تو اس نے مجھ سے اور سید تراب علی سے یہ حال کہا اور اس کے دلی ارادہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس تدبیر میں تھا کہ کسی طرح نواب پر دباؤ ڈال کر اپنے بیٹوں کو نکال لے جاوے اور اخیر تک ہماری سمجھ میں کسی طرح کا لگاؤ اس کا نواب سے نہیں پایا گیا -

احمد اللہ خان کا امراؤ سنگھ کو زیادہ تنگ کرنا اور لاکھ روپیہ مانگنا	اسی تاریخ یعنی اٹھائیسویں جولائی کو یہ لوگ جو بجنور سے واسطے صفائی کے روانہ ہوئے تھے تاج پور

پہنچے اور شیر کوٹ میں احمد اللہ خان نے زیادہ تقاضا ادا کئے باقی کا کیا - یہاں تک کہ اولاً چودھریوں نے کچھ وعدہ کیا، جب نا منظور ہوا تو کچھ نقد دینا قبول کیا - جب وہ بھی منظور نہ ہوا تو کل روپیہ یک مشت دینا ٹھہرا، چنانچہ وہ روپیہ گڈھی میں سے ہاتھیوں پر لد کر باہر بھی نکلا مگر اس خیال سے کہ روپیہ بھی جاوے گا اور فساد رفع نہ ہوگا احمد اللہ خان کے سامنے پیش نہ ہوا کیونکہ احمد اللہ خان اب لاکھ روپیہ مانگتا تھا -

یہ بہت اچھا موقع ہے اس بات کے بیان کا کہ نا محمود خان اور اس کے کارپردازوں کو درحقیقت باقیات مالگزاری کے وصول کرنے کا منصب اور اختیار نہ تھا کیونکہ جو سند کہ جناب صاحب کلکٹر بہادر کی طرف سے اس کو دی گئی تھی اس میں اس قسم کی اجازت مندرج نہ تھی اور کیوں مندرج ہوتی اس لیے کہ اگر نا محمود خان نیک نیتی سے اور سرکار کی تابعداری اور خیر خواہی اور اطاعت سے انتظام ضلع کا کرتا تو جو روپیہ خزانہ میں نقد اس کے پاس چھوڑا تھا وہ کافی تھا - پس اگر درحقیقت چودھری امراؤ سنگھ

نے اداۓ باقی سے انکار بھی کیا ہوتا تو بھی کچھ بے جا بات نہ تھی، حالانکہ جب چودھری صاحب اداۓ باقی پر مستعد تھے اور اس پر بھی احمد اللہ خان فساد سے باز نہ آیا تو صریح دلیل اس بات پر ہے کہ خود احمد اللہ خان کی نیت بد تھی اور چودھریوں کا بگاڑنا اس کو منظور خاطر تھا۔

شیر کوٹ کی پہلی لڑائی | غرضکہ اسی تاریخ چودھری امراؤ سنگھ نے گھاسا سنگھ اپنے چچا کو صلح کا پیغام دے کر بھیجا احمد اللہ خان نے اس کو گرفتار کر لیا اور کچھ صورت صفائی کی نہ ہوئی بلکہ فساد زیادہ ہو گیا اور نوبت مقابلہ کی پہنچی چودھری امراؤ سنگھ گڑھی میں مع اپنی سپاہ کے جو قریب چار سو آدمی کے تھے اور اکثر ان میں بندوقچی تھے اور گڑھی میں میگزین اور سامان رسد بھی بہت تھا محصور ہو گئے۔ احمد اللہ خان نے چودھری شیوراج سنگھ اور لچھمن سنگھ زمینداران شیر کوٹ کی حویلی پر توپ لگا دی اور اس کے ساتھ ماڑے مع ساکنان محلہ کوثرہ شریک ہوئے اور ان چودھریوں کی حویلی کو لوٹ لیا۔ شیوراج سنگھ جو ماموں تھا چودھریان ہلدور کا مع اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کی بیوی کے مارا گیا اور فتح چند مکھن لال کو بھی لوٹا اور فتح چند مع کئی آدمیوں کے مارا گیا اور بہت سے گھر جلا دیے اور بہت ہندو اور کچھ عورتیں ماری گئیں۔ جب گڑھی پر حملہ کیا تو گڑھی والوں نے خوب بندوقیں ماریں اور احمد اللہ خان کے لشکر کا بہت نقصان ہوا۔ چار بجے کے قریب تھوڑی سی بارود میں جو بسنت سنگھ کے قریب تھی آگ جا پڑی اور اس کے اڑنے سے چودھری بسنت سنگھ جل گیا۔ شام کے قریب لڑائی تمہم گئی۔

لالہ متھرا داس کا واسطے صفائی کے تاجپور جانا | ہم نے بجنور میں یہ بات سنی تھی کہ بندوق کے توڑے کا پھول

اتفاقہ بارود میں جا پڑا تھا اور شاید یہی بات سچ ہو مگر چودھری امرائو سنگھ نے میرٹھ میں ہم سے بیان کیا کہ نبی بخش آن کے نوکر نے قصداً آگ ڈال دی۔ اگر یہ بات یوں ہی ہوتی تو شاید وہ بڑے ذخیرہ میں بارود کے آگ ڈالتا۔ بہر حال رات کے وقت اکثر ملازمان چودھری امرائو سنگھ جو کوٹرہ کے رہنے والے تھے ماڑے سے سازش کر کے بھاگ گئے اور ایک تزلزل عظیم گڑھی میں پڑ گیا۔ یہ خبر انتیسویں تاریخ بجنور میں پہنچی اور نا محمود خان نے یہ تجویز کی کہ لالہ متھرا داس بھی واسطے صفائی کے روانہ تاجپور ہوں چنانچہ اسی تاریخ رات کو لالہ متھرا داس بجنور سے روانہ تاجپور ہوئے۔

چودھری امرائو سنگھ کا گڑھی میں سے بھاگنا اور بسنت سنگھ کا گرفتار ہونا | یہ دانائی نا محمود خاں کی بڑی قابل تعریف ہے کہ صفائی کے لیے کن لوگوں کو بھیجا ہے جو

کمال و دوستدار نا محمود خاں کے تھے کیونکہ چودھری نین سنگھ اور جودھ سنگھ وہی دونوں آدمی ہیں کہ ابھی نا محمود خاں سے لڑنے کو مستعد تھے اور ہزاروں پھپھولے آن کے دل میں پڑے ہوئے تھے اور متھرا داس وہ شخص ہے جس کے بیٹوں پر ابھی نواب نے ہرے بٹھائے تھے اور طرح طرح کی تکفین ان کو دی تھیں۔ غرض کہ متھرا داس تاجپور میں پہنچنے نہ پایا تھا کہ اسی تاریخ یعنی انتیسویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء کو چودھری امرائو سنگھ گڑھی میں سے نکل بھاگے اور تاجپور پہنچے۔ عورتیں بھی اسی ہنگامہ میں نکل کر گاؤں میں جا چھپیں مگر چودھری بسنت سنگھ میں چلنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ محلہ کوٹرہ میں کسی مخفی جگہ تھا۔ احمد اللہ خاں

کے ہاتھ آ گیا اور گڑھی میں احمد اللہ خاں داخل ہوا اور شلک فتح اور نقارہ مبارکباد ہونے لگے۔ مشہور ہے کہ جب احمد اللہ خاں گڑھی میں داخل ہوا تو مندر جو گڑھی کے پاس تھا اس کو بھی کچھ نقصان پہنچا۔ جب احمد اللہ خاں کو خبر ہوئی تو اس نے بنظر مصلحت کہ مبادا تازہ فساد برپا ہو اس پر پہرہ متعین کر دیا کہ مندر کو کوئی نہ توڑے۔ اس فتح کے بعد احمد اللہ خاں اور نواب ماڑے خاں بہادر کا غرور بہت بڑھ گیا۔ تیسویں تاریخ کو یہ خبر بجنور میں پہنچی اور ناعمود خاں نے بھی بہت خوشی کی اور اسی تاریخ یعنی تیسویں کو لالہ متھرا داس تاجپور میں پہنچے۔

اس گڑھی میں جس قدر میگزین اور ہتھیار اور سامان رسد جمع تھا وہ سب احمد اللہ خاں کے ہاتھ آیا اور قیاس چاہتا ہے کہ نقد روپیہ اور زیور جو چودھری امراؤ سنگھ کا اور اور لوگوں کا وہاں تھا وہ بھی سب احمد اللہ خاں کے ہاتھ آیا ہو کیونکہ کئی دن تک بے مزاحمت دیگرے احمد اللہ خاں کا دخل گڑھی میں رہا اور احمد اللہ خاں نے کچھ نقد و جنس ہاتھیوں پر لدوا کر نجیب آباد بھی بھیجا اور یہی بات ہم سے چودھری امراؤ سنگھ نے بھی بیان کی مگر بعضے معتمد لوگ بیان کرتے ہیں کہ اوپر کا اسباب اور جو نقد و جنس اوپر تھا وہ احمد اللہ خاں کے ہاتھ لگا مگر پرانا خزانہ جو بہت مخفی اور گڑھی سے برجوں اور مکانوں میں دبا ہوا تھا وہ بچ رہا حق یہ ہے کہ اس بات کی سچی حقیقت سوائے چودھری امراؤ سنگھ کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

جب یہ سخت حادثہ ضلع کے ایک بڑے رئیس پر گذرا تو اور رئیسوں کو بھی بڑا فکر اور تردد ہوا اور

جملہ چودھریوں کا احمد اللہ خاں سے مقابلہ کو مستعد ہونا

پہلے سے آپس میں گفتگو ہو ہی رہی تھی۔ سب آپس میں متفق

ہوئے اور احمد اللہ خاں سے گڑھی کے چھین لینے کا ارادہ کیا اور دھام پور لام بندی کی جگہ قرار پائی ، چنانچہ اکتیسویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء کو چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری بدھ سنگھ رئیسان ہلدور مع دو ضرب توپ اور چودھری پرتاپ سنگھ مع ایک ضرب جزائل اور چودھریان کانٹ مع ایک ضرب توپ دھام پور میں جمع ہوئے اور دیہہ بدیہہ گنواہی بگل یعنی ڈھولی واسطے جمع ہونے اور لام باندھنے کے بجنے لگا اور بعوض گھاسا سنگھ کے اور بسنت سنگھ چودھری صاحبوں نے نادر شاہ خاں اور حسن رضا خاں اور ثابت علی خاں کو جو رشتہ مند نامحمود خاں اور پیشکار دھام پور تھا پکڑ لیا اور دو سوار نواب کے جو ان کے ساتھ گئے تھے ان کو مار ڈالا ۔

جب یہ لام بندی ہوئی تو نواب پر زمانہ تنگ ہوا اور جس طرف نواب کے ملازم جاتے تھے پکڑے جاتے تھے اور مارے جاتے تھے ، چنانچہ چند سپاہی موضع نانگل میں مارے گئے اور جو خطوط احمد اللہ خاں کے پاس روانہ ہوتے تھے اکثر ان میں سے پکڑے جاتے تھے ۔ ایک خط نامحمود خاں کا جس پر بلا شبہ دستخط نامحمود خاں کے تھے اور بنجور سے روانہ ہوا تھا اور دوسرا خط عظمت اللہ خاں کا جو بلا شبہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا میں نے چودھری امراؤ سنگھ کے پاس دیکھے ۔ ان میں سے وہ فقرہ جو اس لڑائی سے متعلق ہے بحسنہ لکھتا ہوں :-

انتخاب خط محمود خاں جو پکڑا گیا	انتخاب خط دستخطی محمود خاں مؤرخہ اکتیسویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء

وقت دوپہر ۔

”گھاسا سنگھ اور بسنت سنگھ اور اگر امراؤ سنگھ حاضر آیا ہو آسے بھی ہمراہ اپنے حضور میں لوائے لاؤ ۔ وہاں چھوڑنا ان کا

کچھ ضرور نہیں ہے اور اگر تم نے قصور بھی اُن کا معاف کیا ہو تو بھی اپنے ہمراہ لے آؤ کس واسطے کہ ہنوز فساد رفع نہیں ہوا۔

”قرب پچاس آدمی کے ان برخودار نے جو اپنے ہمراہی سے رخصت کر کے بجنور کو بھیجے تھے اُن کو باشندگان موضع نانگل نے کہ متصل ہلدور کے واقع ہے روک کر اُن میں سے پانچ چھ آدمی جان سے مار دیے اور آٹھ آدمی مجروح کر دیے اس لیے تدارک ان مفسدوں کا ضرور ہے۔

”اطلاع اس کی بھی تم کو کرنی ضرور تھی لازم ہے کہ جس قدر روپیہ بارود اور ہتھیار شیر کوٹ سے تمہارے ہاتھ آئی ہے وہ سب اپنے ہمراہ لدائے لاؤ۔ چھوڑنا ان اشیاء کا کسی صورت میں مناسب نہیں، کس واسطے اب فقط بسبب تکرار شیر کوٹ کے یہ جا بجا فساد ہوا ہے۔ گھاسا سنگھ وغیرہ کو چھوڑنا کسی حالت میں مناسب نہیں۔

”مکرر آنکہ میری صلاح یہ ہے کہ میں اب بدون تصفیہ اس فساد کے ہرگز باز نہ رہوں گا بلکہ مناسب ہے گڑھی بھی شیر کوٹ کی بالکل مسمار و منہدم کرا دو کہ آئندہ انہیں حوصلہ لڑائی کا نہیں رہے اور جس جگہ پر خدا فتح دیوے مسمار کرنا مکانات اُن کے کا پر ضرور ہے۔“

انتخاب خط عظمت اللہ خاں جو	منتخب آس خط کا جو عظمت اللہ
پکڑا گیا	خان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے

بلا تاریخ۔

”آئندگان شیر کوٹ کی زبانی معلوم ہوا کہ اُن نور الابصار نے گھاسا سنگھ کو واسطے امراؤ سنگھ کے بھیجا ہے۔ سو حال یہ ہے کہ جو گڑھی لڑتی ہے اور فتح ہوتی ہے اور آدمی مارے جاتے ہیں تو اُس گڑھی کا اسباب بالکل ضبط ہوتا ہے اور یہ بھی سلف

سے مشہور ہے کہ زن زمین پر آدمی سر دیتا ہے اور جل شانہ نے تجھ کو گڑھی اور اسباب مع روپیہ کے دیا ہے تو اب تجھ کو چاہیے کہ پھر قلم جاری کر اور کچھ اندیشہ ان مفسدوں کا مت کر ، اب جل شانہ واسطے تیرے بہتر کرے گا۔

”اب مجھ کو یقین ہے کہ آدمی تیرے پاس قریب دو اڑھائی ہزار کے ہوں گے۔ تو اس صورت میں نظر بخدا رکھو اور اطراف میں خطوط لکھ کر آدمی جمع کرو اور دو سو سپاہی بھیجے ہیں ، پہنچے ہوں گے یا نگیںہ میں ہوں گے اور آج اور بھیجوں گا۔“

ہندو اور مسلمانوں میں عداوت | اس لڑائی سے پہلے ضلع میں درمیان قدیم ہونے کی وجہ | ہندو اور مسلمان کے کچھ تنازع

یا عداوت یا مذہبی تکرار نہ تھی بلکہ چودھری صاحبوں کے ہاں اکثر مسلمان لوگ نوکر تھے۔ اسی طرح نواب کے ہاں سپاہ وغیرہ میں ہندو ملازم تھے۔ لیکن اس لڑائی میں ہندو مسلمان میں عداوت ہو جاتی ایک ضروری ہونے والی بات تھی کیونکہ ایک طرف جملہ سردار ہندو تھے اور ایک طرف جملہ سردار مسلمان تھے اور ضروری بات یہ تھی کہ ہندو سرداروں نے جس قدر اپنی کمک جمع کی وہ سب ہندو تھے اور نواب نے جو کمک جمع کی وہ سب مسلمان تھے۔ پس ہندو اور مسلمان میں تکرار کا قائم ہونا ضرور ہوا علاوہ اس کے دم بدم ایسی باتیں ہوتی گئیں جن سے مذہبی عداوت کا ہونا بڑھتا گیا مثلاً شیرکوٹ کے مندر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے نقصان پہنچنا یا چھتاور اور سواھیڑی کی مسجدوں میں ہندوؤں کے ہاتھ سے نقصان پہنچنا یا ہندوؤں کے ہاتھ سے بالتخصیص مسلمانوں کا اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بالتخصیص ہندوؤں کا مارا جانا ، چنانچہ یہ سب حالات آگے آویں گے ، پھر اس عداوت نے ایسی ترقی پکڑی کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جہاں آن کا قابو ملا ہندوؤں کا

بچنا اور ہندوؤں کے ہاتھ سے جہاں آن کا قابو ملا مسلمانوں کا بچنا ممکن نہ تھا اور یہ عداوت ایسی ہو گئی تھی کہ ہندوؤں کی نسبت جو باتیں مسلمان کہتے تھے یا مسلمانوں کی نسبت جو باتیں ہندو کہتے تھے قابل اعتبار کے نہ تھیں اور ضلع کا اصلی حال دریافت کرنا جو عداوت سے خالی ہونہایت مشکل تھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ ہلدور کی پہلی لڑائی تک چودھری بدھ سنگھ کی نیت بہت اچھی معلوم ہوتی تھی اور وہ دل سے ضلع میں امن چاہتے تھے بلکہ جب ہم ہلدور ہی میں تھے کہ بہت سے ہندو ہلدور کی مسجد کو توڑنے چڑھ گئے تھے۔ چودھری بدھ سنگھ خود وہاں گیا اور اس فساد کو رفع کیا اور آگے جو حال ہم بیان کریں گے اُس سے بھی نیک نیتی چودھری بدھ سنگھ کی اُس زمانہ تک ظاہر ہوتی جائے گی۔

میر صادق علی اور رستم علی
رئیسان چاند پور کے پاس
بادشاہی فرمان کا آنا

دھام پور میں اور شیر کوٹ میں
تویہ معاملہ ہو رہا تھا جو ہم
بیان کر رہے ہیں اور چاند پور
میں میر رستم علی اور صادق علی رئیسان چاند پور کی بے وقوفی نے
گل کھلایا یعنی جو عرضی انہوں نے بادشاہ دہلی کے پاس روانہ
کی تھی اُس کے جواب میں فرمان شاہی پہلی اگست ۱۸۵۷ء کو
چاند پور میں پہنچا اور انہوں نے بہت خوشی کی، چنانچہ اس فرمان
کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں :-

نقل فرمان
ذی الحجہ سنہ ۲۱ جلوسی مطابق ستائیسویں جولائی ۱۸۵۷ء
سیادت پناہ نجابت دستگاہ سید رستم علی و سید صادق علی مورد
تفضلات بودہ بداندند۔

”عرضی آن فدویان مشعر بر حال خزلان و تباہی و بربادی

دیہات و قریات قصبہ چاند پور از تعدی و ظلم و غارتگری و استدعائے اعانت و امداد سرکار دولت مدار و اجازت نو ملازم داشتن سپاہ سوار و پیادہ بنا بر اجرائے تحصیل و مجرا یافتن تنخواہ آنها از آمدنی علاقہ مذکور و ارسال زر باقیات معہ کاغذ جمع خرچ در حضور پر نور بملاحظہ قدسی گذشت کاشف معروضات گشت چون انسداد فتنہ و فساد بنا بر آسائش رعایا و برایا منظور خاطر است لہذا حکم محکم شرف اصدار می یابد کہ آن فدیای چند سوار و پیادہ بقدر ضرورت ملازم داشتہ نمبرداران و قانونگویان و پٹواریان و دیگر عزت مندان و ساکنان آنجا را با خود متفق ساختہ دقیقہ در مراتب بند و بست فرو گذاشت نساژندو آنچنان انتظام نمایند کہ احدی زبردست قوی پنچہ بر هیچ کس زبردست و غریب نوعی تشدد و تعدی نمودن نتواند و سرچشمہ تحصیل جاری گردد و زر واجب الطلب بسہولت وصول گردد و کشتکار زراعت افزونی پذیرد بعد ایصال زر فصلی مرقومہ مصارف تنخواہ ملازمان و سپاہ و عملہ تحصیل وضع کردہ زر باقیات مع کاغذ جمع و خرچ بحضور فیض گنجور رسانند ہر آئینہ ظہور این معنی موجب اثبات حسن خدمت آن فدیاست بزل توجہ خسروی نسبت بحال آن فدیای خواہد رسید زیادہ تفضیلات شناسند“ مرقومہ پنجم ذی الحجہ سنہ ۲۱ جلوسی -

رستم علی اور صادق علی کا پچھلا حال	رستم علی صادق علی دونوں حقیقی بھائی ہیں اگرچہ صادق علی کو

بھی ذی عقل کہنا نہایت نادانی ہے لیکن رستم علی سچ مچ کا بھولا آدمی ہے۔ اس کو اس قسم کے معاملات میں بلکہ امورات خانگی سے بھی کچھ سروکار نہیں رہتا۔ جو کچھ کرتا ہے صادق علی کرتا ہے۔ یہ لوگ سادات بارہ سے ہیں اور اولاد میں ہیں سید محمود کی جس کو اکبر کے عہد میں بادشاہی دربار میں منصب ملا تھا

اُس کے بعد شجاعت خاں کو شاہجہان نے تخت پر بیٹھنے سے پہلے اپنا بہت بڑا رفیق اور امیر بنایا تھا اور اُس کے نام پر اُس نے جہاں آباد بسایا تھا جواب تک گنگا کے کنارہ پر موجود ہے اور اُس کی قبر بھی وہیں ہے۔ جب کہ شاہجہان اور اُس کے باپ جہانگیر میں لڑائی ہوئی تو شجاعت خاں جہانگیر سے آملا۔ اس لیے شاہجہان کے زمانہ بادشاہت میں اُن کی قدر کم ہو گئی اور اُس نے اور اُس کی اولاد نے زمینداری اور تعلقہ داری اس ضلع میں پیدا کر کے جہاں آباد میں اور پھر چاند پور میں سکونت اختیار کی کہ اب بھی چند دیہات زمینداری کے ان کے پاس ہیں اور رئیس کہلاتے ہیں۔

ان لڑائیوں میں رسم علی صادق علی نواب کے شریک نہیں ہوئے کیونکہ بسبب جدا آ جانے فرمان بادشاہی کے شاید نواب کے برخلاف ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنانی چاہتے ہوں، مگر چودھریوں کے بھی شریک نہیں ہوئے اور علیحدہ اپنی جگہ بیٹھے رہے اور چودھری صاحب بدستور دھام پور میں اپنے کام میں مصروف رہے۔

دھام پور اور شیر کوٹ میں | غرضکہ جب چودھری صاحبوں کا
لام بندی کی کیفیت | لام دھام پور میں جمع ہوا تو
احمد اللہ خاں نے بھی آدمی اور جمع کیے اور دوسری توپ جو
تجیب آباد میں تیار ہوئی تھی وہ بھی آگئی ہندو بیان کرتے ہیں
کہ احمد اللہ خاں نے مسلمانوں کے جمع کرنے کو محمدی جھنڈا
کھڑا کیا۔ کچھ عجب نہیں جو انہوں نے ایسا کیا ہو مگر ہم
اُس کو معتبر نہیں سمجھتے، البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ جس
طرح ہندو جمع ہوئے تھے اُسی طرح احمد اللہ خاں نے بھی آدمی
بھیج کر اور خط لکھ کر آدمی جمع کیے، چنانچہ یہ بات عظمت اللہ خاں

کے خط سے بھی جو ابھی ہم نے اُس کی نقل لکھی ہے ، ثابت ہوتی ہے ۔ جو غول ہندو خواہ مسلمان کے آن کر جمع ہوتے تھے ہر ایک غول کے ساتھ نشان اور باجا ہوتا تھا ۔ چودھری صاحبوں کی طرف قریب پچیس ہزار آدمی کے جمع ہو گیا تھا اور احمد اللہ خاں کی طرف جمعیت اس سے بہت کم تھی ۔ عظمت اللہ خاں کے خط میں اُس کی تعداد دو ڈھائی ہزار لکھی ہے ۔ شاید لڑائی کے وقت تک کچھ زیادہ ہو گئی ہو ۔ اس ہجوم کو دیکھ کر احمد اللہ خاں گھبرایا اور چودھری صاحبوں نے نادر شاہ خاں اور حسن رضا خاں کو احمد اللہ خاں کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ اگر تم گھاسا سنگھ اور بسنت سنگھ کو چھوڑ دو اور جو مال اسباب گڑھی میں سے لیا ہے پھر دو اور یہاں سے چلے جاؤ تو ہم کو تم سے کچھ پر خاش نہیں اور احمد اللہ خاں نے بھی صلح کا پیغام کیا اور گھاسا سنگھ کو بھیج دیا اور نادر شاہ خاں نے جو خط وہاں پہنچ کر لکھا چودھری پرتاپ سنگھ کے پاس موجود ہے وہ یہ ہے :-

نقل خط نادر شاہ خاں موسومہ
چودھری پرتاپ سنگھ بلا تاریخ
”چودھری صاحب شفق

نقل خط نادر شاہ خاں جو صلح
کی باب میں گھاسا سنگھ کے
ساتھ بھیجا گیا تھا

مہربان کر فرمائے مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ ! بعد اشتیاق ملاقات کے ظاہر ہو جیو کہ خط آپ کا آیا حال معلوم ہوا ۔ حسب وعدہ اپنے کے مسمیٰ گھاسا سنگھ کو روانہ خدمت کیا اور خاطر داری ہندوؤں کی از حد کی گئی اور تسلی تشفی بسنت سنگھ کی بدرجہ غایت کی اور کرائی اور جملہ مال و اسباب اس کا حوالہ اُس کے کر دیا ۔ بلکہ جو کچھ نقصان اُس کا وقوع اس معاملہ میں ہوا تھا اُس کی عوض میں دو گاؤں جاگیر کے عنایت کیے ۔ اب ہمارے وعدہ

کے وفا میں صرف ایک چلا جانا محمد احمد اللہ خاں کا نجیب آباد کو باقی ہے۔ وہ اب اس طور سے منحصر ہوا ہے کہ تم سب صاحب اپنے اپنے مکان کو چلے جاؤ اور رستہ خالی ہو جاوے تو یہ بھی چلے جاویں گے اور مجھ کو معلوم ہے کہ اس طرف بھی آدمی بہت اکٹھے ہو گئے ہیں اور اس طرف بھی اطراف سے جاعت کثیر جمع ہو گئی ہے اور ہوتی جاتی ہے۔ اس صورت میں اگر فساد ہوا تو ہزار ہا مخلوق کا خون ہووے گا۔ اب کہ خدا نے تمہارے آنے کی شرم رکھ لی ہے اور صورت صفائی میں بھی کچھ نقص واقع نہیں ہے تم کو چاہیے کہ شکرانہ کر کے اپنے مکان کو چلے جاؤ اور اس قدر تو میرے قول کی تصدیق ہوگی باقی ہر وقت پہنچنے بجنور کے کہ تم سے اور اور وعدہ ہیں وفا کیے جاویں گے اور بلکہ زیادہ اسے کہ تمہارے بزرگوں کے واسطے اس خاندان سے رعایت ہوئی تھیں رعایت کرائی جاویں گے بلکہ بعد ہو جانے صفائی کے جو جو مہم اہم ہوں گی وہ تمہارے ہاتھ سے لے جاویں گے جیسے کہ تم سے راستہ میں تذکرہ تھا آئندہ تم کو ہر طرح کا اختیار ہے بسبب ان عنایات کے جو تم نے میرے حال پر کریں ہیں۔ یہ خط خفیہ نواب صاحب سے لکھا ہے اور جو بات کہ اس میں لکھی ہے ان کے تذکرہ کا نیچہ ہے۔ نادر شاہ۔“

نادر شاہ کا حال | نادر شاہ خاں رہنے والا رام پور یا مراد آباد کا تھا۔ احمد اللہ خاں اس سے کچھ اپنی دور کی رشتہ داری بھی بیان کرتے تھے اور مدت سے سرکاری رجمنٹ میں رسالدار اور کار آزمودہ اور نہایت متفنی اور رجمنٹ ملتان سے رخصتی ہو کر روانہ ہوا تھا کہ اس غدر میں بعد تشریف لے جانے جناب صاحب کلکٹر بہادر کے بجنور میں پہنچا اور نواب نے اپنا نوکر کر لیا۔ بعد شکست پانے احمد اللہ خاں کے شیر کوٹ سے بھاگ

گیا پھر کسی نے اس کی صورت نہیں دیکھی -

بعد اس کے چودھری صاحبوں نے ثابت علی خاں کو جو چودھری صاحبوں کی قید میں تھا واسطے	چودھری بسنت سنگھ کا چھوٹا شیر کوٹ کی دوسری لڑائی اور احمد اللہ خاں کی شکست

صلح اور چھڑا لانے چودھری بسنت سنگھ کے بھیجا اور چودھری
بسنت سنگھ پالکی میں پڑ کر چودھری صاحبوں کے لشکر میں آیا
بہ مجرد پہنچنے بسنت سنگھ کے یعنی پانچویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو
لڑائی شروع ہوئی - احمد اللہ خاں اسی گڑھی میں جس میں چند روز
پہلے اس نے بے گناہ اپنے دشمن کو گھیرا تھا محصور ہوا اور کچھ
سپاہ اس کی باہر گڑھی کے رہی اور میدان کارزار گرم ہوا شیر کوٹ
کے گھر لٹنے اور جلنے شروع ہوئے اور کوثرہ کا محلہ بالکل برباد ہوا
اور بہت سے مسلمان اور کچھ عورتیں بھی ماری گئیں - احمد اللہ خاں
کی ایک توپ پھٹ گئی اور دوسری پھڑ پیہ سے اتر پڑی - اس پر
بھی اس کے سواروں نے جو سرکاری تعلیم یافتہ تھے بہت دلاوری
کی اور چودھری صاحب بھی خوب لڑے - آخر سپاہ احمد اللہ خاں
مغلوب ہوئی اور بھاگ نکلی اور میدان چودھری صاحبوں کے ہاتھ
رہا - اس دن لڑائی تھم گئی اور احمد اللہ خاں گڑھی میں گھرا
رہا - رات کے وقت احمد اللہ خاں مع چند آدمیوں کے جو اس کے
پاس تھے اور اپنی ٹوٹی توپوں کو ہاتھی پر رکھ کر براہ نگیںہ
نجیب آباد بھاگ گیا اور چودھری صاحبوں کی فتح ہوئی اور گڑھی
ان کے ہاتھ آ گئی -

اسی تاریخ یعنی پانچویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو چودھری مہاراج	مہاراج سنگھ کا بجنور ہرچڑھائی کرنا -

سنگھ ہلدور والہ نے جو ہلدور میں موجود تھا بشرکت چودھری
نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ رئیس بجنور کے جو دھام پور

سے براہ ہلدور جہالہ میں آگئے تھے بجنور میں نا محمود خاں پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور رات کو ہلدور سے روانہ ہوئے اور مع ایک ضرب توپ اور کئی جزائیل اور تخمیناً چار ہزار آدمی کی جمعیت سے چھٹی اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو دفعۃً ساڑھے پانچ بجے بجنور کے قریب آگئے کہ ان کے ڈھول اور تاشہ کی آواز بجنور میں آنے لگی اور اونچے مکانوں پر سے ان کے لشکر کے نشان دکھائی دیتے تھے، اس وقت نا محمود خاں کے ہاں ناچ ہو رہا تھا۔ وہ خواب غفلت سے چونکا اور ہر شخص سے پوچھتا تھا کہ یہ کیا ہے اور کون ہے اور کیوں آتے ہیں افسوس اگر میں ان کے پاس ہوتا تو کہتا کہ حضور اب معلوم ہو جاتا ہے۔

بجنور کی لڑائی اور نا محمود خاں کی شکست

کمر بندی ہو گئی اور سعد اللہ خاں منصف اسروہہ جو نواب سے ملنے آیا ہوا تھا ہاتھی پر سوار ہو کر اور کچھ سوار اپنے ساتھ لے کر دیکھنے گیا اور اس نے اپنی آنکھ سے چودھریوں کو دیکھ کر نا محمود خاں سے آن کر کہا کہ چودھری چڑھ آئے۔ نا محمود خاں کا رنگ زرد ہو گیا اور ہوش جاتے رہے اثنے میں چودھری نین سنگھ اور چودھری جودہ سنگھ گھوڑوں پر سوار بجنور کے بازار میں آئے۔ میں اور سید تراب علی اس وقت تحصیل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ میں نے چودھری جودہ سنگھ سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے باواز بلند یہ بات کہی کہ نواب نے اپنے ہاتھوں نوابی پر خاک ڈال دی۔ اب تھوڑی دیر میں دیکھنا کیا ہوتا ہے اور اسی وقت چودھری نین سنگھ اور چودھری جودہ سنگھ نے شہر کی ناکہ بندی کر لی اور آدمی متعین کر دیے کہ کوئی شخص شہر میں نہ آنے پاوے اور شہر کو نہ لوٹے درحقیقت یہ بندوبست ایسی ہوشیاری سے کیا گیا

تھا کہ اس دن شہر کا بچانا صرف ان دونوں چودھریوں کا کام تھا شہر کے مسلمانوں نے بھی اس دن کوئی بات اعانت اور مدد نواب کی برخلاف چودھریوں کے نہیں کی جب کہ یہ معاملہ پیش آیا تو نواب بھی لاچار جبراً و قہراً ہاتھی پر چڑھ کر اور جو سپاہ اس وقت قریب چار سو آدمی اور تیس چالیس سوار کے موجود تھی ان کو لے کر میدان میں آیا۔ بخارے کے باغوں پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اول ایک باڑ بندوق کی طرفین سے چلی۔ چار آدمی چودھریوں کی طرف سے زخمی ہوئے اور ایک مارا گیا۔ نواب کی طرف کا کوئی آدمی میں نے زخمی نہیں دیکھا اور نہ کسی کی لاش دیکھی لوگ کہتے ہیں کہ ادھر کے آدمی بھی مارے گئے اور زخمی ہوئے اتنے میں نواب کی طرف سواروں نے متفرق ہو کر توپوں پر حملہ کرنا چاہا تھا کہ دفعۃً ایک فیر توپ کا اور ایک ایک فیر جزائلوں کا چودھریوں کی طرف سے سر ہوا نواب نے توپ کی آواز سنتے ہی ہاتھی پھر دیا اور کوٹھی پر آن کر اپنے چھوٹے بیٹے کو ہاتھی پر بٹھا بھاگ نکلا۔ بڑا بیٹا اس کا غضنفر علی خان ننگے پاؤں گھوڑے پر بیٹھ بھاگ گیا۔ سپاہ تمام اس کی اور سوار قتر بتر ہو گئے اور شکست فاحش نواب کو نصیب ہوئی نا محمود خاں اور سعد اللہ خان مع بہت قلیل جماعت کے براہ منڈا اور نجیب آباد پہنچا اور تھوڑی دیر پہلے اس سے احمد اللہ خان جو شیرکوٹ سے بھاگا تھا نجیب آباد پہنچ چکا تھا۔ سب بھاگے ہوئے نجیب آباد میں جمع ہو کر اور آپس میں گلے لگ لگ کر خوب روئے۔

کوٹھیوں اور سرکاری دفتر کا
جلنا اور خزانہ کا لٹنا

چودھری صاحب اس کوٹھی پر
جس میں جناب صاحب کلکٹر بہادر رہتے تھے اور اب نا محمود خان
اس میں رہتا تھا جا بیٹھے اور گنواروں نے جن کا قابو میں رکھنا ناممکن

تھا اور در حقیقت لوٹ کی توقع پر جمع ہوئے تھے یورش کی اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کے بنگلہ میں اور سواروں کے لیے جو نا محمود خاں نے پھونس کی بارکیں بنائی تھیں ان میں آگ لگا دی اور لوٹنا شروع کیا۔ جس قدر اسباب ڈاکٹر منیٹ صاحب بہادر اور لمیٹر صاحب کا کہ نجیب آباد کے جانے سے باقی رہ گیا تھا اور اس ملک کی پیدائش عیسائیوں کا اسباب جو چھکڑوں پر واسطے جانے نجیب آباد کے لدا کھڑا تھا اور جو اسباب نا محمود خاں کا اور جملہ کتابیں اور باجا اور متفرق اسباب جناب صاحب کلکٹر بہادر کا جو کوٹھی میں تھا اور جس قدر افیم اور کاغذ اسٹامپ اور اور ٹکٹ ڈاک جو کچھ کہ خزانہ میں باقی تھا اور تمام اسباب جیلخانہ اور شفا خانہ کا اور جس قدر روپیہ کوٹھی میں تھا جس کی تعداد لوگ سترہ ہزار بیان کرتے ہیں اور غالب ۷ اس قدر یا اس کے قریب ہو سب لٹ گیا مگر مسٹر نیمٹر صاحب کی کوٹھی جو اسباب سے خالی ہو گئی تھی چودھری جودہ سنگھ کی تدبیر سے جلنے اور خراب ہونے سے بچ گئی۔ مشہور ہے کہ گنواروں سے وعدہ ہو گیا تھا کہ شہر کو اور لمیٹر صاحب کی کوٹھی کو نہ لوٹیں مگر دفتر سرکاری اور مال و اسباب سرکار کی آس وقت تک کسی کو قدر نہ تھی۔

پھر ان ہی بے قابو گنواروں نے کچھری کی کوٹھی پر حملہ کیا اور انگریزی دفتر کی کتابیں اور سرویری نقشہ جات کی کتابیں اور جو اسباب لوٹنے کے قابل تھا لوٹ لیا اور کلکٹری اور فوجداری کے دفتر میں چھپر ڈال کر آگ لگا دی اور متفرق بستہ جو اور کمروں میں تھے نکال نکال کر آسی جلتی آگ میں ڈال دیے۔ چند کمرے کچھری کی کوٹھی کے جل کر گر پڑے اور ایسا آراستہ دفتر فوجداری اور کلکٹری اور صدر امینی اور رجسٹری

دستاویزات کا جو ابھی تھی الف اور بے سے مرتب ہو چکا تھا خاک ہو گیا۔

چودھریوں کے نام سے بجنور میں منادی ہونا اور اُس کی عجائبات	اُسی ہنگامہ میں پکے باغ کا محلہ جو آبادی بجنور سے علیحدہ اور جیلخانہ کے قریب تھا دو دن

تک لٹتا رہا اور گھر بھی جل گئے اور اُس دن بجنور میں چودھری صاحبوں کے نام سے ان الفاظ سے منادی ہوئی کہ خلق خدا کی ملک بادشاہ کا حکم چودھری نین سنگھ اور چودھری جودہ سنگھ بجنور والوں اور ہلدور کے چودھری صاحبوں کا 'ڈھم، ڈھم' ان الفاظ کے سننے سے خدا کی قدرت یاد آتی تھی۔ جب میں نے یہ منادی سنی تو کہا سبحان اللہ ہم تو کتابوں میں یہ بات پڑھتے آتے تھے کہ "دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند" یہاں یہ تماشا ہے کہ پنج بادشاہ در یک ضلع میگنجند۔ نہیں نہیں، ان کی تمثیل یوں کہنی چاہیے کہ وہ درویش در یک گلی می بخسند۔ غرضکہ اس ہنگامہ میں آبادی بجنور پر کسی طرح کا صدمہ نہیں پہنچا۔ ایک بجے کے قریب چودھری مہاراج سنگھ کا سوار غجھ کو اور سید تراب علی تحصیلدار کو کہ ہم دونوں تحصیل کے مکان میں دروازہ بند کیے بیٹھے تھے، بلانے آیا۔ ہم دونوں وہاں گئے اور دفتر کے کمروں میں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے دیکھ کر ہمارا دل دھڑک اٹھا اور سرکاری افیم جو اس وقت لٹ رہی تھی اُس کو دیکھ کر ہماری جان تلخ ہو گئی۔ تھوڑی دیر ہم وہاں ٹھہر کر واپس آئے۔ چار بجے سب چودھری صاحب تحصیل میں آئے اور چند منٹ ٹھہر کر چودھری مہاراج سنگھ مع اپنے ساتھی کمک کے روانہ ہلدور ہوئے اور چودھری نین سنگھ اور جودہ سنگھ نے حفاظت آبادی بجنور اور انتظام وہاں کا اپنے قبضہ میں رکھا۔

شام کے قریب اکثر غول گنواروں کے اپنے اپنے گھر پہر گئے۔ جاتے وقت کسی غول نے کھاری کے	سواھیڑی اور چھتاور کے مسلمانوں کا مارا جانا اور مسجدوں کا ٹوٹنا

جولاہوں کو جو مسلمان تھے لوٹ لیا اور کئی جولاہے مار ڈالے۔ سواھیڑی کے جاٹوں نے وہاں کے مسلمان بساطیوں کو جو مالدار تھے لوٹا اور مسجد سواھیڑی کو توڑ ڈالا۔ ساتویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو چھتاور کے جاٹوں نے اصغر علی کو جو معزز آدمی تھا اور اس سے اور جاٹوں سے عداوت چلی آتی تھی مار ڈالا۔ اور اس کی ٹانگ میں رسی باندھ کر گھسیٹا اور مسجد چھتاور توڑ ڈالی۔ خاص بجنور میں مردہوں کے محلے میں مسلمانوں اور گوجروں میں تکرار ہوئی اور ایک آدمی مارا گیا اور طرفین کے کچھ زخمی ہوئے۔ گوجروں نے اس محلے کو اور نیز محلہ قاضی پاڑہ کو لوٹا اور مسلمانوں کو مارنا چاہا مگر چودھری نین سنگھ خود گیا اور فساد رفع کیا۔ اس قسم کی باتیں بے در پے ایسی ہوتی گئیں کہ ہندو اور مسلمان کی عداوت کا درخت جس کا بیج شیر کوٹ کی لڑائیوں میں بویا گیا تھا بہت بلند ہو گیا جس کا جڑ سے اکھڑنا ناممکن تھا، مگر چودھری نین سنگھ اور چودھری جودہ سنگھ بہت اس بات کے در پے تھے کہ ہندو و مسلمان کی تکرار نہ بڑھے اور مسلمانوں کی طمانیت اور ہندوؤں کو فہمائش کرتے تھے مگر کوئی آئینی فوج نہ تھی جو چودھریوں کا حکم مانتی بلکہ وہ گنوار چودھریوں کی کیا حقیقت سمجھتے تھے۔

ان فتوحات کے بعد چودھریان ہلدور میں اور چودھری صاحب تاج پور، تاج پور میں چلے آئے اور چودھریان بجنور، بجنور میں رہے اور آٹھویں اگست ۱۸۵۷ء کو چودھری امراؤ سنگھ اور بسنت سنگھ اپنی گڑھی شیر کوٹ میں جا بیٹھے۔

طرفین کی سپاہ اور گولہ اندازوں کا حال

میں کچھ نا مناسب نہیں سمجھتا اگر اس مقام پر طرفین کی سپاہ کا

کچھ حال بیان کروں۔ نواب کی سپاہ میں سب لوگ ملازم تنخواہ دار تھے اور اکثر کے پاس بندوقیں تھیں اور وہ لوگ بندوق لگائی بھی جانتے تھے بلکہ بہت سے پٹھان بہت اچھے بندوقچی تھے اور تخمیناً چالیس تلنگہ نمک حرام فوج کے جس کا افسر رام سروپ جمعدار جیلخانہ تھا، بہت عمدہ سپاہی قواعد دان تھے۔ اور باقی دھنے جولہ تھے جنہوں نے سوت کے تار کے سوا کبھی تلوار نہ پکڑی تھی۔ سوار بھی نواب کے بہت اچھے تھے۔ علی الخصوص چند سوار سرکاری زچمنٹوں کے جو وہاں موجود تھے وہ ہر طرح کی لڑائی جانتے تھے اور انہوں نے بہت سے سواروں کو اگر قواعد دان نہ بنایا تھا تو سپاہی تو ضرور کر لیا تھا۔ چودھری صاحبوں کی طرف صرف مانگی پکار تھی کہ جب گنوار بگل کانوں میں پٹتا تھا سب گنوار جمع ہو جاتے تھے۔ چودھری صاحب جو ان کو اکٹھا کرتے تھے دونوں وقت پوریاں اور کھانا پکا پکا کر دیتے تھے۔ اس سبب سے چودھری صاحبوں نے بہت زیر باری اٹھائی۔ چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاج پور کے ہاں مدت تک ہزارہا گنوار جمع رہے اور پانچ پانچ چھ چھ ہزار آدمی کو انہوں نے کھانا دیا۔ شیر کوٹ کی چڑھائی میں چودھری پرتاب سنگھ کے سبب بہت آدمی جمع ہوئے تھے اور درحقیقت دھام پور میں لام کا اس کثرت سے جمع ہونا اور چودھریان کانٹ کا مع اپنی جمعیت کے آنا صرف چودھری پرتاب سنگھ کا سبب تھا اور اسی جہت سے نہایت زیر باری ان لوگوں کے کھانا دینے میں چودھری صاحب نے اٹھائی۔ علی ہذا القیاس چودھریان ہلدور بھی مدت تک ان گنواروں کے کھانا دینے میں زیر بار رہے۔ میں نے اپنی

آنکھ سے ہلدور میں دیکھا کہ دن رات چودھریان ہلدور کے
 ہاں ان گنواروں کو کھانا دیا جاتا تھا۔ کوئی وقت دن رات
 میں ایسا نہ تھا کہ دو دو سو تین تین سو آدمیوں کا غول بیٹھا
 کھانا نہ کھاتا ہو۔ چودھریان بجنور نے بھی جہاں تک آن سے ہو
 سکا اس قسم کی زیر باری اٹھائی۔ پھر ان گنواروں کے غول کا یہ
 حال تھا کہ صرف لوٹ کے لالچ سے جمع ہوتے تھے اور لوٹنے کے
 سوا اور کچھ مطلب اور دلی مقصد ان کا نہ تھا۔ اطاعت کا یہ حال
 تھا کہ جو اپنا دل چاہتا تھا وہ کرتے تھے اور کسی چودھری
 کی بات نہ مانتے تھے بلکہ بارہا چودھریوں کے سامنے سخت کلامی
 اور بد زبانی سے پیش آتے تھے۔ لاچار چودھریوں کو خود دبنا پڑتا
 تھا۔ بہادری کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی کے غول میں سے کوئی
 آدمی زخمی ہو کر یا مر کر گرا اور سارا غول بھاگا۔ پھر اگر رسی
 باندھ کر کھینچو تو نہ تھمتے تھے۔ بہتیرا کہتے تھے کہ ارے
 بھائیو! پوریاں تو یوں دوڑ دوڑ کر لیتے تھے اور اب بھاگے جاتے
 ہو۔ کوئی نہ سنتا تھا۔ ہتھیار اور سامان کا یہ حال تھا کہ بڑے سے
 بڑے غول میں آٹھ سات دس بندوقوں سے سوا نہ ہوتی تھیں۔
 اکثروں کے پاس برجھی اور ٹوٹی تلوار یا گنڈاسہ اور بعضوں کے
 پاس نری لائھی۔ نتیجہ اس بیان کا یہ ہے کہ نواب کی دونوں
 جگہ شکست ہونی ایک اتفاقیہ بات تھی۔ دونوں طرف کے فوجوں
 کا سچا سچا حال سن کر کوئی عقلمند اس بات پر رائے نہیں دینے کا
 کہ یہ گنواروں کی بھیڑ نواب کی فوج پر فتح پاتی۔ اصلی سبب ان
 دونوں جگہ کی فتح کا یہ ہوا کہ اس زمانے میں نواب کے پاس
 توپیں صرف دو تھیں اور وہ دونوں شیر کوٹ پر گئی ہوئی تھیں۔ ان
 میں سے ایک توپ پھٹ گئی اور ایک گر پڑی۔ احمد اللہ خاں
 صرف اس دہشت کے مارے کہ توپوں کا جو چودھریوں کے پاس

میں مقابلہ نہ ہو سکے گا اور آدمیوں کی کثرت سے ڈر کر رات کو گڑھی میں سے بھاگ گیا۔ بجنور میں نا محمود خاں کے پاس کوئی توپ نہ تھی جب اس کے کان میں چودھریوں کی توپ کی آواز پہنچی اسی ڈر سے نواب بھاگ گیا۔ کیونکہ اس زمانے تک توپ کا ڈر بہت تھا اور یہ بات پیچھے تجربہ میں آئی ہے کہ ہندوستانی توپ سے کوئی آدمی نہیں مر سکتا۔

توپوں کا حال | اب بے اختیار دل چاہتا ہے کہ کچھ تھوڑا سا توپوں کا حال بھی لکھوں۔ طرفین کی توپیں اور طرفین کے گولہ انداز ایسے خوب تھے کہ اگر ہالیہ پہاڑ نشانہ کی جگہ رکھ کر ان سے کہا جاوے کہ اس پر گولہ مارو تو خدا سے امید یہی ہے کہ ہمیشہ خطا کرے گا۔ بلکہ اگر خطا سے بھی خطا نہ کرے تو خطا وار ہوگا۔ ہلدور کی شکست کے دن نواب کے گولہ اندازوں نے اس مکان پر جس میں میں اور ڈپٹی صاحب تھے ستر گولہ سے کم نہ مارا ہوگا مگر ایک بھی نہ لگا۔ حالانکہ اس کے سامنے بہت صاف میدان اور بہت اچھا موقع نشانہ لگانے کا تھا۔ جب کہ ہم نے ان کے توپ کے مورچہ پر اپنے مکان سے جزائیل اور بندوق کی گولیاں ماری شروع کیں تب انہوں نے ہمارے مکان کے مقابل سے مورچہ توپ کا اٹھا لیا۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اتنی لڑائیوں میں ایک آدمی بھی توپ کے گولے سے نہ مرا ہوگا۔

راٹے اس امر میں کہ ان لڑائیوں کو لوگ کیا سمجھتے تھے | اس امر میں رائے لکھنے کو میں بہت عمدہ بات سمجھتا ہوں کہ یہ لڑائیاں جو ہوئیں آیا لوگوں کے دل میں جو طرفین کے طرف لڑنے کو جمع ہوتے تھے یہ بھی خیال تھا کہ ان میں سے کسی کے ساتھ ہو کر لڑنا سرکار دولت مدار انگریزی کے برخلاف لڑائی کرنی ہے

میں اس میں کچھ شک نہیں کرتا کہ نواب نے حال و قال اور جو جو کام وہ کرتا تھا اُن سے سب کو ظاہر ہو گیا ہوگا کہ نواب سرکار کے برخلاف ہے اور اُس کا دلی ارادہ سرکار کی بدخواہی اور دل کی دعاء (کہ خدا اُس کی دعا کو اُسی پر ڈالے) زوال حکومت سرکار تھا اور چودھری صاحبوں کا کچھ ارادہ خود سری حکومت اور ملک گیری کا نہ تھا۔ مگر ضلع کے لوگوں کا میری رائے میں یہ حال تھا کہ ان لڑائیوں میں نواب کے ساتھ ہر کر چودھریوں سے لڑنے کو سرکار سے لڑنا یا برخلاف سرکار کے لڑائی کرنی نہیں سمجھتے تھے۔ سب کے خیالوں میں چودھریوں اور نواب کا مقابلہ تھا جس میں گویا سرکار بیچ میں سے علیحدہ تھی اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ جو لوگ چودھری صاحبوں کے ساتھ ان لڑائیوں میں شریک تھے اپنے تئیں چودھری صاحبوں کا حالی اور مددگار سمجھتے تھے۔ سرکار دولت مدار انگریزی سب کے دلوں سے الگ تھی کہ ہماری اس رائے کی تصدیق اوپر کے تمام حالات اور دفتر سرکاری کا جلنا اور تمام مال سرکاری کا لٹنا بخوبی کرتی ہے۔

جناب صاحب کلکٹر کے خط کا	ان لڑائیوں کے بعد ایک خط جناب چودھریوں کے نام آنا

کلکٹر و مجسٹریٹ بجنور کا بنام چودھریان ہلدور و چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاج پور اور چودھری امراؤ سنگھ رئیس شیر کوٹ آیا۔ اُس کے آنے کے بعد چودھری صاحبان اس بات پر متوجہ ہوئے کہ جملہ حالات ضلع کی اطلاع حکام کو کی جائے۔ چنانچہ اُس خط کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں :-

نقل خط | نقل خط مذکور مؤرخہ ساتویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء
مقام منصوری۔

”ان دنوں میں چند خبر ہا بابت بجنور استماع میں پہنچیں۔

سب سے دریافت ہوتا ہے کہ خاص تمہارے علاقے میں انتظام جہاں تک ہو سکے بخوبی چلتا ہے۔ مگر نواب محمود خاں صاحب تقاضائے شدید بابت اقساط گذشتہ کے ایسا کرتے ہیں کہ کل تعلقہ داران نہایت ناراض ہیں۔ فقط۔ حالانکہ آپ کو واضح ہوگا کہ وقت روانہ ہو جانے ہمارا انتظام ضلع ہذا سپرد نواب صاحب کے کیا گیا اس امید سے کہ ساتھ خیرخواہی تمام انتظام اُن کی طرف سے بخوبی ہو جاوے۔ چونکہ عرصے سے کسی طرح کا خبر نواب صاحب کا ہمارے پاس نہیں پہنچا ہے بلکہ چند خطوط پاس نواب صاحب بھیجے گئے ہیں مگر جواب ایک خط کا بھی نہیں بھیجتے ہیں اس لیے لاچار ہو کر اور بسبب بے خبری اصل حال ضلع اب تم کو لکھا جاتا ہے کہ بالفعل اور تا حکم ثانی تم تعلقہ دار اپنے علاقے کا انتظام اپنے ذمے سمجھو اور زر قسط سرکاری اپنے پاس امانت رکھو۔ فقط۔ آج کے دن خط پاس نواب صاحب کے بھی روانہ ہوتا ہے۔ دیکھا چاہیے کہ کیا وجوہات اُن کی طرف سے پیش ہوں گی کہ خطوط این جانب کا بے جواب رہا۔ یقین ہے کہ چند روز میں اُن کی طرف سے جواب این جانب کے پاس پہنچے گا آپ کو اطلاع دی جاوے گی۔ زیادہ لکھنا فضول ہے۔ اس لیے کہ کوتاہ اندیشاں کا حال جو نمک حرامی کے ساتھ کمر باندھ لی ہے تم کو بخوبی معلوم ہوا ہے۔ بلا شک واضح ہوگا کہ چند روز نہیں گزرے گا کہ دخل سرکاری ہو جاوے۔ آپ خاطر جمع رکھو۔ بدستور سابق بخوبی سمجھو کہ جو لوگوں نے اس زمانے میں خاطر داری نیک ادائی پیش کرے گا اُن کے واسطے حد سے بہتر ہوگا۔“

جبکہ بجنور میں لڑائی ہوئی تو ڈپٹی کلکٹر صاحب ہلدور میں تھے اور ہماری کمیٹی کے تینوں ممبر یعنی

بجنور کی لڑائی کے وقت اپنا حال اور پار اترنے سے چودھریان بجنور کا مانع ہونا

میں اور سید تراب علی تحصیلدار بجنور اور پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر بجنور میں اپنے اپنے مکان بند کیے بیٹھے تھے اور جو صدمہ ہمارے دل پر تھا اُس کا بیان کرنا ناممکن نہیں، کیونکہ ہمارے خیال میں بھی نواب کی شکست ہونی نہیں آتی تھی اور خوب ہم کو یقین تھا کہ نواب ہم تینوں کی جان نہیں بخشے گا۔ کیونکہ سچا جرم طرفداری اور خیر خواہی سرکار اور خفیہ خط و کتابت کا جو اُس نے ہماری طرف لگا رکھا تھا اُس کے سوا یہ بڑا شبہ اُس کے دل میں پیدا ہوا تھا کہ چودھریوں کا لڑنا علی الخصوص چودھریان بجنور کا بمقابلہ پیش آنا یہ ہم لوگوں کے اغوا سے ہوا۔ حالانکہ ہم اس اخیر الزام سے بالکل بری اور بے خبر تھے۔ جب کہ نواب کی شکست ہوئی ہم نے اپنی زندگی دوبارہ سمجھی اور یہ بات چاہی کہ گنگا پار میرٹھ چلے آویں کیونکہ جو ظالم ہمارے سد راہ ہو رہا تھا اور ہم کو بجنور سے نہیں نکلنے دیتا تھا نہ رہا تھا، مگر گھاٹ پر چودھری صاحبوں کا بند و بست تھا اور غدر راہ کا ایسا ہو گیا تھا کہ بدون اعانت اور مدد چودھری صاحبوں کے ایک قدم راہ طے کرنی ممکن نہ تھی۔ اس لیے ہم نے چودھریان بجنور سے چند روز تک نہایت عاجزی سے التجا کی مگر انہوں نے ہم کو نہ نکلنے دیا اور جو ہماری قسمت میں مصیبت تھی ہم پر پڑی۔

میں کچھ برائی کا الزام اس بات میں چودھری صاحبوں کو اپنے نہ نکلنے میں نہیں دیتا بلکہ اُن کو یا یہ بے جا خیال دل میں رہا کہ یہ لوگ حکام انگریزی کے پاس جا کر اپنی سرخروئی اور اپنی خیر خواہی دم سے زیادہ جتاویں گے یا یہ سمجھے کہ دفتر جلنے یا مال سرکاری لٹنے کا حال صاف کہہ دیں گے اور پھر کئی دن بعد اُن کو یہ خیال ہوا کہ ان کے چلے جانے سے انتظام ضلع

کا نہ ہو سکے گا اور رعایا کے دل ٹوٹ جاویں گے۔ مگر ہم کو یہاں کے رہنے سے کمال رنج تھا کہ ہم نہایت بے بس اور بے کس تھے اور ہمیشہ ہم کو یقین تھا کہ اب نواب بجنور چھین لے گا اور ہم پکڑے اور مارے جاویں گے۔

عرضیاں حالات ضلع کی بحضور
حکام بھیجنا

جبکہ ہم کو بجنور سے چھوٹنے اور حکام کے پاس حاضر ہونے کی توقع جاتی رہی تو ہم تینوں آدمیوں نے عرضیاں تمام حالات جنگ اور شکست ہونے نواب کی بحضور جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور اور حکام انگریزی کے لکھیں اور سررشتہ کی روکاری در باب جل جانے دفتر دیوانی کے روانہ کی اور جملہ چودھری صاحب پہلے سے بھی خط و کتابت حکام انگریزی سے رکھتے تھے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر کے خط کے آنے کے بعد زیادہ تر متوجہ تحریر حالات ہو گئے تھے اور ہماری کمیٹی کے ایک ممبر پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر بھی اس بات کی ہمیشہ تائید کرتے رہتے تھے اور سرکار انگریزی کی حکمت جلی اور شجاعت ذاتی کو جو اچھی تعلیم یافتہ ہونے کے سبب ان کو معلوم تھی ہر ایک کو سمجھاتے رہتے تھے اور بعض آدمیوں کی زبان پر جو یہ بات آجاتی تھی کہ بسبب نمک حرام ہو جانے کل فوج ہندوستانی کے سرکار کی عملداری کو پائنداری ہونا بہت مشکل ہے اس خیال کو شائستہ تقریر سے دور کرتے تھے اور خاص میرا قول اور دلی رائے جس میں کبھی فرق نہیں آیا یہ تھی کہ فتح و شکست کثرت و قلت تعداد آدمیوں پر موقوف نہیں ہے اور بڑی شجاعت بھی کام نہیں آتی بلکہ دانائی اور تدبیر اور قواعد جنگ اور ہتیاروں کو علمی اور عملی قواعد سے کام لانے سے ہوتی ہے۔ پھر بہت بھیڑوں کا گھتیلے اور داؤں گیرے ایک شیر کے سامنے بھی جمع

ہونا کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ان باتوں پر لحاظ کر کے جملہ چودھری صاحبوں نے بھی اپنی اپنی عرضیاں متضمن ان وارداتوں اور اپنی اطاعت اور فرماں بردار ہونے سرکار کے بحضور حکام روانہ کیں اور فرمان بادشاہی جو نا محمود خاں کے نام آیا تھا اور بعد بھاگنے نا محمود خاں کے آس کے کاغذات میں سے پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر نے تلاش کر کے مع اور مفید اور بکار آمد کاغذوں کے نکالا تھا آس فرمان کو چودھری جودہ سنگھ رئیس بجنور خود لے کر بحضور جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر اسپیشل کمشنر اور صاحب جج مراد آباد روانہ میرٹھ ہوئے۔

صدر امین اور تحصیلدار اور
ڈپٹی انسپکٹر کا ہلدور جانا

مگر ہمارا اضطراب قیام بجنور سے بدستور تھا اور ہم سنتے تھے کہ نا محمود خاں اور علی الخصوص احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں درستی سامان جنگ میں مصروف ہیں اور آن کی سپاہ بھی آن کے پاس جمع ہوتی حاتی ہے اور قریب چار ہزار آدمی ملازم کے وہاں جمع ہو گیا ہے اور ضرور ارادہ بجنور پر حملہ کرنے کا ہے بلکہ دو دفعہ خاص بجنور میں غلغلہ پڑ گیا کہ نواب چڑھ آیا اور عجیب حالت بجنور میں صرف اس غلغلہ سے ہو گئی اور چودھری جودہ سنگھ جو کنویں میں سے روپیہ تلاش کرنے کو بیٹھے تھے ایسے بے اوسان گھر پر پہنچے تھے کہ سب کی جان ہوا ہو گئی تھی اور چودھری نین سنگھ کے بھی ہوش جاتے رہے تھے۔ اس سبب سے ہم کسی طرح اپنی جان کو بچا ہوا نہیں سمجھتے تھے اور ہر وقت بجنور سے نکلنے کی تدبیر میں تھے مگر اپنے بس کی کوئی بات نہ تھی۔ لاچار ہم نے یہ تدبیر کی کہ کسی حکمت سے ہم ہلدور چلے جاویں۔ چودھری رندھیر سنگھ فہمیدہ آدمی ہے۔ اُن سے کہیں کہ ہمارے روکنے سے بجز اس کے کہ ہماری جان جاوے اور کچھ فائدہ نہیں

ہے۔ ہمارے حال پر رحم کر کے ہم کو گنگا پار اتار دو۔ چنانچہ چودھری نین سنگھ صاحب بھی ہلدور جانے اور پھر واپس آنے کے اقرار پر راضی ہوئے۔ ہم نے بجنور سے نکلتا غنیمت سمجھا اور چودھری نین سنگھ صاحب نے چند آدمی اپنے معتمد ہمارے ساتھ کیے۔ اس فہمائش سے کہ بھر ہم کو بجنور واپس لاویں اور میں اور سید تراب علی تحصیلدار اور پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر بارہویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو ہلدور روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بجنور کے واپس آنے سے انکار کیا مگر پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر اس سبب سے کہ ان کے قبائل سب بجنور میں تھے ان کو واپس آنا ضرور تھا۔ چنانچہ تیرہویں تاریخ کو وہ بجنور میں واپس آئے۔

ہلدور میں جو رئیس جمع تھے ان کا بیان اور وہاں کے مشورہ کی کیفیت

جب ہم ہلدور پہنچے تو چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاج پور بھی وہاں تھے اور میر صادق علی رئیس چاند پور بھی وہاں آئے ہوئے تھے اور درباب انتظام ضلع گفتگو مقصود تھی۔ ہم نے تو مداخلت انتظام ضلع سے بدوں حکم سرکار صاف انکار کیا۔ میر صادق علی کی یہ رائے پائی کہ جس طرح جناب کلکٹر صاحب بہادر نے اپنے خط مورخہ ساتویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء میں لکھا ہے ہر ایک رئیس اپنے اپنے علاقہ کا انتظام کرے کہ اس میں پرگنہ چاند پور کی جداگانہ حکومت میر صادق علی کی قائم رہتی تھی۔ ہم نے ہلدور سے ایک اور عرضی جملہ رئیسوں کی طرف سے اور اپنی اور سید تراب علی اور ڈپٹی صاحب کی طرف سے کہ یہ سب ہلدور میں موجود تھے جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر کے پاس روانہ کی اور کنہیا لال ڈگری نویس محکمہ صدر امینی کو بھی بھیجا اور اسی تاریخ چودھری رندھیر سنگھ رئیس ہلدور اور چوہدری پرتاب سنگھ رئیس تاج پور اور میر صادق علی رئیس چاند پور

واسطے انتظام کے روانہ بنجور ہوئے کہ ۱۴ تاریخ کو میر صادق علی چاند پور چلے گئے اور چودھری صاحبان وہاں مقیم رہے۔ ان تمام گفتگوؤں میں جیسی اچھی رائے ہم نے چودھری پرتاپ سنگھ کی پائی اور ہر وقت جیسا ڈر حکام انگریزی کا ان کے دل میں ہم نے پایا اور کسی میں نہیں دیکھا۔ ہر دم اُس کی زبان پر یہ بات تھی کہ فلاں کام کرتے تو ہو مگر یہ بھی خیال ہے کہ حکام انگریزی اس پر کیا کریں گے۔ غرضکہ اُن معاملات کے بعد چودھری بدھ سنگھ صاحب سے ہم نے اپنا مطلب عرض کیا کہ ہم کو مدد دے کر پار اتروا دو۔ ہمارے اصرار پر انھوں نے اقرار کیا اور پچاس آدمی دینے تجویز کیے اور یہ بات ٹھہری کہ سید تراب علی تحسیندار بنجور نکیہ میں جا کر بہ اعانت رام دیال سنگھ جو اُسی روز واسطے انتظام نکیہ اور لانے سانچہ توپ کے جو تھو خاں نے نواب کے لیے بنوائی تھی روانہ نکیہ ہوتے تھے اپنے قبائل کو ہلدور میں لے آویں تاکہ ہم سب مل کر گنگا پار اتر جاویں اور سید تراب علی کو یہ بھی فہائش ہوئی کہ تم نکیہ میں مدت تک رہے ہو۔ وہاں کے لوگوں کو فہائش بھی کر دو کہ ہندو مسلمان آپس میں کچھ فساد نہ کریں، چنانچہ سید تراب علی چودھویں اگست کو روانہ نکیہ ہوئے۔

انتظام ضلع کے لیے کچھ سرکاری فوج آنے کی تجویز ہونا۔

جب یہ عرضیاں چودھری صاحبوں کی اور ہماری میرٹھ میں بحضور حکام پہنچیں تو جملہ حکام کی رائے یہ قرار پائی کہ ایسی حالت میں تھوڑی سی فوج کا مع حکام ضلع، ضلع میں بھیج دینا مناسب ہے۔ اور کچھ تھوڑی سی فوج کی واسطے لے جانے ضلع کے تجویز بھی ہوئی اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر اس امر میں بہت مساعی ہوئے، چنانچہ جملہ حکام نے اس تجویز کو منظور کر کے

رپورٹ واسطے فراہمی فوج مجوزہ اور صدور حکم و اجازت روانگی ضلع کے بحضور گورنمنٹ آگرہ روانہ کی اور منتظر صدور حکم رہے اور یہ تجویز کی کہ بھد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر اور سید احمد خاں صدر امین یعنی مصنف تا تشریف آوری حکام انگریزی انتظام ضلع از جانب سرکار کریں ، چنانچہ پندرہویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء بمقام ہلدور شام کے وقت ہمارے پاس ایک خط جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر جج اور کمپشنل کمشنر بنام میرے اور ایک خط بنام بھد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر اور ایک خط جناب مسٹر ولیم صاحب بہادر کمشنر میرٹھ کا بنام ہم دونوں کے اور ایک خط جناب مسٹر جارج ہامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ کا بنام ہم دونوں کے واسطے انتظام ضلع کے پہنچے اور یہ سب خط مؤرخہ تیرہویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کے تھے ۔ اگرچہ یہ سب خط ایک آفت کے وقت جن کا ذکر آوے گا ہم نے بجنور میں جلا دیے اور میرٹھ میں جب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کی نقلیں بھی دفتر میں نہیں تھیں کیونکہ بہت جلدی میں اور نازک وقت میں لکھے گئے تھے مگر جو مضامین ان کے سب متحد تھے ہم کو یاد ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں :-

آئیدھے بے تفاوت ہوں ۔

مضمون خط | خلاصہ مضامین خطوط مذکورہ مورخہ تیرہویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء بنام بھد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صدر امین بجنور :-

” جو کہ تمہاری تحریر سے اور چودھریان ضلع بجنور کی تحریر سے معلوم ہوا کہ یہ سبب ظلم اور زیادتی نواب کے جو چودھریان ضلع بجنور پر اس نے کی چودھریوں اور نواب میں مقابلہ ہوا اور نواب شکست کھا کر بھاگ گیا اور اب انتظام ضلع کا ضرور ہے اس لیے تم دونوں کو لکھا جاتا ہے کہ تم دونوں اہلکار سرکاری اپنے تئیں

تمام ضلع کا جانب سرکار سے منتظم سمجھ کر بالاتفاق انتظام ضلع کا کرو اور جملہ چودھریان ضلع بھی یہی درخواست رکھتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں انتظام ضلع کا رہے۔“

چودھری صاحبوں نے جو اپنی عرضیاں بھیجی تھیں ان کے جواب میں بھی یہی لکھا آیا کہ رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر اور سید احمد خاں صدر امین کو منتظم ضلع مقرر کیا گیا تم لوگ ان کے مدد و معاون رہو اور اب حکام انگریزی مع فوج کے جلد اس ضلع میں آجاویں گے چنانچہ جناب مسٹر جان کری کرافٹ ولسن صاحب بہادر نے جو خط بنام چودھری امراؤ سنگھ رئیس شیر کوٹ لکھا تھا اور وہ ہم کو ان کے پاس سے ملا، اس مقام پر بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

”رفعت و عالی مرتبت گرامی
قدر چودھری امراؤ سنگھ صاحب
سلمہ الرحمن! عرضی آپ کی مشعر

جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر
کا پروانہ چودھری امراؤ سنگھ
کے نام

حالات ظلم اور بدعت نواب محمود خاں کے پہنچی سب حال معلوم ہوا کہال افسوس و رنج ہے کہ آپ کا اس قدر نقصان عظیم ہوا اور شیوراج سنگھ اور قبیلہ اس کا قتل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کوئی آفت کسی شخص پر نازل نہیں کرتا کہ جس کے بعد کچھ تسلی نہ ہو۔ اگر اس قدر ظلم یعنی غارت گری مال و قتل عزیزان تمہارا پٹھان لوگ نہ کرتے تو تم سب رؤسائے ہنود یک دل ہو کر کیونکر اس کو نکالتے اب تم سب ہنود نے اتفاق کر کر اس ظالم نواب کو نکال دیا۔ اگر سابق سے بھی تمہارے باہم ایسا اتفاق ہوتا تو جس قدر فوج باغی اس نواح میں تھی اس کا مارا جانا کیا مشکل ہوتا اور پھر کیا ضرورت چلے آنے ہم لوگوں کی وہاں سے ہوتی اور ایسی آفات تم لوگوں پر کیوں آتے۔ خیر سب

اسور اپنے وقت معینہ پر منحصر ہیں اب بفضل خدا سب تکالیف تمہاری جلد رفع ہو جاتی ہیں بطلب ہماری جو آپ لکھتے ہیں۔ سوہم نے واسطے جانے بجنور کے گورنمنٹ کو لکھا ہے اور شیکسپیئر صاحب بھی پہاڑ سے بولائے گئے ہیں۔ اب عنقریب بند و بست فوج کا ہو جاتا ہے ہم تھوڑی سی فوج معتبر لے کر عنقریب آویں گے اور سید احمد خان صدر امین اور رحمت خان صاحب ڈپٹی کلکٹر کو لکھا گیا ہے کہ تا پہونچنے ہمارے وہ انتظام وہاں کا اچھی طرح کریں گے اور مسٹر پامر صاحب جنٹ مجسٹریٹ بجنور کا جو حال آپ نے دریافت کیا تھا سو وہ مظفر نگر میں ہیں میرٹھ میں آئے تھے۔ سو آج رات کو میراں پور میں ہوں گے بطلب خط بنام والی رام پور جو آپ نے لکھا تھا سوہم نے کل کی تاریخ خط انگریزی نواب صاحب والی رام پور کو لکھ بھیجا ہے اور ایک خط انگریزی مکرر آج بھی حسب درخواست آپ کے لکھ کر ان کے پاس بھیج دیں گے۔ میرٹھ سے تالب گنگ ڈاک ہرکارہ کی معرفت پوسٹ ماسٹر صاحب میرٹھ بٹھائی جاتی ہے بجنور سے تا اس کنارہ آپ ہرکارہ معتبر اور خواہ مرد مسلح مقرر کر دیجیے اور حالات روزانہ اس نواح سے اطلاع دیتے رہیے اور واسطے عبور ہرکارہ کے ایک ڈونگی مقرر کر دیجیے۔ حال لگا دینے توپ کا اپنے مکان پر بہ نسبت بھانجہ نواب ظالم جو آپ نے لکھا تھا سو اہل ہند جنہوں نے توپ نہیں دیکھی توپ سے بہت ڈرتے ہیں مگر جب توپ ناواقف کے ہاتھ میں ہے تب وہ توپ ہتیار نہیں جیسا لوگ خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ پٹھان لوگ تم اہل ہنود پر توپ لگا دیں تو یہ تدبیر کرنی چاہیے کہ دو دو آدمی چاروں طرف پھیل جاؤ اور بیچ میں فاصلہ سو سو قدم کا چھوڑ دو اور چاروں طرف سے ایک ہی وقت گولہ اندازوں پر حملہ کرو جب وہ توپ چلا چکیں۔ جب توپ پچاس قدم رہ جاوے تب گویا تمہارے ہاتھ

لگ گئی۔ سمجھو۔ مگر جو مہیڑ کی مثال خوفناک ہو کر ایک ہی جگہ کھڑے ہو جاؤ گے تو تمہارا نقصان عظیم ہوگا ورنہ توپ کچھ خاک بھی نہیں کر سکتی اور تیوڑے ہی دن کی بات ہے کہ ایک کمپنی گوروں نے آٹھ ضرب توپ کلاں کنارہ ندی ہینڈن پر تلنگوں سے چھین لی۔ تم بھی اسی طرح عمل میں لاتے رہو“
تحریر چودھویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء -

بعض کہات جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر جو صاحب ممدوح نے سید احمد خاں کی نسبت فرمائے	میں نہایت متامل ہوتا ہوں اس اگلی بات بیان کرنے سے کہ میں اپنی نسبت آپ لکھتا ہوں اور پھر مجھ کو اس کے لکھنے پر اس لیے

دلیری ہوتی ہے کہ درحقیقت میں خود نہیں لکھتا بلکہ اپنے آقا کی بات بیان کرتا ہوں اور پھر مجھ کو نہایت خوشی ہوتی ہے کہ گر میرے آقا نے میری نسبت کہی ہو میں کیوں نہ اس کو کہوں اور کس لیے نہ لکھوں کہ اپنے آقا کی بات سے خوش ہونا اور اس کو بیان کر کر اپنا فخر کرنا نوکر کا کام ہے۔ یعنی حب میں میرٹھ آیا اور بیماری نے مجھ کو کمال ستایا تو میرے آقا مسٹر جان کری کرافٹ ولسن صاحب بہادر دام اقبالہ صاحب جج اور اسپیشل کمشنر میری عزت بڑھانے کو مجھے دیکھنے آئے اور مجھ سے یہ بات کہی کہ تم ایسے نمک حلال نوکر ہو کہ تم نے اس نازک وقت میں بھی سرکار کا ساتھ نہیں چھوڑا اور باوجودیکہ بجنور کے ضلع میں ہندو اور مسلمان میں کمال عداوت تھی اور ہندوؤں نے مسلمانوں کی حکومت کو مقابلہ کر کے اٹھایا تھا اور جب ہم نے تم کو اور محمد رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر کو ضلع سپرد کرنا چاہا تو تمہاری نیک خصلت اور اچھے چلن اور نہایت طرفداری سرکار کے سب ہندوؤں نے جو بڑے رئیس اور ضلع میں نامی

چودھری تھے سب نے کمال خوشی اور نہایت آرزو سے تم مسلمانوں کا اپنے پر حاکم بننا قبول کیا بلکہ درخواست کی کہ تم ہی سب ہندوؤں پر ضلع میں حاکم بنائے جاؤ اور سرکار نے بھی ایسے نازک وقت میں تم کو اپنا خیر خواہ اور نمک حلال نوکر جان کر کمال اعتاد سے سارے ضلع کی حکومت تم کو سپرد کی اور تم اسی طرح وفادار اور نمک حلال نوکر سرکار کے رہے اس کے صلہ میں اگر تمہاری ایک تصویر بنا کر پشت ہا پشت کی یادگاری اور تمہاری اولاد کی عزت اور فخر کو رکھی جاوے تو بھی کم ہے۔ میں اپنے آقا کا کمال شکر ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھ پر ایسی مہربانی کی اور میری قدر دانی کی۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ آمین۔

ڈپٹی کلکٹر اور صدر امین کا
بجنور میں آنا

غرض کہ جب یہ حکم ہمارے نام پہنچا تو ہم نے اس کی اطاعت کرنی اپنی کمال عزت سمجھی اور میں اور محمد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر ہلدور سے بجنور میں آئے اور انتظام ضلع اپنے ہاتھ میں لیا اور اشتہارات عملداری سرکار دولت مدار کے جاری کیے اور تمام ضلع میں سرکار کمپنی انگریز بہادر کے نام سے منادی پٹوائی اور روبکاری آٹھا لینے انتظام کی جس کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں بحضور حکام روانہ کی۔

روبکاری باطلاع شروع کرنے
انتظام ضلع کے

روبکاری کچھری فوجداری ضلع بجنور بہ اجلاس محمد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ و سید احمد خاں صدر امین منتظمان ضلع بجنور واقعہ ۱۶ اگست سنہ ۱۸۵۷ء۔

”احکام جناب صاحب کمشنر بہادر ضلع میرٹھ اور جناب صاحب جج بہادر ضلع مراد آباد اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ

بہادر ضلع بجنور مؤرخہ ۱۳ اگست سنہ ۱۸۵۷ء ہمارے نام پندھرویں اگست سنہ حال کو وقت شام اس ارشاد سے پہنچے کہ ڈپٹی کلکٹر و صدر امین باہم متفق ہو کر تا تشریف آوری حکام انگریزی کے انتظام ضلع بجنور کا کریں ، چنانچہ بہ مجرد پہنچنے احکام سرکار کے ہم لوگ بمقام بجنور حاضر ہوئے اور چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری بدھ سنگھ رئیسان ہلدور اور چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاج پور بھی بمقام بجنور موجود ہیں ۔ چنانچہ ہم بہ اعانت رئیسان مذکور اور رئیسان بجنور انتظام ضلع میں مصروف ہوئے اور احکامات اور اشتہارات مناسب جاری کئے اور جہاں جہاں کہ لوگ واسطے مفسدہ کے جمع تھے ان کو متفرق کرنے کی تدبیر کی گئی ۔ لہذا

حکم ہوا کہ

نقل اس روبکاری کی بہ حضور جناب صاحب کمشنر بہادر میرٹھ اور جناب صاحب جج بہادر ضلع مراد آباد اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر ضلع بجنور کے بھیجی جاوے۔“

سرکاری اسباب جو لٹ گیا تھا اُس میں سے تھوڑے کا برآمد ہونا	بعد اس کے ہم نے بجنور میں ایک اور منادی پٹوائی کہ جس جس شخص نے اسباب سرکاری اور

صاحبان انگریز کا اس ہنگامے میں لوٹ لیا ہے وہ دے جاوے ۔ یا کسی مقام پر خفیہ رکھ جاوے اگر ایسا نہ کرے گا یا اسباب کو ضائع اور تلف کرے گا تو مجرم ٹھہرایا جاوے گا ۔ اس منادی پر بہت سی کتابیں دفتر کی اور جناب صاحب بہادر کلکٹر بہادر کے بچ کی اور کچھ اسباب شفاخانہ کا اور بہت سا کاغذ اسٹامپ اور چند کتابیں سرویری نقشہ جات کی اور رجسٹری دستاویزات اور قوانین کی دستیاب ہوئیں اور کچھری تحصیل میں جمع کی گئیں ۔

ہری سنگھ امین بٹوارہ نے اس اسباب کے جمع کرنے اور سرویری نقشہ جات کی کتابوں کے ہم پہنچانے میں نہایت سعی اور کوشش کی اور چودہری نین سنگھ رئیس بجنور نے جس قدر کتابیں جمع کی تھیں انہوں نے بھی تحصیل میں بھیج دیں اور اسی طرح اور بہت سا اسباب نکلنے کی توقع تھی مگر افسوس کہ تقدیر سے ہمارا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

راٹے سید احمد خان کی نسبت الفاظ منادی	جب ضلع ہمارے سپرد ہوا تو میری یہ رائے تھی کہ پرانے لفظ

منادی کے یعنی خلق خدا کی ملک بادشاہ کا حکم کمپنی صاحب بہادر کا بدلے جاویں اور بجائے ملک بادشاہ کے پکارا جاوے کہ ملک ملکہ معظمہ و کثوریا شاہ لندن کا کیونکہ منادی میں ایسے الفاظ چاہئیں کہ جن سے عوام الناس بغیر شک کے یہ بات سمجھے کہ درحقیقت ملک کس کا ہے اور ہمارا بادشاہ کون ہے اور ہم کس کی رعیت ہیں، لیکن بلا اجازت حکام صرف اپنی رائے سے اس دستور قدیم کو بدلنا مناسب نہ جانا اور اس باب میں ایک خاص رائے اپنی دوسرے وقت پر موقوف رکھی۔

جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا میراں پور میں مقیم ہونا	جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے ضلع کے حال پر کمال

توجہ فرمائی اور خود میراں پور میں مقیم ہوئے تاکہ روزمرہ کا حال صاحب کو معلوم ہوتا رہے اور ہر طرح ہماری تسلی اور تشفی رہے۔ چنانچہ علاوہ اس روبکاری کے جس کا ذکر اوپر لکھا سولہویں اگست ۱۸۵۷ء کو ہم نے ایک رپورٹ حالات ضلع کی بہ حضور صاحب ممدوح روانہ کی جس کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں :-

نقل رپورٹ حالات ضلع برقومہ صاحب ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خان	نقل رپورٹ حالات ضلع برقومہ ۱۶ اگست سنہ ۱۸۵۷ء

صدر امین منتظان ضلع بجنور بنام مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ
مجسٹریٹ مرقومہ ۱۶ اگست سنہ ۱۸۵۷ء -

”حال اس ضلع کا یہ ہے کہ سوائے پرگنہ نجیب آباد کے
اور سب طرف امن ہے۔ قصبہ ٹھور اور سیوہارہ اور میمن اور نگینہ
اور کچھ لوگ یہ ارادہ مفسدہ جمع ہوئے تھے، ان کے متفرق کرنے
کی تدبیریں کی گئی ہیں۔ غالب ہے کہ متفرق ہو گئے ہوں یا
شام صبح ہو جاویں چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری بدھ سنگھ
رئیہ۔ ان ہلدور اور چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاج پور مع جمعیت
مناسب بجنور میں موجود ہیں اور انتظام ضلع میں مع رئیسان بجنور
ہر طرح کی مدد دیتے ہیں۔ حال نجیب آباد کا یہ ہے کہ سنا جاتا
ہے کہ نواب محمود خاں کے پاس قریب پانچ ہزار کی جمعیت اور
ایک توپ برنجی نو طیار آن کے پاس موجود ہے اور نجیب آباد میں
ایک توپ اور طیار کروائی ہے اور جس قدر دیہات قرب و جوار
نجیب آباد کے ہیں ان کو لوٹتے ہیں اور جلاتے ہیں۔ ہماری دانست
میں جس قدر سرکاری فوج آنے میں توقف ہوگا اسی قدر آن کے
پاس جمعیت زیادہ ہوتی جاوے گی اور اگر سرکاری فوج جلد تر اس
ضلع میں آ جاوے گی تو فی الفور ان کی جمعیت منتشر ہو جاوے گی۔
حال جاری ہونے ڈاک کا یہ ہے کہ جناب صاحب کمشنر بہادر
میرٹھ اور جناب صاحب جج بہادر مراد آباد نے یہ حکم بھیجا ہے
کہ ڈاک سابق جاری کی جاوے یعنی راولی سے مظفر نگر تو
اُس کے اجراء کی تدبیر ہو رہی ہے اور حضور جو چاہتے ہیں کہ
روزانہ خبر حضور کو بمقام جولی یا میراں پور پہنچے تو اس کام
کے لیے ضرور ہے کہ بذریعہ سوار ہر روز یہاں کے حالات حضور
میں روانہ ہوا کریں کیونکہ مظفر نگر کی ڈاک جاری ہونے سے
یہ مطلب حاصل نہیں ہوگا۔ اس واسطے مظفر نگر کی ڈاک بھی

بدستور سابق جاری کریں گے اور حضور کے پاس جداگانہ معرفت سوار کی یا ہرکارہ کی روزانہ حالات یہاں کے روانہ کیا کریں گے۔“

سترہویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو ہم نے ایک اور رپورٹ روئداد ضلع کی بہ حضور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کے روانہ کی، اس کی نقل بھی بعینہ مندرج کرتے ہیں:-

نقل رپورٹ ثانی متضمن روئداد ضلع | نقل رپورٹ محمد رحمت خاں ڈہٹی
مرقومہ ۱۷ اگست سنہ ۱۸۵۷ء | کلکٹر و سید احمد خاں صدر امین

منتظان ضلع بجنور مؤرخہ ۱۷ اگست سنہ ۱۸۵۷ء -

”اس وقت تک حال ضلع کا بدستور ہے کوئی بات نئی نہیں ہوئی۔ مگر کئی باتیں قابل عرض کے ہیں۔ حضور آن کو بعد غور ملاحظہ فرمائیں اور مفصل اس کے جواب سے مطلع کریں۔ اول یہ کہ نواب محمود خاں باوجود ان سب باتوں کے جو وقوع میں آئیں تدبیر جمع کرنے آدمیوں اور درستی توہوں میں مصروف ہے جس قدر حضور کے آنے میں توقف اور تاخیر ہوگی وہ سامان درست کرتا جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ اس ضلع کے رئیسوں کے پاس کچھ فوج ملازم نہیں ہے بلکہ سب زمیندار اور آپس کی برادری وقت پر جمع ہو جاتی ہے اس صورت میں ایک مدت دراز تک جمع رہنا ان لوگوں کا غیر ممکن ہے۔ علاوہ اس کے اگر وہ لوگ جمع بھی رہیں تو اخراجات خوراک روزمرہ ان کا اس قدر پڑتا ہے کہ کوئی رئیس متحمل نہیں ہو سکتا اور سوائے اس کے کارخانہ کشتکاری بالکل تباہ اور برباد اور مسدود ہوا جاتا ہے۔ انجام کو یہ نقصان سرکار ہی پر عائد ہوگا اور باعث بربادی زمینداروں کا ہوگا۔ اس صورت میں جلد تر آنا حکام کا اور فوج سرکاری کا اس ضلع میں ضرور ہے۔ تیسرے یہ کہ حضور حکام والا مقام سے جو انتظام اس ضلع کا تا تشریف آوری حکام انگریزی ہم ملازمان سرکاری کی سپرد ہوا ہے۔

تو ہم لوگ بہ اعانت رئیسان اس ضلع کے انتظام میں مصروف ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر جمعیت ان لوگوں رئیسوں کی متفرق ہو جاوے گی تو کسی طرح انتظام ضلع کا ممکن نہ ہوگا، کیونکہ ہم لوگوں کے پاس کچھ جمعیت فوج وغیرہ کی جس سے انتظام ضلع کا کیا جاوے نہیں ہے اور جس قدر برقدانہ اور چپراسی تہانہ جات پر متعین تھے ان میں سے اکثر غیر حاضر ہو گئے ہیں اور مع ہذا صرف ان لوگوں سے ایسے وقت میں انتظام ضلع کا ممکن نہیں۔ چوتھے یہ کہ اگر اس ضلع میں اندیشہ نواب محمود خان کی یورش کا نہ ہوتا تو چنداں مشکل درباب انتظام ضلع کے نہ ہوتی ایسی حالت میں جس قدر جلد ممکن ہو سرکاری فوج کا آنا چاہیے ورنہ کوئی صورت انتظام ضلع کے قائم رہنے کی معلوم نہیں ہوتی اور نواب محمود خان کے پاس روپیہ اور سامان سرکاری جو لے گیا ہے بہت ہے اس سبب سے اس کو فوج رکھنے میں کچھ تامل اور دریغ نہیں ہے پانچویں یہ کہ حضور جو یہ ارقام فرماتے ہیں کہ ہم میراں پور میں صرف اس واسطے مقیم ہیں کہ ہر روزہ خبر ضلع بجنور کی حضور کے پاس پہنچتی رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے تشریف آوری اس ضلع میں چند روز توقف ہوگا۔ در صورت توقف بالکل بربادی ضلع اور برہمٹی انتظام متصور ہے اس واسطے امیدوار ہیں کہ حضور بہ تعین تاریخ ارقام فرماویں کہ حضور کس تاریخ اس ضلع میں تشریف لائیں گے تاکہ بہ لحاظ اس کے انتظام جمع رہنے جمعیت کا کیا جاوے۔“

جس قدر ہم تاکید واسطے آنے فوج سرکاری کے جناب جارج ہامر صاحب بہادر کو لکھتے تھے اس سے زیادہ صاحب موصوف بدل اس میں کوشش کر رہے تھے۔ مگر ہنوز جواب اس رپورٹ کا جو گورنمنٹ میں روانہ ہوئی تھی نہیں آیا تھا۔ اس سبب سے صاحب مدوح کوئی تاریخ در باب بھیجنے فوج کے ضلع میں اور کوئی دن

اپنی شریف آوری کا مقرر نہیں فرما سکتے تھے۔ الاہر طرح سے تشفی ہم لوگوں کی اور رئیسان کی فرماتے تھے اور نہایت دانائی سے ایسی تدبیروں میں مشغول رہتے تھے کہ جس سے عوام الناس کی خاطر جمع رہے اور وہ جانیں کہ بہت جلد سرکاری فوج آنے والی ہے۔

بجنور سے براہ میراں پور میرٹھ | درباب انتظام اور اجرائے ڈاک تک نئی ڈاک کا بیٹھنا
کے ہم نے بہت کوشش کی اور روبکاری ضلع مظفر نگر میں واسطے بندوبست ہرکاروں کے گھاٹ راوی تک روانہ کی اور ایک نئی ڈاک بجنور سے میراں پور ہوتی ہوئی میرٹھ تک بٹھانی تجویز کی اور بابو کنج لال ڈپٹی پوسٹ ماسٹر کو جو نواب کے ظلم سے ڈاک خانہ سے اٹھایا گیا تھا بولا کر ڈاک خانہ میں بٹھا دیا اور دو ہرکارہ بمقام بجنور اور دو ہرکارہ بمقام گھاٹ دارا نگر متعین کیے کہ دارا نگر کے ہرکاروں کی آمد و رفت دھرم پورہ تک ہوتی تھی اور دھرم پورہ سے جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے انتظام چوکیات ہرکاروں کا کر لیا تھا۔ چنانچہ یہ سب انتظام بخوبی ہو گیا تھا اور ڈاک جاری ہو گئی تھی۔ اور سترھویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو ہم نے رپورٹ تکمیل اور جاری ہونے ڈاک کی بخدمت صاحب مدوح روانہ کی۔

پنٹ رادھا کشن کا بحضور | پنٹ رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر جناب مسٹر جارج پامر صاحب نے یہ تجویز کی کہ وہ خود بہادر بمقام میراں پور جانا
میراں پور میں جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کے پاس جاویں اور تمام حالات ضلع کے زبانی عرض کریں اور اگر ممکن ہو تو چودھریوں کی صاحب مدوح سے بھی ملاقات کروائیں کہ اس میں صاحب مدوح کو بھی بخوبی حالات ضلع سے اطلاع ہوگی اور چودھریوں کو بھی اور نیز سب لوگوں کو

زیادہ تر طمانیت رہے گی۔ چنانچہ سترھویں تاریخ کو پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر ایک آدمی اپنا اور ایک سوار چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاجپور کا لے کر روانہ ہوئے اور میراں پور میں صاحب ممدوح کی ملازمت حاصل کی اور تمام حالات ضلع زبانی عرض کیے اور بمقام دھرم پورہ جو کنارہ گنگ پر ہے چودھریوں کی ملازمت ٹھہرائی اور چودھریوں کو بلایا، چنانچہ چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاج پور اور چودھری زندہیر سنگھ رئیس ہلدور اور چودھری لین سنگھ رئیس بجنور دھرم پورہ میں گئے اور چودھری جودھ سنگھ جو پہلے سے پار گئے ہوئے تھے وہ بھی شامل ہوئے اور ۱۸ اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو صاحب ممدوح کی ملازمت کی۔ صاحب ممدوح نے سب کی تسلی اور تشفی فرمائی۔ اتنے میں غلغلہ پڑا کہ نواب بجنور پر چڑھ آیا اور یہ غلط خبر دھرم پورہ میں پہنچی۔ چودھری صاحبوں کا اس خبر کے سننے سے رنگ فق ہو گیا اور نہایت اضطراب کی حرکتیں کرنے لگے اور ہوش جاتے رہے مگر چودھری زندہیر سنگھ کا استقلال بدستور تھا اور وہ بخوبی اور دانائی سے صاحب ممدوح سے مصلحت کرتے رہے کہ اگر یہ خبر سچ ہو تو کیا کیا جاوے مگر درحقیقت یہ خبر غلط تھی۔ غرضکہ صاحب ممدوح نے بعد بات چیت کے سب کو رخصت کیا اور اسی تاریخ یہ سب لوگ مع پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر کے بجنور میں واپس آئے۔

دیہات قرب و جوار نجیب آباد | با این ہمہ احمد اللہ خاں اور
کا بھونکا جانا | شفیع اللہ خاں اپنی بد نیتی اور
فساد انگیزی سے باز نہیں آتے تھے اور ہندوؤں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے اور دیہات قرب و جوار نجیب آباد کے لوٹنے اور پھونکنے میں مشغول تھے، چنانچہ شفیع اللہ خاں نے موضع موسلی پور کو جلا دیا تھا اور ماڑے اور عباد اللہ خاں نے جس کو

نواب نے تحصیلدار نگینہ معزولی مولوی قادر علی تحصیلدار کے مقرر کیا تھا دیہات حسن پورہ و موہن پورہ و شفیع آباد و کار دلی و نراین پور پٹی جاٹاں کو کہ یہ سب گاؤں مسکن جاٹاں تھے لوٹ لیا تھا اور پھونک دیا اور میر جیون علی رئیس میمن بھی نجیب آباد میں موجود تھا اور آن کا شریک سمجھا جاتا تھا اس لیے ہم نے ۱۹ اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو یہ حضور مسٹر جارج پامر صاحب بہادر رپورٹ کی اور یہ درخواست کی کہ صاحب موصوف کی طرف سے جیون علی کے نام خط جاری ہو کہ وہ شرکت سے باز آوے اور رائے ہمت سنگھ رئیس ساہن پور کے نام بھی خط طلب کیا اس مطلب سے کہ آن کا علاقہ متصل نجیب آباد کے ہے۔ وہ اس فساد کو روکیں اور مفتی محمد اسحاق رئیس کیرت پور کے نام بھی خط مانگا اس مقصد سے کہ وہاں سے کوئی تازہ فساد اٹھنے نہ پاوے۔ چنانچہ صاحب ممدوح نے ہماری رپورٹ کا جو جواب اور خطوط بنام رئیسان بھیجے وہ بخیرہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

نقل خط جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ

ضلع بجنور :-

”خانصاحب مشفق مہربان محمد رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صاحب صدر امین سلامت ! بعد سلام شوق واضح باد خط آپکا مورخہ امروز پہنچا۔ آپ اسی طرح سے روز روز حال وہاں کا ارقام فرماتے رہیں اور خط آپکا برابر بذریعہ ڈاک بخدومت صاحب کمشنر بہادر میرٹھ اور نیز صاحب کلکٹر بہادر کہ آج خبر تشریف آوری صاحب موصوف کی مقام میرٹھ پہنچی ہے بھیجا جاوے گا۔ حسب درخواست آپ کے دو قطعہ خط موسومہ رائے ہمت سنگھ رئیس ساہنپور اور میر جیون علی رئیس میمن کے آپ کی معرفت بھیجے جاتے ہیں آپ خط مذکور پاس رئیسان موصوف بہت

جلد پہنچا دیں اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ قبل آنے خط تمہارے کے ایک قطعہ خط بنام مفتی محمد اسحاق رئیس کیرت پور کے روانہ کر دیا ہے اور امید ہے کہ تا آنے صاحب کلکٹر اور اس مخلص کے نوبت مسلح بازی کی نہ پہنچے مگر ہر طرح لازم ہے کہ بجنور میں بے انتظامی نہ ہو اور چونکہ عشرہ محرم درپیش ہے یقین کہ آپ نے تدبیر انتظام اس کی کی ہوگی اور آپ اطمینان رکھیں کہ صاحب کلکٹر اور ہم مع مدد کے جلد ارادہ تشریف لانے کا ضلع میں رکھتے ہیں، چنانچہ صاحب کمشنر بہادر ضلع میرٹھ فوج کامل جمع کرنے میں واسطے بندوبست ضلع کے ہر وقت مصروف ہیں اور ہزاروں تدبیر کرتے ہیں، مگر آپ کو بخوبی واضح ہے کہ بلا فوج کامل ہمارا آنا غیر مناسب ہوگا مناسب کہ تھوڑے عرصہ تک بالاتفاق واعانت رئیسان آپ انتظام رکھیں اور بندوبست ہر کاران ڈاک کا بجنور سے میرٹھ تک بخوبی ہو گیا۔ نسبت جاری ہونے آمد و رفت خطوط کے تدبیر فرماویں۔ جو کچھ یہاں کی خبر ہے اس جا پر منتشر ہو جاوے تاکہ اسے بھی صفائی ہوا کی متصور ہو اور جو کچھ آپ کی جانب سے کوشش اور خیر خواہی سرکار میں ظاہر ہے بھولی نہ جائے گی اور سب رئیسان سے ہمارا سلام کہہ دیجیے۔ اس وقت شب بہت گذری اس باعث سے خط علیحدہ نہیں لکھا گیا۔ ان کی ملاقات سے ہم کو بہت دلجمعی حاصل ہوئی۔ ہمیشہ حالات وہاں سے اطلاع فرماتے رہیں تحریر بہ تاریخ ۱۹ اگست سنہ ۱۸۵۷ عیسوی۔“

نقل خط جناب جارج ہامر صاحب
بہادر بنام رائے ہمت سنگھ
رئیس ساہنپور :-

خط جناب جارج ہامر صاحب
بہادر کا بنام رائے ہمت سنگھ
رئیس ساہنپور

”رائے صاحب مہربان دوستان سلامت ! بعد اشتیاق ملاقات

فرحت آیات واضح باد جس روز کہ صاحب کلکٹر بہادر ضلع بجنور سے تشریف فرما ہوئے خزانہ سرکاری اور انتظام ضلع سپرد نواب محمود خاں کے کیا۔ چند روز کا عرصہ ہوا کہ دریافت ہوا کہ مایین نواب صاحب اور چودھریان کے فساد ہو کر نوبت مقابلہ کی پہونچی اور نواب صاحب بجنور سے نجیب آباد کو چلے گئے۔ آپ کو واضح ہوئے کہ اس حالت میں صاحب کمشنر بہادر میرٹھ نے محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر اور سید احمد خاں صدر امین کو ارشاد فرمایا کہ بہ اعانت رئیسان ضلع انتظام ضلع کا تا تشریف آوری صاحبان ضلع کے کریں اس واسطے لازم ہے کہ ہر طرح آن کو مدد دیویں اور حکم آن کا مثل حکم سرکاری کے تصور کریں اور چونکہ بعض لوگوں سے دریافت ہوا کہ نواب صاحب ارادہ چڑھ آنے بجنور کا رکھتے ہیں تم ایسی تدبیر کرو کہ یہ مقابلہ نہ ہونے پاوے ورنہ پھر بے انتظامی اور بربادی رعایا ہو جاوے گی اور ہمیشہ اپنے حال سے مطلع کرتے رہو۔ تحریر بتاریخ ۱۹ اگست سنہ ۱۸۵۷ء“

خط جناب مسٹر جارج ہامر صاحب بنام میر جیون علی رئیس میمن :-	نقل خط جناب جارج ہامر صاحب بہادر بنام میر جیون علی

میر صاحب مہربان دوستان سلامت ! بعد اشتیاق ملاقات فرحت آیات واضح باد کہ مایین نواب محمود خاں اور چودھریان تعلقہ داران قوم ہنود کے تکرار ہو کر نوبت مسلح بازی کو پہونچی خونریزی ضلع سے سرکار کو نہایت افسوس ہے آپ کو واضح ہو کہ اس حالت میں چند روز سے صاحب کمشنر بہادر میرٹھ نے محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صدر امین کو ارشاد فرمایا کہ انتظام ضلع کا تشریف آوری صاحبان ضلع کے کریں۔ آپ اس تجویز

سے مطلع رہیں اور واضح ہووے کہ صاحبان ضلع مع فوج سرکاری واسطے بندوبست علاقہ کے ارادہ تشریف آوری کا بہت جلد رکھتے ہیں لہذا آپ کو ہر طرح لازم ہے کہ اپنے علاقہ میں انتظام اچھی طرح رکھو کسی طرح نوبت مقابلہ کی نہ پہنچے اور فساد نہ ہونے پاوے چونکہ تم رئیس ہو وقت تحقیقات ذمہ دار سرکار کے متصور ہو گے۔ تحریر یہ تاریخ ۱۹ اگست سنہ ۱۸۵۷ عیسوی۔

یہ سب خط ہم نے رئیسوں مذکورہ بالا کے پاس بھیج دیے اور اس بات کی رپورٹ بیسویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو بحضور جناب جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ بمقام میران پور روانہ کر دی اور واسطے انتظام عشرہ محرم کے جو اشتہارات کہ عہد تسلط سرکار دولت مدار میں جاری ہوتے تھے وہ جاری کیے اور ہر طرح کا بندوبست مناسب کیا کہ عشرہ محرم کی بابت کسی طرح کا فساد نہ ہونے پاوے۔

جب کہ نا محمود خاں کو یہ خبر پہنچی کہ جناب مسٹر جارج پامر صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر بمقام	نا محمود خاں کا بحضور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر خط کا لکھنا

میرانپور مقیم ہیں اور خط و کتابت چودھری صاحبوں سے برابر جاری ہے تو اس نے بھی ایک خط بنام صاحب ممدوح متضمن زیادتی چودھری صاحبان اور بشکایت اس بات کے کہ مجھ کو چودھری صاحبوں نے مقابلہ کر کے اٹھا دیا اور تمام ضلع میں بد انتظامی کر دی چودھریں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو روانہ کیا تھا۔ جب یہ خط صاحب ممدوح کے ملاحظہ میں گزرا تو انیسویں اگست کو صاحب موصوف نے اس کا جواب ارقام فرمایا کہ نقل اس کی اس مقام پر لکھی جاتی ہے :-

”نواب صاحب مشفق مہربان
مخلصان محمد محمود خان صاحب زاد
عنايتہ ! بعد شوق ملاقات کہ

خط جناب مسٹر جارج ہاس
صاحب بہادر بنام نا محمود خان
در جواب آس کے خط کے

بدرجہ غایت ہے واضح خاطر خطیر باد خط آپ کا مرسلہ چودھویں
اگست سنہ ۱۸۵۷ء آج ہمارے پاس پہنچا۔ مضمون آس کا معلوم ہوا
چنانچہ بجنسہ خط کو پاس صاحب کلکٹر بہادر و صاحب کمشنر بہادر
کے بمقام میرٹھ روانہ کیا گیا اور قبل از پہنچنے خط آپ کے سرکار کو
معلوم ہوا کہ آپ کے ملازمان اور تعلقہ داران چودھریان کے بیچ
میں بمقام شیر کوٹ و بجنور کے مقابلہ ہوا اور ہونے فساد اور
اجرائے خون علاقہ میں سرکار کو بڑا افسوس ہے۔ چنانچہ واسطے
انتظام ضلع کے صاحب کمشنر بہادر نے محمد رحمت خان ڈھٹی کلکٹر و
سید احمد خان صدر امین کو ارشاد فرمایا اور آپ اس بات کو مطلع
ہوئیں اور واضح ہو کہ صاحبان ضلع مع جمعیت فوج کامل کے بہت
جلد تشریف لائیں گے اور وقت تشریف آوری کے سارے حال کی
دونوں طرف سے تحقیق ہو جاوے گا۔ آپ کو لازم ہے کہ تا تشریف
آوری صاحبان کے آپ ہر طرح کے ملازمان کو مقابلہ سے باز رکھیں
اور مکرر آپ کو لکھا جاتا ہے کہ دو دفعہ خط صاحب کمشنر
صاحب بہادر معرفت تحصیلدار مظفر نگر پاس آپ کے بھیجا گیا۔ دونوں
دفعہ ڈاک سے واپس آیا۔ اب پاس آپ کے بھیجا جاتا ہے۔ والسلام۔
بتاریخ ۱۹ اگست سنہ ۱۸۵۷ء“

یہ خط جناب کمشنر بہادر کا جس کا اس میں ذکر ہے مورخہ
۱۵ اگست سنہ ۱۸۵۷ء کا تھا اور اس خط میں صاحب کمشنر بہادر
نے نواب محمود خان کو نصائح ارجمند ارقام فرمائے تھے اور
خونریزی اور مقابلہ اور ظلم سے اور طلب باقی پُر اس قدر زیادتی سے
منع فرمایا تھا اور جو حال ناانراؤ دھونڈھو پنت مرہٹہ کا بسبب عدول

حکمی اور عدم بجا آوری احکام سرکار ہوا تھا وہ بھی لکھا تھا اور بخوبی سمجھا دیا تھا کہ جو لوگ بہ اطاعت سرکار کام انجام کریں گے وہ فائدہ مند اور جو اس کے برخلاف کریں گے ذلیل و خوار و سزا یاب ہوں گے۔

مشورہ در باب یورش نجیب آباد | اگرچہ یہ سب تدبیریں ہو رہی تھیں مگر نا محمود خان کی طرف سے خاطر جمع نہ تھی اور چودھری صاحبوں کو تردد تھا کہ در باب معاملہ چڑھائی نجیب آباد کیا کیا جاوے اور ہمارے ساتھی پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر نے اس کا حال جناب مسٹر جارج پامر صاحب کو لکھا تھا۔ در جواب اس کے دو قطعہ چٹھیات صاحب ممدوح کی ہمارے پاس آئیں کہ ان کو اس مقام پر لکھتے ہیں :-

چٹھی جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر بنام پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر | ”میرے پاس خط نواب کا نجیب آباد سے آیا اور میں نے اس کا جواب بھی لکھا ہے۔

تعلقہ داروں سے کہہ دو کہ اپنے لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ رستہ میں نہ پھاڑا جاوے۔ مضمون میرے خط کا یہ تھا کہ میں نے نواب کو لکھ بھیجا ہے کہ اور جگہ رئیسوں سے نہ لڑے۔ کہہ دو ان سے کہ اگر وہ اپنا مقام نجیب آباد میں رکھے ان کو اکیلا چھوڑ دے تو ان کو بھی ایسا ہی ان کی نسبت کرنا چاہیے۔ میں دل سے بھروسہ کرتا ہوں کہ جب تک ہم آویں گے کوئی اور لڑائی نہ ہوگی۔ مسٹر شکسپیئر صاحب بہادر میرٹھ میں پہنچ گئے ہیں۔ ایک رجمنٹ سکھ کی آج مظفر نگر میں پہنچنے والی ہے۔ کچھ آدمی اس میں سے مجھ کو ملیں گے۔ مگر یہ امر موقوف افسران فوج پر ہے۔ میں نے خطوط تمہارے پاس اور ڈپٹی محمد رحمت خان صاحب اور صدر امین صاحب اور رئیسوں کے پاس بذریعہ سوار آج کی

صبح کو بھیجے ہیں۔ تمہارے پاس کچھ حال چٹھی میور صاحب
آمدہ آگرہ مع اخبار کے اخبار تازہ سے منتخب کر کے بھیجتا ہوں۔
اس کا ترجمہ کر کے سب کو سنا دو۔ بہتر کہ تم میرے پاس کل
تک چلے آؤ اور رئیسوں کو مناسب ہے کہ ایک دو روز کا توقف
نجیب آباد کے جانے میں کریں جب تک نواب ہی ان سے لڑے
کو نہ چلا آوے۔“ ۱۹ اگست سنہ ۱۸۵۷ء۔

”بذریعہ اس ڈاک کے دو چٹھی
کمشنر صاحب کی بنام چودھریوں
کے بھیجتے ہیں۔ ان سے کہہ دو

دوسری چٹھی جناب جارج ہامر
صاحب بہادر بنام پنڈت
رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر

کہ فوج کے مہیا کرنے میں مشکل بیاعت خاص حکم کبان افسر
دہلی کے پیدا ہوئی ہے اور صاحب کمشنر نے اور میں نے اس باب
میں بہت سا لکھا ہے۔ غالب ہے کہ برخلاف حکم افسر کے
سرجان لارنس صاحب بہادر چیف کمشنر پنجاب تعمیل کریں اور
قائل کریں ہم کو کہ ہم پھر بجنور کو عنقریب چلے جاویں۔ میں
ملفوف کرتا ہوں ایک چٹھی مسٹر ولسن صاحب بہادر کی جو میرے
پاس گذشتہ شب کو آئی تھی۔ اس سے یقین آ جاوے گا کہ میں
اور کمشنر کمال کوشش کر رہے ہیں تاکہ بجنور میں پہنچ کر
چودھریوں کی مدد کریں میں نے رئیس کیرتپور کو لکھ بھیجا ہے
کہ وہ کسی طرح مدد مفسدین کی نہ کریں۔ بہ لحاظ نجیب آباد
کے جو تم اپنی چٹھی میں لکھتے ہو کہ رئیس بغیر حکم سرکار کے
حملہ کرنا نہیں چاہتے ان کو ہوشیاری کام میں لانا چاہیے۔ بالفعل
بے شک سرکار ان کی مدد واسطے قائم رکھنے انتظام ضلع کے تا وقت
پہنچنے فوج کے چاہتی ہے اس لیے وہ بالکل مختار ہیں، چاہیں حملہ
کریں یا جو کچھ واقعی ان کو ضرور واسطے رکھنے انتظام کے معلوم
ہو، لیکن اگر ممکن ہو تو بہتر ہے کہ وہ انتظار ایک دو روز کا

کریں تاوقتیکہ بخوبی حال ہماری مراجعت کا معلوم ہو اور میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ کام خود بھی بہت جوکھوں کا ہے۔“
۱۹ اگست سنہ ۱۸۵۷ء -

رامدیاں سنگھ کے روانہ ہونے | اب اس مقام پر ہم کو مختصر کے بعد نگینہ کا حال

ہلدور سے رامدیاں سنگھ کے روانہ ہونے سے پہلے بدمعاشان نگینہ نے موضع نند پور کو لوٹ لیا تھا اس لیے رام دیاں سنگھ موضع پھولسندہ میں ٹھہر گیا اور میر تراب علی نگینہ چلے گئے۔ دوسرے دن رامدیاں سنگھ کالا کھیڑی میں آیا جو نگینہ سے دکھن کی طرف دو میل ہے اور وہاں سے نگینہ والوں سے گفتگو صفائی کی شروع کی۔ بلاشبہ نتھو خاں اور مینڈھو خاں ملازمان نواب کو آنا رامدیاں سنگھ کا نگینہ میں ناگوار تھا اس لیے رامدیاں سنگھ موضع پورینی میں چلا گیا جو نگینہ سے پورب کی طرف تین میل ہے اور وہاں رامدیاں سنگھ نے گنواہی بگل بجوا کر آدمی جمع کرنے شروع کیے۔ جملہ رئیسان نگینہ یعنی مولوی محمد علی اور شیخ نجف علی اور میر اشرف علی ولد امیر علی اور کنور کشن سنگھ اور پدھان نیلا پت وغیرہ بموجب صلاح اور فہمائش سید تراب علی کے امن چاہتے تھے مگر ملازمان اور افسران فوج نواب کے جو وہاں موجود تھے مقابلہ پر مستعد تھے۔ چنانچہ مینڈھو خاں پسرنتھے خاں اور اشرف علی ولد علی بخش نگینہ سے نجیب آباد گئے اور یہ بات چاہی کہ عباد اللہ خاں کو جو رشتہ مند محمود خاں اور تحصیلدار نگینہ تھا اور بروقت بھاگئے احمد اللہ خاں کے آس کے ساتھ چلا گیا تھا پھر نگینہ میں لا کر تحصیل میں بٹھا دیں۔ سید تراب علی تحصیلدار نے جب دیکھا کہ فساد زیادہ ہوتا ہے اور مفسد لوگ رئیسوں کے بھی قابو کے نہیں ہیں وہاں سے مع میر لطافت علی تھانہ دار منڈاور

جو اُن کے ساتھ تھے اپنے اہل و عیال و تھانہ دار کے اہل و عیال لے کر نگینہ سے روانہ ہوئے اور کئی آدمی مسلمان نگینہ کے اور اور پران سکھ بشتوئی اُن کے ساتھ ہوئے۔ جب موضع پورینی میں پہنچے تو گنواروں نے جو صرف لوٹ کے لالچ سے جمع تھے اُن کو لوٹنا چاہا۔ جیراج سنگھ نمبردار پورینی نے اُن کی حفاظت کی اور مجبور ہو کر اور خود ساتھ جا کر پھر نگینہ میں پہنچا دیا کیونکہ ان بے قرار گنواروں کے ہاتھ سے لٹنے سے بچنا ناممکن تھا۔

رئیسوں کا مشورہ درباب { جب سید تراب علی نگینہ میں
چڑھائی نجیب آباد کے } پہنچے تو مینڈھو خاں اور اشرف علی
ولد علی بخش پانسو چار سو آدمی اور دو جزائل نجیب آباد سے
لے کر نگینہ میں آچکے تھے۔ سید تراب علی تحصیلدار نے سب رئیسوں
کو صلاح دی کہ جس طرح ہو سکے ان لوگوں کو نجیب آباد
پہنچ دو۔ سب رئیس ہندو مسلمان اس بات پر متفق ہوئے اور
بہت کوشش اور تدبیر سے اُن لوگوں کو نجیب آباد واپس کیا اور
یہ خبر ہم کو بجنور میں ملی۔ یہاں بجنور میں جو رئیس جمع تھے
وہ آپس میں صلاح کر رہے تھے کہ اب نجیب آباد پر چڑھائی کی
جاوے یا نہیں۔ چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاجپور کی یہ رائے تھی
کہ فساد زیادہ بڑھانا اچھا نہیں۔ معلوم نہیں کہ انجام کیا ہوگا۔
جس طرح ہو سکے بہ صلح و آشتی چند روز ضلع تھامنا چاہیے بلکہ
چودھری پرتاپ سنگھ کے نزدیک نگینہ پر بھی جو آدمی گئے اور
وہاں بنیاد فساد کی پڑ گئی نامناسب ہوا۔ چودھری بدھ سنگھ
صاحب رئیس ہلدور بسبب اپنی شجاعت و جوان مردی کے یہ رائے
دیتے تھے کہ نجیب آباد پر یورش کی جاوے اور سب آدمیوں کو
لے کر نجیب آباد پر چڑھ چلیں اور دو جگہ جو اُن چودھری صاحب
نے نواب کو شکست دی تھی اس سبب سے اُن کا ارادہ ہمت اور

جرات اور دلیری بہت بڑھی ہوئی تھی ہم کو نجیب آباد جانے میں بہت قباحتیں نظر آتی تھیں اور ہرگز ہماری رائے نہ تھی کہ یہ مانگی پکار نجیب آباد پر فتح پاوے گی اور یہ گنوار شہر کی گلیوں میں گھس کر اور نواب کے پختہ اور مستحکم مکانات پر قابو پا کر فتح یاب ہوں گے اور یہ ہماری رائے بہت سچی اور نہایت صحیح تھی کہ کبھی اس کے برخلاف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہماری رائے میں نگینہ میں صرف ایک توپ کے سانچے پر جس کا بننا اور چھوٹنا اور پھر اس کے گولے سے کسی آدمی کا مرنا صرف ایک وہمی و خیالی نہ ہونے والی بات تھی اس قدر فساد دونا نہایت نامناسب تھا اور میں خوب سمجھتا تھا کہ نگینہ کا اگر فساد زیادہ ہوتا گیا تو انجام کو یہی فساد ضلع کے انتظام میں خلل ڈالے گا۔ چنانچہ ہماری رائے بہت صحیح تھی کہ انجام کو ایسا ہی دوا اور ہم بہت چاہتے تھے کہ نگینہ پر سے لڑائی موقوف ہو جاوے اور جس طرح ہو سکے چند روز ضلع کو تھاما جاوے کیونکہ ہم یقین سمجھتے تھے کہ تھوڑی سی بھی سرکاری فوج آنے کے بعد بخوبی انتظام ہو جاوے گا اور بلاشبہ کسی مقام پر مقابلہ کی حاجت نہ پڑے گی اور حکام انگریزی کے آنے کے بعد ایک بہت بڑی بنیاد فساد کی جس سے درحقیقت ضلع میں فساد دوتا تھا یعنی یہ ڈر کہ اگر مسلمان غالب آئے تو ہندو مارے اور لوٹ جاویں گے اور اگر ہندو غالب آئے تو مسلمان تباہ اور جان سے ضائع ہوں گے بالکل جڑ سے اکھڑ جاوے گی کہ اتنے میں ہمارے پاس خبر پہنچی کہ فساد نگینہ موقوف ہو گیا اور ہم نے کمال خوشی سے اس کی رورٹ بحضور جناب جارج ہامر صاحب بہادر دام اقبالہ کے روانہ کی اور درباب چڑھائی نجیب آباد کے جو ہماری رائے تھی وہ لکھ کر اس معاملے میں ہدایت چاہی۔ چنانچہ نقل اس رپورٹ کی اس مقام پر لکھتے ہیں۔

رہورٹ حالات نگینہ | نقل رپورٹ محمد رحمت خاں صاحب
ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صدر امین مرقومہ ۲۰ اگست
۱۸۵۷ء :-

”حال یہاں کا یہ ہے کہ سابق میں جو خبر ہونے لڑائی کی
بمقام بسی گوروں اور کوچ کرنے شفیع اللہ خاں کی جانب کیرتپور
حضور میں لکھی تھی بعد تحقیقات کے معلوم ہوا کہ یہ دونوں
خبریں غلط تھیں۔ صرف اتنی بات صحیح ہے کہ احمد اللہ خاں
نے کچھ اپنے آدمی کیرتپور میں واسطے جمع کرنے رسد کے بھیجے
تھے۔ ہنوز ان کا ڈیرہ یا پیش خیمہ نہیں آیا نگینہ کا فساد رفع ہو گیا
اس طرح پر کہ سب رئیس نگینہ کے ہندو اور مسلمان باہم متفق
ہوئے اور انہوں نے یہ تجویز کی کہ قریب پانچ سو سات سو آدمی کے
جو نجیب آباد سے آئے تھے مع چند مفسدان ساکنین نگینہ جو باعث
فساد کے ہوئے تھے نگینہ سے چلے جاویں اور نگینہ میں کچھ فساد
نہ کریں۔ چنانچہ سنا گیا کہ وہ لوگ نگینہ سے نجیب آباد کو چلے
گئے۔ مگر اب تک خط میر تراب علی کا نہیں آیا یقین ہے کہ
آج کل میں خط میر تراب علی کا آوے یا وہ خود مراجعت کریں۔
سب چودھری صاحبوں کو مصلحت دی گئی ہے کہ اپنی جمعیت
کو کسی طرح متفرق ہونے نہ دیں۔ چنانچہ چودھری صاحب بھی
اسی امر میں بہت سی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کی
جمعیت متفرق نہ ہو۔ اگرچہ تحقیق سنا گیا ہے کہ نواب محمود
خاں اور ان کے ہمراہیوں نے چند دیہات زمینداری چودھریان ہلدور
اور رائے ہمت سنگھ رئیس ساہنپور کے جلا دیے الا با این ہمہ
ہم مناسب نہیں دیکھتے کہ چودھری صاحبان نجیب آباد کے اوپر
حملہ کریں کیونکہ اس میں خرابیاں خیال میں گزرتی ہیں اور یہ
جو تجویز تھی کہ سب لوگ بمقام کیرتپور ڈیرہ کریں یہ بھی مناسب

نہیں معلوم ہوتا۔ اب صلاح ہماری یہ ہے کہ یہ سب رئیس بمقام سواہیڑی مقیم رہیں اور کچھ جمعیت اپنی راہ منڈا اور پر اور کچھ راہ نگینہ پر مقیم کریں تاکہ سب ناکہ نجیب آباد کے رک جاویں اور چند روز حملہ نجیب آباد کا ملتوی رہے اور ہم کو یقین کامل ہے کہ جس وقت سرکاری فوج تھوڑی بہت اس طرف اتری سب لوگ خوف کر کے مطیع ہو جاویں گے اور امید ہے کہ کسی طرح نوبت مقابلہ کی نہیں پہنچے گی۔ اگر یہ تجویز درست آئی اور سرکاری فوج بھی جلد آگئی تو صدہا آدمی قتل سے محفوظ رہیں گے اور رعایا سرکار کی امن میں رہے گی۔ آئندہ اس باب میں جو رائے اور مصلحت کہ حضور کے نزدیک ہو وہ ارقام فرمائی جائے کہ مطابق اس کے تعمیل ہو ہم نے بنظر مصلحت اب تک اس ضلع میں تحصیل جاری نہیں کی کیونکہ اکثر زمیندار مالگذار جمعیت چودھریان ان کی جمعیت میں موجود ہیں جبکہ حضور اس ضلع میں تشریف لائیں گے اور سب زمیندار اپنے اپنے دیہات میں ٹھہریں گے فی الفور روپیہ سرکاری وصول ہونا شروع ہو جاوے گا۔ کل کی عرضی میں جو واسطے تحریر خطوط کے حضور میں عرض کیا تھا یقین ہے کہ حضور کی طرف سے وہ خطوط تحریر ہوئے ہوں گے لیکن بہت ضرور ہے کہ ایک پروانہ حضور کی جانب سے اسی مضمون کا بنام احمد اللہ خاں جو حضور کے وقت میں تحصیلدار نجیب آباد تھا تحریر ہو کر بھیجا جاوے کیونکہ افواہاً سنا گیا ہے کہ احمد اللہ خاں جمعیت کو متفرق ہونے نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں حضور کا پروانہ اس کے نام پہنچنا واسطے رفع فساد کے بہت مفید ہوگا اور جو کہ عشرہ محرم قریب آگیا ہے اس واسطے ہم نے تدبیریں کی ہیں کہ کسی طرح ہندو اور مسلمانوں میں نزاع اور فساد ہونے نہ پاوے اور سب طرح سے امن رہے اور خدا سے یقین ہے کہ ہماری

تدبیریں کارگر ہوں اور ضلع میں امن رہے۔ زیادہ حذ ادب آفتاب
دولت و اقبال تاباں باد۔

جواب رپورٹ کا پیشگاہ جناب | نقل خط جناب مسٹر جارج ہامر
ہامر صاحب ہادر سے | صاحب ہادر در جواب عرضی
مذکورہ بالا :-

”خان صاحب مشفق مہربان مجد رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر
اور سید احمد خاں صدر امین سلمہ ! بعد اشتیاق ملاقات فرحت آیات
واضح باد خط آپ کا مورخہ تاریخ امروز پہنچا اور ضمن معلوم ہوا
حسب مراد آپ کی پروانہ سخت بنام احمد اللہ خاں تحصیلدار سابق
نجیب آباد کے تحریر کرا کر اس مضمون کا کہ اگر نواب صاحب
ارادہ مقابلہ کرنے چودھریان سے رکھتے ہیں اور تم انتظام اور مدد اس کا
کرتے ہو گنگار سرکار ہو گے آپ کی معرفت روانہ کیا جاتا ہے۔ آپ
از راہ مہربانی پروانہ مذکور احمد اللہ خاں کے پاس بہت جلد پہنچا
دیجیے۔ آپ کو واضح ہو کہ کل خطوط مطلوبہ آپ کی معرفت روانہ
کیے گئے یقین کہ آج پہنچے ہوں گے۔ ہمارے نزدیک مصلحت آپ کی
نسبت مقیم ہونے چودھریان بمقام سواھیڑی اور ناکہ گھیرنا راستہ
نگینہ و نجیب آباد و منڈاور کا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے مگر
در حقیقت ہم کو اچھی طرح معلوم نہیں ہے کہ سواھیڑی کہاں ہے
اور ہمارے پاس اس وقت نقشہ موجود نہیں ہے اس واسطے ہم صاف
ہدایت نہیں دے سکتے۔ الا اگر سواھیڑی مذکور بجنور سے بہت
دور نہیں ہے اور ایسی جگہ ہے کہ اس میں راستہ کی حفاظت
اچھی طرح صحت سے ہو سکتی ہے تو بہت مناسب جگہ مقام ہونے
آن کے ہوگا اور خیال کرنا چاہیے کہ براہ نگینہ اس جانب سے
کچھ نقصان نہ ہونے پاوے۔ یقین ہے کہ اس موسم میں بہ سبب
بارش اور جاری ہونے ندیوں سے افضل گڑھ کا راستہ بالکل بند ہے

اور یقین ہے کہ مراد آباد کے راستہ پر نگرانی آمد و رفت کی ہوتی ہے۔ یہ تدبیر احتیاطاً کی جاتی ہے مگر چونکہ صاحب کمشنر بہادر اور مسٹر ولسن صاحب بہادر کی طرف سے خطوط مناسب پاس نواب یوسف علی خاں والٹی رام پور مرسل ہوئے اور ہماری طرف سے خط نواب محمود خاں کو لکھا گیا اور پروانہ احمد اللہ خاں کو ابھی جاری ہوتا ہے۔ یقین ہے کہ کسی طرح سے ضلع میں نوبٹ مسلح بازی کی نہیں پہنچے گی آج ہمارے پاس کوئی از طرف میرٹھ نہیں پہنچا۔ کوئی خبر لائق لکھنے کے نہیں پہنچی۔ ایک پرچہ انگریزی خبر کاغذ لاہور کا آپ کے پاس روانہ کیا جاتا ہے۔ اس کے مضمون معرفت پنڈت رادھا کشن کے معلوم ہوگا“ فقط ۲۰ اگست سنہ ۱۸۵۷ء۔

وہ خط موسومہ رئیسوں کے جن کا ذکر اس خط میں ہے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ یعنی ایک خط میر جیون علی رئیس لیمن اور ایک خط بنام رائے ہمت سنگھ رئیس ساہنپور۔

پروانہ مسٹر جارج ہامر صاحب | ”رفعت و عوالی مرتبت عززالقدر
بہادر بنام احمد اللہ خاں | محمد احمد اللہ خاں بعافیت باشند

جس وقت سرکار کو معلوم ہوا کہ مابین ملازمان نواب محمد محمود خاں اور رئیسان قوم ہندو ضلع بجنور کے مقابلہ بمقام شیرکوٹ اور بجنور تھا۔ سرکار اس امر کے اوپر بہت ناراض ہوئی۔ تم کو واضح ہو کہ اس خالت میں صاحب کمشنر بہادر میرٹھ نے نسبت انتظام ضلع بجنور محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر اور سید احمد خاں صدر امین کو ارشاد فرمایا تم اس بات پر مطلع رہو۔ بعضے لوگوں کے بیان سے مشہور ہوتا ہے کہ نواب صاحب پھر واسطے کرنے مقابلہ چودھریان سے ارادہ رکھتے ہیں اور جمعیت مردمان بمقام نجیب آباد فراہم کرتے ہیں یقین اور امید ہے کہ یہ خبر بالفعل غلط ہے۔

مگر ہر طرح واضح ہو کہ ایسا مقابلہ بہت نامناسب اور سرکار کو نہایت ناپسندیدہ متصور ہوگا اور اگر ایسے کام میں تم سے انتظام اور مدد نواب صاحب کو ظاہر ہوگی تو تم گنہگار سرکار کے ہو گے اور تمہارے واسطے اچھا نہیں ہوگا۔ اس حکم سے بخوبی مطلع رہو اور واضح ہو کہ صاحبان ضلع مع فوج انگریزی واسطے بندوبست علاقہ کے بہت جلد تشریف لائیں گے اور وقت تشریف آوری سب سرگذشت کی تحقیقات عمل میں آوے گی۔“ مرقوم ۲۰ اگست سنہ ۱۸۵۷ء -

احمد اللہ خاں کا از سر نو تحصیلداری کرنا اور نا محمود خاں کا خط بنام ڈپٹی صاحب و صدر امین	یہ پروانہ ہم نے فی الفور احمد اللہ خاں کے پاس روانہ کیا اور رپورٹ روانگی کی اکیسویں اگست ۱۸۵۷ء کو بحضور جناب جارج پامر صاحب

بہادر روانہ کی۔ جو خط کہ جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے بنام محمود خاں لکھا تھا اُس کے اور اس پروانہ کے پہنچنے کے بعد ظاہر میں اُن لوگوں نے اطاعت کرنی چاہی۔ احمد اللہ خاں نے کام تحصیلداری نجیب آباد کا کرنا شروع کیا اور عرضیاں ہمارے پاس اپنی مہر دستخط سے بھیجیں۔ ہم نے بنظر مصلحت اُن کو منظور کیا اور نا محمود خاں نے ایک خط متضمن اطاعت سرکار ہمارے پاس بھیجا۔ ہم نے اس خط کو اور جو جواب کہ ہم نے لکھا تھا اس کی نقل بحضور جناب جارج پامر صاحب بہادر روانہ کی۔ چنانچہ نقلیں اُن کی مع اُن خطوط کے جو جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر اور جناب مسٹر الگزنڈر شکسپیئر صاحب بہادر کے پاس سے متضمن پسندیدگی ہمارے جواب کے آئی اس مقام پر لکھتے ہیں :-

نقل خط محمود خاں | خاں صاحب مشفق مہربان مجمع خوبی ہائے

بیکران محمد رحمت خاں صاحب ڈپٹی و سید احمد صاحب صدر امین ضلع بجنور سلمہ اللہ تعالیٰ! بعد سلام شوق کے واضح ہو جیو کہ نقول خطوط صاحب کمشنر بہادر ضلع میرٹھ و مسٹر پاس صاحب ڈپٹی کلکٹر و جنٹ مجسٹریٹ بہادر ضلع بجنور پاس تمہارے پہونچتی ہیں کہ ان کو بخوبی معائنہ کر کے چودھری صاحبوں کو بخوبی مضمون آن کے سے فہمائش کریں کہ یہ لوگ اپنے اپنے مکانوں پر رہیں اور اجتماع نہ ہو اور شر و فساد نہ کریں اور ہم کو کسی سے کسی طرح کا فساد کرنا بموجب حکم خطوط منظور نہیں ہے اور وہ جو اشتہارات واسطے منادی کے بھیجا تھا وہ بھی خبر اس امر کا ہے کہ کوئی شر و فساد نہ کرے اور یہ جو لوگ بمقام پورینی اور ہرگن پور اور سواہیڑی اور نانگل و بجنور خاص میں ہندو مسلمان جمع ہوئے ہیں ان کو کہہ دینا چاہیے کہ اپنے اپنے مکانوں پر جاویں اور اگر شور و فساد کریں گے تو مجرم سرکار انگریز بہادر کے ہوں گے اور جو کہ بموجب حکم صاحبان عالی شان انگریز بہادر کے اب آپ منتظم اس ضلع کے ہیں اگر کسی سے شر و فساد ہوگا تو جوابدہی اس کی ذمہ آن مہربان ہوگی۔ اس صورت میں آپ کو چاہیے کہ اس معاملہ میں متوجہ ہو کر جس طرح رفع فساد کا مناسب سمجھیں ویسے کاربند ہوں اور گھاٹوں کا انتظام بھی ضرور ہے کہ اس پار سے اکثر مفسد بھی اترتے ہیں اور ہم بموجب احکام خطوط ہذا کے کاربند ہیں۔ باقی خیریت ہے۔“

محمد محمود خاں مہر

جواب خط محمود خاں کا ڈپٹی صاحب اور صدر امین کی طرف سے | نقل جواب کی جو ہماری طرف سے لکھا گیا:۔

”جناب نواب صاحب والا مناقب عالی مناصب عنایت فرمائے حال نیاز مندان زاد عنایتکم! بعد ادائے سلام مسنون التباس یہ ہے

عنایت نامہ آپکا جس کے لفافے پر تاریخ اکیسویں اگست لکھی تھی مع نقل خط جناب صاحب کمشنر بہادر ضلع میرٹھ اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر ضلع بجنور جو کہ صاحبان مدوح نے آپ کے نام پر لکھے تھے آج بائیسویں اگست کو گیارہ بجے ہمارے پاس پہونچا۔ آپ ارقام فرماتے ہیں کہ چودھری صاحبوں کو فہمائش کرو کہ یہ لوگ اپنے اپنے مکانوں پر رہیں اور اجتماع نہ ہو اور شر و فساد نہ کریں اور ہم کو کسی سے کسی طرح کا شر و فساد کرنا منظور نہیں ہے اور جو لوگ بمقام پورینی اور ہرگن پور اور سواہیری اور نانگل اور بجنور جمع ہیں وہ لوگ اپنے اپنے مکانوں پر چلے جاویں، چنانچہ ہم نے آپ کے ارشاد بموجب مضمون خطوط کا چودھری صاحبان کو سمجھا دیا۔ وہ لوگ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم کو کسی طرح کا شر و فساد کرنا نواب صاحب سے یا اور کسی سے منظور نہیں ہے اور نہ ہم کسی سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ کسی سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی طرح کا کچھ دعویٰ رکھتے ہیں، چنانچہ وہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ بعد واقعہ شیر کوٹ اور بجنور کے ہم سب لوگ اپنے اپنے گھر کو چلے گئے اور جس قدر جمعیت کہ جمع ہوئی تھی وہ سب بعد اُس کے متفرق کر دی اور چودھری پرتاپ سنگھ بھی اپنے گھر اور چودھریان ہلدور اپنے گھر چلے گئے اور چودھریان بجنور بلا جمعیت اپنے اپنے مکانوں پر مقیم رہے۔ مگر بعد اُس کے متواتر یہ خبر چودھری صاحبوں نے سنی کہ آپ کا ارادہ بجنور اور تاجپور اور ہلدور پر یورش کا ہے اور آپ فوج اور جمعیت جمع کرتے ہیں اور تیاری توپوں میں مصروف ہیں اور دیہات قرب و جوار نجیب آباد یعنی موضع موسنی پور اور شفیع آباد اور موہن پور اور نرائن پور اور کاردلی وغیرہ آپ نے پھونک دیے اور لوٹ لیے۔ اس سبب

سے اُن لوگوں کو پھر اندیشہ اس بات کا ہوا کہ اگر ہم لوگ جمعیت جمع نہ کریں گے تو انجام کو خرابی ہوگی۔ ان وجوہات سے ان لوگوں کا بیان ہے کہ ہم نے جا بجا جمعیت واسطے روکنے نواب صاحب کے یورش بجنور اور ہلدور اور تاجپور سے اور بنظر حفظ اپنے کے جمع کی ہے۔ پورینی میں جمعیت جمع ہونے کا یہ سبب بیان کرتے ہیں کہ تنہو خاں اور مینڈھو خاں ملازمان آپ کے نگینہ میں مفسدہ کرتے ہیں اور ایک توپ کلاں واسطہ لے جانے نجیب آباد کے تیار کرواتے ہیں اور تھانہ اور تحصیل کی ڈاک بجنور میں آنے نہیں دیتے اور جو احکام سرکاری جاری ہوتے ہیں اُن کو روکتے ہیں اور اُن کی تعمیل نہیں ہونے دیتے اور اُن کو خبر پہونچی ہے کہ نجیب آباد میں آپ کے پاس قریب ہفت ہشت ہزار آدمی کے جمع ہیں۔ اس سبب سے وہ لوگ کہتے ہیں کہ جب تک نواب صاحب اپنی جمعیت متفرق اور موقوف نہیں کر دیں گے اُس وقت تک ہم کو کسی طرح پر اطمینان نہیں ہوگی اور ان لوگوں نے ہم سے یہ بھی بیان کیا کہ بعد اُن دونوں لڑائیوں کے ہم نے ایک خط بنام سعد اللہ خاں صاحب نجیب آباد میں بھیجا کہ کسی طرح ہم سے اور نواب صاحب سے صفائی ہو جاوے اور طرفین کا طرفین پر سے ارادہ یورش کا موقوف ہو جاوے اور پھر ہم نے دو خط بنام مفتی محمد اسحاق رئیس کیرتپور اس مضمون سے بھیجے کہ جس طرح پر ہو نواب صاحب سے صفائی ہو جاوے اس طرح پر کہ نواب صاحب کی یورش کا اندیشہ جاتا رہے اور پھر تیسرا خط مفتی صاحب کے نام اُن کے بلائے کو بھیجا تاکہ وہ ہماری طرف سے نجیب آباد کو جاویں اور آپ سے ہر طرح پر صفائی کر لیں۔ پس اس صورت میں بیان چودھری صاحبوں کا یہ ہے کہ ہم کو کسی طرح شر و فساد اور مقابلہ کرنا

منظور نہیں ہے۔ اگر نواب صاحب اپنی جمعیت اور فوج کو متفرق کر دیں اور توپوں کے بنوانے میں مصروف نہ ہوں اور ارادہ لڑائی کا موقوف کر دیں تو ہم بھی سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاویں اور جو کہ ہم نیاز مند بھی بدل و جان اس بات میں مصروف اور ساعی ہیں کہ کسی طرح شر و فساد نہ ہو اس واسطے آپ کی خدمت میں بخیر خواہی آپ کے التماس یہ ہے کہ آپ بھی جمع کرنا فوج کا اور تیاری توپوں کی موقوف فرماویں اور ماڑے اور سینڈھو خان وغیرہ مفسدان کو فساد سے باز رکھ کر اپنے قبضہ میں رکھیں تو غالب ہے کہ چودھری صاحب بھی سب اپنے اپنے گھر چلے جاویں گے اور سب طرح کا انتظام ضلع کا ہو جاوے گا اور مخلوق خدا اور رعایا سرکار کی امن و امان میں رہے گی اور پھر اگر کوئی شخص فساد شروع کرے گا تو اس کی اطلاع مفصل بحضور جناب صاحب کمشنر بہادر کے کر دی جاوے گی اور اس کا نتیجہ بہت بد اس کے حق میں ہوگا اور یہ بھی آپ کو واضح ہووے کہ متواتر احکام حکام والا مقام ہمارے نام پہنچتے ہیں۔ چنانچہ جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر خود گنگا کنارہ پر تشریف لائے تھے اور اب بہ انتظار آنے فوج سرکار کے میراں پور میں مقیم ہیں اور جناب صاحب کلکٹر بہادر بھی کوہ منصوری سے اتر کر میرٹھ میں تشریف لے آئے ہیں اور حکام جناب کمانڈر انچیف صاحب بہادر اور جناب گورنر بہادر واسطے روانگی فوج کے بمنور کو صادر ہو چکے ہیں کہ بہت جلد فوج مع توپوں کے میراں پور کے مقام پر پہنچتی ہے اور بعد اس کے جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر اور جناب صاحب کمشنر بہادر اور جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر بمنور میں تشریف لاتے ہیں۔ ہماری کمال آرزو ہے کہ تا تشریف آوری حکام والا مقام سب لوگ اپنے مکانات پر بہ آسائش رہیں۔ بعد

تشریف لانے حکام کے خود صاحبان ممدوح جس طرح پر مناسب
جائیں گے بندوبست ضلع کا فرماویں گے۔ والسلام“

”خاں صاحب بہادر مشفق مہربان
محمد رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر
و سید احمد خاں صاحب صدر امین
ضلع بجنور سلمہ ! بعد اشتیاق

خط جناب مسٹر جارج پامر
صاحب بہادر در باب پسند
کرنے اس جواب کے جو نا محمود
خاں کو بھیجا گیا

ملاقات بہجت آیات واضح باد خط آپ کا مورخہ تاریخ آج کے
مع خط نواب صاحب اور نقل جواب اس کے ہمارے پاس پہنچا۔
ہماری دانست میں آپ کا جواب ہر طرح مناسب ہے۔ چنانچہ حسب
مراد آپ کے خطوط مذکور۔ بخدمت صاحب کمشنر بہادر میرٹھ روانہ
کیے گئے اور احتیاطاً آپ کو واضح ہوئے کہ خط صاحب
کمشنر بہادر کا جس کا نواب صاحب ذکر لکھتے ہیں عرصہ دو ہفتہ
سے یعنی شیر کوٹ کے معاملہ کی خبر دینے سے پیشتر تحریر ہوا مگر
بسبب بند ہونے ڈاک کے دو دفعہ واپس ہو کر تیسری دفعہ مع
خط تمہارے نواب صاحب کے پاس روانہ کیا گیا ہماری امید ہے کہ
ماہین چودھریوں اور نواب صاحب کے پھر مقابلہ نہیں ہوگا اور
ظاہر ہے کہ آپ بھی اس تدبیر میں مصروف ہیں۔ یقین ہے کہ
آپ کی ہوشیاری سے جو فساد نگینہ میں ہوا اس کی صلح ممکن ہے
اور فساد رفع ہو جاوے گا اور اس مراد سے حسب درخواست
چودھریان کے چند پروانہ جات تحریر کیے جاتے ہیں۔ اگر مناسب
ہو تو آپ بعد ملاحظہ روانہ کیجیے۔ ہمیشہ وہاں کے حالات سے
مطلع فرماتے رہیں“ تحریر بتاریخ ۲۲ اگست ۱۸۵۷ء وقت شب۔

نقل پروانہ از جانب مسٹر جارج
پامر صاحب بہادر موسومہ
کریم بخش و شیخ نجف علی و

پروانہ مسٹر جارج پامر صاحب
بہادر بنام بعض رئیسان نگینہ
وغیرہ

محمد علی رئیس نگینہ وسید امتیاز علی وسید شجاع علی وسید نبی علی نہٹور ”جو کہ معلوم ہوتا ہے کہ مابین قوم مسلمانان اور قوم ہنود شہر تمہارے کے اندیشہ فساد ہونے کا ہے اور سرکار کی مراد ہے کہ کسی طرح سے ایسا فساد نہ ہووے۔ تم کو چاہیے کہ ہر طرح تدبیر کرو کہ فساد برپا نہ ہونے پاوے۔ اگر اچھی طرح کوشش کرو گے تو بہت بہتر ہوگا ورنہ در صورت ہونے فساد کے گنہگار سرکار کے ہو گے اور واضح ہو کہ صاحب کلکٹر بہادر اور حضور مع فوج کامل بہت جلد واسطہ انتظام ضلع کے ارادہ تشریف لانے کا رکھتے ہیں۔ تاکید جانو“ المرقوم بالیسویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء

”خان صاحب مشفق مہربان
محمد رحمت خان صاحب ڈپٹی کلکٹر
وسید احمد خان صاحب صدر امین
ضلع بجنور سلمہ ! بعد ماوجب کے

خط جناب مسٹر الکزندر
شکسپیئر صاحب بہادر کا در باب
پسند کرنے اس جواب کے جو
نا محمود خان کو لکھا گیا تھا

واضح ہو خط آپ کا مع خط مرسلہ نواب محمود خان اور نقل جواب خط مذکور جو تم نے اُن کے نام بھیجا ہے آج پہنچ کر کاشف حال کا ہوا۔ جواب خط نواب محمود خان کا جو آپ نے بھیجا ہے وہ بہت مناسب ہے اب آپ کو لکھا جاتا ہے کہ پھر نواب صاحب کو فہمائش کر دو کہ وہ بہ تبعیت حکم خط محررہ اکیسویں اگست سنہ حال آپ مع شفیع اللہ خان و احمد اللہ خان اپنے رشتہ داران کے نجیب آباد میں مقیم رہیں۔ کسی طرح کی دست اندازی ضلع سے نہ کریں اور فساد اور شور شر ناحقہ سے ہاتھ اوٹھاویں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے اور اسی طرح پھر مرتکب حرکات بے جا کے رہیں گے تو اُن کے حق میں اچھا نہ ہوگا بلکہ بزمہ باغیان کے تصور ہو کر دشمن سرکار دولت مدار کے سمجھے جاویں گے۔ فقط اور وہ کہ آپ نے در باب جلد تشریف لانے ہمارے کے بمقام بجنور لکھا ہے۔

سو حال آس کا یہ ہے کہ اب فوج سرکار تادیب و تخریب باغیان و مفسدان کوتہ اندیش کی کرتی ہوئی جلد آتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم بھی جلد وہاں پہنچتے ہیں۔ بہر کیف خاطر جمع رکھنا چاہیے اور مفسدان ناحق شناس کو جلد گوشالی واجبی دیا جاوے گا۔ فقط اور ایک قطعہ چودھری نین سنگھ و جودھ سنگھ رئیسان بجنور کی بدرخواست صدور حکم در باب دے جانے تنخواہ ملازمان جو واسطے انتظام کے مقرر کیے گئے ہیں پہنچی ہے د آس کی نسبت ہماری دانست میں یہ بات مناسب ہے کہ کچھ روپیہ مہاجنان آس ضلع سے لے کر تنخواہ بھی ملازمان کی بانٹ دی جاوے اور اور کام ضروری میں جو واسطے انتظام کے مطلوب ہو آپ کے حکم سے خرچ کیا جاوے اور جن لوگوں سے کہ روپیہ لیا جاوے ان کو رسید دستخطی دے دی جاوے کہ وقت رونق افروزی وہاں گے روپیہ مذکور ان کو دے دیا جاوے گا۔ اس واسطے آپ کو چاہیے کہ مطابق آس کے کار بند ہوں اور جہاں تک کہ ہو سکے بہ صلاح یک دیگر کوئی دقیقہ انتظام اور خیر خواہی کا فرو گذاشت نہ ہو اور روزانہ بلا توقف وہاں کے حال سے ہم کو مطلع فرماتے رہو۔ باقی خیرت ہے۔“ مرقوم چوبیسویں ماہ اگست ۱۸۵۷ء از مقام میرٹھ۔

نگینہ میں از سر نو فساد کا قائم ہونا

اسی اثنا میں جناب مسٹر جان کری کرافٹ ولسن صاحب بہادر نے

چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور کو لکھا تھا کہ دس ہزار روپیہ کی تدبیر تم رئیس کر کے روانہ نیلی تال کر دو جو کہ ظاہر میں سردست کوئی صورت فساد کی پیدا ہونے والی نہ تھی اور نگینہ کا فساد ظاہر میں رفع ہو گیا تھا اس لیے چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور واسطے تدبیر کرنے روانگی روپیہ کے اکیسویں اگست سنہ

۱۸۵۷ء کو روانہ تاجپور ہوئے اور جس قدر جمعیت اُن کے ساتھ تھی مع ایک ضرب جزائل کے جو بجنور میں تھی بدستور بجنور میں چھوڑ گئے۔ مگر افسوس ہے کہ فساد نگینہ کا پھر تازہ ہو گیا اور جو آگ کہ بجھ گئی تھی پھر بھڑک اٹھی اور سبب اس کا یہ ہوا کہ جب مینڈھو خاں نجیب آباد سے سپاہی لے کر نگینہ آیا تھا تو رامدیال سنگھ نے بھی پورینی میں اور زیادہ آدمی جمع کرنے شروع کیے تھے اور دیہات سے آدمی بلائے تھے اور اس عرصے میں نگینہ کے رئیسوں نے سپاہیان آمد نجیب آباد کو بہ فہمائش روانہ نجیب آباد کر دیا تھا۔ مگر جو پورینی میں جمعیت بلائی گئی تھی وہ دم بدم زیادہ ہوتی جاتی تھی اور بشنوئیان نگینہ جو بدمعاش اور واقعہ طلب تھے سوائے پران سکھ اور دلدار اور فیضو کے کہ یہ لوگ بہت نیک نیت اس فساد میں رہے آمادہ فساد ہوئے اور نگینہ والوں سے یہ بات کہی کہ رامدیال سنگھ نگینہ پر چڑھا آتا ہے اور رامدیال سنگھ سے کہا کہ نگینہ والے پورینی پر چڑھے آتے ہیں، چنانچہ رامدیال سنگھ نے پورینی سے جانب نگینہ قدم بڑھایا۔ ادھر سے مینڈھو خاں کچھ جمعیت نگینہ میں جمع کر کے نگینہ کے باہر نکلا۔ اکیسویں تاریخ سنہ ۱۸۵۷ء روز جمعہ کو قریب بدری والہ باغ کے مقابلہ ہوا۔ طرفین سے کچھ آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے اور مینڈھو خاں کی شکست ہوئی۔ نگینہ والے بھاگ کر آبادی میں گھس آئے اُن کے پیچھے رامدیال سنگھ شہر میں گھس پڑا اور نتھو خاں کا گھر جلا دیا اور لوٹ لیا اور شیخ کی سرائے کو بھی لوٹا اور جلا دیا۔ اُس وقت پھر مسلمانان نگینہ سانوٹے ہوئے اور طرفین میں خوب تلوار و بندوق چلی اور طرفین کے آدمی مارے گئے۔ رامدیال سنگھ بشنوئی سرائے میں چلا گیا۔ شام کے وقت لڑائی تھم گئی۔

مسلمانان نگینہ کا رامدیال سنگھ | رات کے وقت رامدیال سنگھ نے
کی اطاعت کرنا | مولوی محمد علی کے پاس پیغام بھیجا

کہ جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب امن امان رہے گا اور ہم قلعہ تحصیل
میں آکر بیٹھیں گے کوئی فساد نہ کرے اور سب مسلمان اپنے
گھروں میں چھپ جاویں اور سامنے نہ آویں، چنانچہ مولوی محمد علی
اور اشرف علی ولد امیر علی نے بہت سعی اور کوشش سے سب
مسلمانوں کو فہمائش کی اور سب راضی ہو گئے اور اپنے اپنے گھروں
میں چھپ بیٹھے۔ بائیسویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو صبح کے وقت
رامدیال سنگھ کے حکم سے امن امان کی منادی شہر میں ہوئی اور
رامدیال سنگھ مع اپنی جمعیت کے قلعہ تحصیل میں چلے آئے اور -
کوئی مسلمان اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا۔

رامدیال سنگھ کے ساتھیوں کا | جس قدر گنوار اور بنجارے رامدیال
بد عہدی کر کے مسلمانوں کا | سنگھ کے ساتھ صرف لوٹ کے لالچ
قتل کرنا | سے جمع ہوئے تھے انہوں نے

اس امر کو جو واقع ہوا اپنے اصلی مطلب کے برخلاف دیکھا اور
بدمعاش بشنوئیوں نے ان کو زیادہ اشتعالک دی اور ان سب نے
نگینہ کے لوٹنے کا ارادہ کیا۔ سیڈھمل فوطہ دار تحصیل نگینہ آس
وقت وہاں موجود تھا۔ آس نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنے
کان سے سنا کہ رامدیال سنگھ ہر ایک شخص کو منع کرتا تھا۔
مگر وہ نہ مانتے تھے۔ آخر کار ان بدمعاشوں نے قلعہ تحصیل میں سے
جزائلی فیر کرنی شروع کیں اور کچھ لٹیرے بھٹیاری سرا میں گھس
گئے اور سرائے کو جلا دیا اور بازار کی دکانیں لوٹ لیں اور امام الدین
زمیندار کے مکان پر جزائلیں لگا دیں اور دروازہ جلا دیا اور مکان
لوٹ لیا اور جہاں ان کو قابو ملا لوٹ اور قتل عام شروع کر دیا۔
اور بدمعاش بشنوئی بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ پچاس ساٹھ آدمی

مسلمان مارے گئے۔ اس وقت مسلمانانِ ننگینہ بھی اپنے اپنے گھروں میں سے ہتھیار لے کر نکل پڑے اور مارنا شروع کیا اور خوب لڑائی ہوئی اور دو سو ڈیڑھ سو آدمی ہندو جو لوٹ میں مشغول تھے مارے گئے۔ پھر مسلمان قلعہ تحصیل میں گھس گئے۔ وہاں سے رامدیال سنگھ بھاگ کر بشنوی سرائے میں جا چھپا۔ سب گنواروں نے مل کر مولوی محمد علی کے مکان پر جو بالدار مشہور تھے اور جس میں میر تراب علی تحصیلدار بھی تھے حملہ کیا اور جرائل لگا دی اور دروازے پر کوڑا جمع کر کے دروازہ جلانا چاہا اور حکیم امام علی ماموں مولوی محمد علی کو قتل کر دیا اس وقت مولوی محمد علی کے مکان پر سے بھی بندوقین چلنی شروع ہوئیں اور جو لوگ کہ تحصیل میں گئے تھے وہ بھی پھر کر وہاں آئے۔ تب سب گنوار وہاں سے بھاگ نکلے اور رامدیال سنگھ نے شکست پائی اور اس لڑائی میں گنواروں کی ہمت اور جرأت ٹوٹ گئی۔

یہ سب خبریں متواتر نجیب آباد میں پہنچیں اور جس وقت کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل کیا تھا، اس

مسلمانوں کے قتل سے نجیب آباد میں جمعیت کا اکٹھا ہونا اور ہدی جھنڈے کا نکلنا

وقت کچھ آدمی غلہ بچاتے ہوئے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو مار ڈالا اور جو روپیہ کی بے عزتی کی نجیب آباد چلے گئے تھے نواب کو بہت اچھا حیلہ جمعیت جمع کرنے کا ہاتھ لگا اور اس نے لوگوں سے کہا کہ دیکھا ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا۔ اب سب مسلمانوں کو جمع ہو کر ہندوؤں کو مارنا چاہیے۔ یہ کہہ کر احمد اللہ خاں نے بائیسویں اگست ۱۸۵۷ء مطابق یکم محرم سنہ ۱۲۷۴ ہجری نجیب آباد کے باہر جلال آباد کے قریب توپ نکالی اور فوج بھیجی اور ہدی جھنڈا کھڑا کیا۔ اور جمعیت کثیر جمع کرنے کے درپے ہوا اور بہت سے مسلمان مذہبی لڑائی کے

ارادے سے واسطے مقابلے اور قتل ہنود کے جمع ہوئے۔ اسی تاریخ
 بجنور میں خبر پہنچی کہ رامدیاں سنگھ کی نگینہ میں شکست ہوئی۔
 یہ مجرد اس شہر کے چودھری بدھ سنگھ رئیس ہلدور مع اپنی جمعیت
 اور چودھری پرتاپ سنگھ کی جمعیت کے اور توپ اور جزائل کے جو
 بجنور میں موجود تھی روانہ نگینہ ہوئے اور شام کے وقت نگینہ میں
 پہنچے اور نگینہ میں مشہور ہوا کہ چودھری بدھ سنگھ ہزاروں آدمی اور
 توپ لے کر نگینہ پر چڑھ آئے۔ اُس وقت رات میں مسلمانان نگینہ نے
 بھاگنا چاہا اور پیادہ پا عورتوں اور بچوں کو لے کر چلے اور راستے
 میں لٹے اور عورتیں زخمی ہوئیں اور اچھے اچھے اشرافوں کی بڑی
 بے عزتی ہوئی اور بشنوئی ان سب خرابیوں کے جو مسلمانوں پر اور
 عورتوں پر ہوئیں سرمشاء اور سرغنہ اور باعث تھے۔ سید تراب علی
 تحصیلدار ہم سے کہتے تھے کہ اس وقت جو مصیبت آن کے اور
 مولوی محمد علی اور اور بھلے مانس مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں
 پر گزری تھی اور جو جو بے عزتیاں بھلے مانسوں کی ہوئی ہیں
 کہنے کے لائق نہیں ہیں۔

تیسویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء صبح
 کے وقت چودھری بدھ سنگھ ہلدور
 تو نگینہ میں صفائی اور صلح کی

بشنوئیوں کا دوبارہ نگینہ میں
 یورش کرنا اور چودھری
 بدھ سنگھ کا مانع آنا

تدبیر میں تھے اور پدھان کنور سین اور بھوپ سنگھ اور شیخ نجف
 علی بیچ میں پڑے تھے کہ دفعۃً بشنوئی اور بہت سے گنوار مولوی
 محمد علی کا گھر لوٹنے چڑھ آئے اور پھر گولیاں چلنے لگیں۔ جب
 چودھری بدھ سنگھ کو خبر ہوئی تو انہوں نے بہت کوشش سے
 سب کو روکا اور بشنوئیوں کو بہت بُرا بھلا کہا۔ اُس وقت چودھری
 بدھ سنگھ نے نگینہ والوں سے توپ کا سانچا مانگا جو بشنوئیوں
 کے حملہ میں تھا۔ نگینہ والوں نے کہا کہ تم توپ کا سانچا لے جاؤ

ہم کو اس سے کچھ مطلب تھیں اور گویا یہی بات صلح کی ٹھہری۔ ایک بچے رامدیال سنگھ اور موتی سنگھ مولوی محمد علی کے مکان پر آئے اور بشنوئیوں کی زیادتی اور اپنی مجبوری کا غدر کیا۔ اس عرصے میں چودھری بدھ سنگھ نے سید تراب علی تحصیلدار اور مولوی محمد علی کو اپنے پاس بلایا کہ بغیر ہتھیاروں کے ہمارے پاس آؤ۔ چنانچہ یہ دونوں صاحب مع رامدیال سنگھ ان کے پاس گئے۔ انہوں نے خاطر داری کی اور کہا کہ اب سب آپس میں اتفاق رکھو۔ سید تراب علی اور مولوی محمد علی نے سب مسلمانوں کو فہائش کی اور اور سب رضامند ہو گئے اور نگینہ میں ایک صورت امن و امان کی پیدا ہوئی اور چودھری بدھ سنگھ اور رامدیال سنگھ سانچہ توپ کا لیے کر ہلدور کو روانہ ہوئے۔

سواہیڑی پر احمد اللہ خاں کا	تیسویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو
چڑھ آنا اور پھونک دینا	نگینہ میں تو یہ معاملہ ہو رہا تھا

اور نجیب آباد میں سب سپاہی اور سوار ملازم نواب کے جمع ہو گئے تھے اور جس قدر مسلمانوں نور جولاہوں اور سواہیڑی کے بساطیوں وغیرہ نے جو ہندوؤں کے ہاتھ سے تکلیفیں پائی تھیں وہ سب اور اور بہت سے لوگ مسلمان جلال آباد کے قریب ہدی جھنڈے میں جا شامل ہوئے تھے اور احمد اللہ خاں کے پاس ایک جمعیت کثیر جمع ہو گئی تھی اور اسی کے ساتھ خبر شکست رامدیال سنگھ کی نگینہ میں نجیب آباد پہنچی تھی۔ احمد اللہ خاں نے ایسے وقت کو غنیمت سمجھ کر یورش کی اور سواہیڑی کو آ مارا۔ سواہیڑی میں جو جمعیت بھیجی گئی تھی وہ بہت کم ہو گئی تھی۔ کیونکہ بہت سے آدمی اس میں کے نگینہ کی لڑائی اور لوٹ میں چلے گئے تھے اور کچھ لوگ رامدیال سنگھ کی شکست سن کر بھاگ گئے تھے۔ کچھ تھوڑے سے آدمی اور دو جزائل وہاں موجود تھیں۔

جب احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں اور ماڑے نے سواہیڑی کو گھیرا تو بہت خفیف مقابلہ ہوا۔ گنوار سب بھاگ نکلے اور جزائیں آن کی چھن گئیں اور سواہیڑی کو دشمنوں نے پھونک دیا اور جلا دیا اور بجنور میں متواتر خبریں آنے لگیں کہ اب نواب بجنور کو مارنا ہے۔ بلکہ دو تین کوس تک نواب کے آدمی بجنور کی جانب بڑھ آئے تھے۔

سواہیڑی بھٹکنے کے وقت بجنور میں کیا حال تھا | یہاں بجنور میں کچھ جمعیت نہ تھی صرف چودھری رندھیر سنگھ مع

ایک ضرب توپ اور پچاس ساٹھ آدمی کے سواہیڑی کی سڑک پر مورچہ لگائے موجود تھے اور چودھری جودھ سنگھ اور چودھری نین سنگھ بھی وہاں تھے اور ہر چند واسطے جمع ہونے آدمیوں کے تدبیر کرتے تھے مگر ایک آدمی بھی جمع نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ بجنور میں سب کے پاؤں اکھڑ گئے۔ چودھری جودھ سنگھ عین مورچوں میں سے گھوڑا بھگا واسطے تدبیر نکال لے جانے اپنے اہل و عیال کے اپنے گھر میں پہنچے اور چودھری نین سنگھ نے بھی اپنے معتمد اپنے دولت خانہ پر بھیج دیے کہ ضرورت کی سب چیزیں سپہا رکھیں اور چودھری رندھیر سنگھ نے بھی روانگی ہلدور کا قصد کیا بلکہ توپ آدھر کوروانہ بھی کی۔ مجھ صدر امین اور ڈپٹی صاحب نے مکان تحصیل کو بند کر کے اور پانچ سات آدمی جو ہمارے ساتھ تھے آن کو لے کر اور ہتھیار بندوق سے آراستہ ہو کر اس دھیان میں ہو بیٹھے کہ اب احمد اللہ خاں بجنور میں آتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوگا اس سے لڑیں گے آخر کار مارے جاویں گے اور جس قدر خطوط اور کاغذات از طرف حکام انگریزی درباب انتظام ضلع ہمارے پاس آئے تھے اور جتنی رپورٹیں کہ ہم نے یہاں سے روانہ کی تھیں

اور آن کی نقلیں ہمارے پاس موجود تھیں آن سب کو ہم نے بنظر دور اندیشی جلا دیا۔ تمام شہر بجنور میں بھگی پڑ گئی۔ بہت سے آدمی گنگا کے کنارے اور دو گنگ میں جا بیٹھے اور ایک طلاطم عظیم بجنور میں برپا ہو گیا۔

ڈپٹی صاحب اور صدر امین کا | اس عرصہ میں مسلمانان بجنور جمع
بجنور سے ہلدور کو جانا | ہو کر چودھری رندھیر سنگھ کے

پاس گئے اور کہا کہ اگر تم چلے جاؤ گے تو قصبہ لٹ جاوے گا۔ تم بدستور مورچہ پر چلو اور ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ چودھری رندھیر سنگھ نے اس بات کو قبول کیا اور مورچہ پر آئے اور توپ بھی پھیر لائے۔ چودھری جودہ سنگھ بھی وہاں آ گئے اور تینوں چودھری مع مسلمانان بجنور اور جس قدر آدمی چودھریوں کے ساتھ تھے شام تک مورچہ پر موجود رہے مگر احمد اللہ خاں اس روز بجنور میں نہ آیا اور بمقام بسی کوٹلہ اس نے مقام کیا۔ رات کے وقت چودھری رندھیر سنگھ نے ہم سے کہا کہ میرا ارادہ یہاں کے قیام کا نہیں ہے اور چودھریان بجنور بھی جانے والے ہیں تمہارا رہنا یہاں مناسب نہیں ہے بہتر ہے کہ تم بھی آج ہی رات کو ہلدور چلے جاؤ۔ چنانچہ ڈپٹی صاحب اور میں صدر امین اخیر رات کو بجنور سے روانہ ہوئے اور صبح ہوتے چوبیسویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو ہلدور میں پہنچے۔ ہم سے تھوڑی دیر پہلے چودھری بدھ سنگھ نگیہ سے ہلدور آچکے تھے۔ وہاں ہماری اور ان کی ملاقات ہوئی۔ چودھری پرتاپ سنگھ صاحب نے تاجپور سے منجملہ مبلغان مطلوبہ جناب صاحب کمشنر بہادر پانچ ہزار روپیہ حسب تفصیل ذیل آپس میں جمع کر کر معرفت راجہ صاحب کاشی پور روانہ نینی تال کیے۔

۱۵۰۰	چودھری رندھیر سنگھ صاحب
۱۵۰۰	چودھری پرتاپ سنگھ صاحب
۱۰۰۰	چودھری امراؤ سنگھ
۱۰۰۰	چودھری لیکھراج سنگھ نہٹور والہ
۵۰۰۰	

احمد اللہ خان کا نگینہ کو جانا اور بشنوئیوں کو مارنا اور بشنوئی سرائے کو ویران کرنا

۲۴ اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو چودھری بدھ سنگھ مع قدرے جمعیت کے ہلدور سے روانہ بجنور ہوئے تاکہ چودھری رندھیر سنگھ کو ہلدور لے آویں اور اودھر احمد اللہ خان کو نگینہ کے خالی ہونے کی خبر ملی اور سب مسلمانوں نے جو کہ اس کے ساتھ تھے یہ بات چاہی کہ اول بشنوئیان نگینہ سے بدلہ لیا جائے جنہوں نے رامدیاں سنگھ کے وقت میں مسلمانوں پر اور ان کے نذک و ناموس پر زیادتی کی ہے اور جس فساد کے سبب لوگ چھدی جھنڈے میں جمع ہو گئے تھے۔ اس لیے احمد اللہ خان نے نگینہ کا جانا مقدم سمجھا اور قصد بجنور کو ملتوی کر کے جانب نگینہ مع فوج کے روانہ ہوا۔ دو بجے وہاں جا پہنچا اور بشنوئی سرا کے غارت کا ارادہ کیا۔ شیخ نجف علی رئیس نگینہ نے احمد اللہ خان کو اس بات سے منع کیا۔ مینڈھو خان پسر نتھو خان نے شیخ نجف علی کو گالی دی اور بندوق مارنے کو اوٹھائی مگر اور لوگ درمیان میں آ گئے۔ اتنے میں خبر آئی کہ بشنوئی سرا میں بشنوئیوں نے ایک سوار اور دو پیادوں کو مار ڈالا۔ اس خبر پر بشنوئی سرا پر توپ لگا دی اور گولہ مارنے شروع کیے تمام بشنوئی مع زن و بچہ بھاگ نکلے۔ پانچ چھ آدمی مارے بھی گئے اور بشنوئی سرائے دو دن تک خاطر خواہ لٹی اور تمام گھر اور پکے پکے مکانات بشنوئیوں کے سب پھونک دیے ایک گھر بھی جلنے سے باقی نہیں رہا۔ مشہور

ہے کہ کل لڑائیوں اور فسادوں میں باون ہشتوٹی مارے گئے۔ اس کے بعد احمد اللہ خاں نے سید تراب علی تحصیلدار کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کی تلاش کو آدمی دوڑائے۔ مگر مولوی محمد علی رئیس نگینہ نے ان کو چھپا لیا اور میر اشرف علی اور مولوی محمد علی خود احمد اللہ خاں پاس گئے اور سید تراب علی کو غریب پردیسی کہہ کر اور طرح طرح کی خوشامدیں کر کر ان کی جان بخشی چاہی۔ جو کہ احمد اللہ خاں وغیرہ سب پٹھان تھے اور سید کا قتل کرنا یہ لوگ بُرا سمجھتے ہیں اس لیے سید تراب علی کی جان بخشی کی مگر محمد علی سے حاضر ضامنی لکھوالی اور دروازہ مکان پرہ جات بچت نگہبانی تعینات کیے۔ پچیسویں تک احمد اللہ خاں کا مع تمام لشکر اور ہمراہیوں کے نگینہ میر مقام رہا۔

ہلدور کی پہلی لڑائی چودھریوں کی شکست اور ہلدور کا جلتا

چھبیسویں اگست کو ماڑے اور شفیع اللہ خاں اور احمد اللہ خاں نے بہ ارادہ چڑھائی ہلدور کے نگینہ سے جانب نہٹور کوچ کیا اور چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری بدھ سنگھ اپنی تمام سپاہ کو ساتھ لے کر تقارر بجاتے اور نشان اڑاتے مع دو ضرب توپ اور چند جزائل کے بہت بڑی شان اور شوکت سے واسطے مقابلہ کے روانہ ہوئے اور نہٹور سے احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں اور ماڑے مع اپنے لشکر کے ہلدور پر چڑھے۔ موضع جھڑوٹی اور بیگراج پور کے درمیان بان ندی پر طرفین کا مقابلہ ہوا۔ دو توپیں چودھری صاحبوں کی طرف سے چھوٹیں۔ نواب کے سواروں نے حملہ کیا اور گنوار جو غول کے غول چودھری صاحب کی طرف جمع تھے بھاگے اور لڑائی شکست ہوئی چودھری صاحب بھی پس پا ہوئے اور دوتوں توپوں کو لے کر ہلدور آ داخل ہوئے ہلدور کے چاروں

طرف پہلے سے خندق کھدی ہوئی تھی اور دمدہ بنا ہوا تھا اور چاروں طرف ناکہ بندی ہو رہی تھی اور مورچہ لگے ہوئے تھے۔ جب چودھری صاحب اور ان کا تمام لشکر جو ساتھ بھاگا آتا تھا ناکہ ہلدور میں داخل ہو گیا تب چودھری صاحب پھر رکے اور توپوں کو مورچوں پر لگا کر اور دمدہ کی آڑ میں کھڑے ہو کر باڑیں مارنی شروع کیں سرکاری رجمنٹوں کے چند سواروں نے جو نواب کی فوج میں تھے مع اپنے ہمراہیوں کے جن کو انہوں نے منتخب کر لیا تھا مورچہ پر ہلہ کیا اور با وصف تنگی اور قلب ہونے ناکہ کے ناکے کے اندر گھس گئے اور پچاس ساٹھ آدمی چودھری صاحبوں کے مارے گئے۔ گوہند سنگھ کارندہ کل چودھری پرتاپ سنگھ کا اسی ناکہ پر بہت دلاوری سے مارا گیا۔ اس وقت چودھری صاحبوں نے قیام اپنا ناکہ مورچہ پر بھی مناسب نہ جانا اپنی تینوں توپوں کو ناکہ مورچال پر سے لے حویلی کو روانہ ہوئے تو ان سواروں نے تعاقب کیا چودھری صاحبان تو حویلی میں بخیریت آپہنچے مگر ان کی دو توپیں جو بہت عمدہ سرکاری میگھ زین کی تھیں اور لارڈ لیک صاحب بہادر سپہ سالار انگلشیہ نے نواب احمد بخش خان بہادر والئی فیروز پور کو عنایت کی تھیں اور نیلام اسباب شمس الدین خاں کے وقت چودھری صاحب ہلدور نے خرید کی تھیں چھین لیں اور ناکہ کے باہر لے گئے اور ایک قدیمی لوہے کی موروثی توپ چودھری صاحبوں کی جو ناکہ پر تھی اور کڑھ خان آس کا نام تھا اس کو چند گنواروں نے پھڑپھڑ سے اکھاڑا اور کندھوں پر رکھ بغل میں داب حویلی میں لا داخل کی۔ حویلی کے دروازہ بند ہو گئے اور ہر ایک شخص اس کا منتظر رہا کہ کب نواب آوے اور جو حویلی میں محصور ہیں کب ان کو مارے۔ اس عرصہ میں گولہ اندازان نواب نے ایک توپ جانب مشرق اس مکان کے

مقابل جس میں میں اور ڈپٹی صاحب مقیم تھے آ لگائی اور گولہ مارنے شروع کیے۔ باوجودیکہ بہت بڑا مکان نشانہ پر تھا مگر وہ گولہ انداز ایسے کامل اور استاد اپنے فن کے تھے کہ ایک گولہ بھی اُس مکان پر نہ لگا جس قدر سوار نواب کے کنارہ شہر سے ناکہ کے اندر گھس آئے تھے وہ سب دونوں توپیں لے کر ناکہ کے باہر چلے گئے اور صفیں آراستہ کیے ہوئے دمدمہ اور خندق ہلدور کے باہر کھڑے رہے۔ یقینی کہا جاسکتا ہے کہ کوئی آدمی بھی سپاہ نواب کا شہر میں نہیں رہا مگر دفعۃً ہلدور کے مکانات میں آگ لگنی شروع ہوئی بلا شبہ چھپی اور حلوائیان ساکنان ہلدور نے جو مسلمان ہیں ہندوؤں کے مکانات میں آگ لگائی۔ کیونکہ اُن سے اور چودھریان ہلدور سے در باب خانہ کرایہ اور تعمیر مسجد اور دیگر امور کے قدیمی عداوت چلی آتی تھی یہاں تک کہ تمام مکانات ہندوؤں کے جلنے شروع ہو گئے اور دس بارہ آدمی قوم ہنود مارے بھی گئے اور ہلدور کے چاروں کونوں میں اس قدر آگ روشن ہوئی کہ رستہ آمد و رفت کو چونکا بند ہو گیا اور نواب کی فوج جو باہر کھڑی تھی اس کو بھی قابو ہلدور کے اندر گھسنے کا نہ ملا بہت دیر تک وہ فوج آراستہ کھڑی رہی۔ جب یہ جانا کہ آگ ایسی بھڑک گئی ہے کہ کئی دن تک نہ بجھے گی تب چار بجے کے بعد احمد اللہ خاں مع اپنے تمام لشکر کے بہ ارادہ قیام جہالو سے روانہ ہوئے راستہ میں موضع پھڑیا پور کو پھونک دیا۔ اس عرصہ میں اس کو خبر پہنچی کہ بجنور بالکل خالی ہے اُس نے بجنور کے قیام کا ارادہ کیا اور کچھ سوار اور پیدل لے کر تخمیناً ڈھائی تین ہزار آدمی کی جمعیت سے گیارہ بجے رات کے بجنور میں داخل ہوا۔

چودھریان بجنور کا گنگا ہار جانا | جس وقت کہ ہلدور پر لڑائی ہو رہی تھی تو چودھری جودہ سنگھ صاحب بھی دو تین کوس کے فاصلہ

سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ جب ان کو یقین ہو گیا کہ ہلدور کی شکست ہو گئی اور ساری ہلدور جل گئی وہ پھر کر بجنور آئے اور یہ سب حال چودھری نین سنگھ صاحب سے کہا اور دونوں چودھری صاحب مع اپنے رشتہ مندوں کے بجنور سے چل دیے اور کشتیوں پر بیٹھ گنگا پار ہوئے۔ احمد اللہ خاں نے بجنور پہنچ کر ہر چند تلاش کیا مگر پتہ نہ لگا۔

چودھری ہرتاپ سنگھ کا کانٹا	احمد اللہ خاں اور ماڑے کا ارادہ تھا کہ ہلدور فتح کر کے

تاجپور پر چڑھائی ہوگی اور ننھٹور میں منادی ہوئے تھی کہ ہلدور اور تاج پور کی لوٹ معاف ہے جب خبر شکست ہلدور اور مارے جانے گویند سنگھ اپنے کارندہ کی چودھری ہرتاپ سنگھ کو پہنچی وہ بھی گھبرائے اور جانا کہ کل یہی دن میرے لیے ہے۔ اسی وقت چودھری ہرتاپ سنگھ تاج پور سے کانٹ کو چلے گئے۔ تاج پور بھی خالی ہو گیا تھا۔ اگر کچھ فوج احمد اللہ خاں تاج پور بھیج دیتا تو اسی وقت اس پر قابض ہو جاتا۔

ہلدور میں مسلمانوں کا قتل عام ہونا۔	ہلدور سے احمد اللہ خاں کے چلے جانے کی بڑی خوشی ہوئی

اور سب کی جان میں جان آئی اور خدا خدا کر کے شام کی اور جوں توں کر کے رات بسر کی رات کے وقت جو آدمی چودھری صاحبوں کے بھاگ گئے تھے وہ بھی آ گئے اور ایک غول پھینہ والوں کا بھی آ گیا اور قریب تین ہزار آدمی کی جمعیت پھر ہلدور میں جمع ہو گئی۔ اٹھائیسویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء کو روز جمعہ مطابق ساتویں محرم سنہ ۱۲۷۴ ہجری کے قبل طلوع آفتاب چودھری صاحبوں نے تمام رستہ ہلدور کے گھیر لیے اور جس قدر مسلمان حلوائی اور چھپی اور کسہار وغیرہ ہلدور میں دستیاب ہوئے سب

کو برابر قتل کر دیا اور بہت سی عورتیں گرفتار ہو کر کوٹھے میں قید کی گئیں اور کچھ عورتیں بھی اتفاقیہ ماری گئیں اور کچھ مرد اور کچھ عورتیں اور بچے زخمی بھاگ بھاگ کر چاند پور پہنچے۔ جو حلوائی اور چھپپی مفسد اور حرامزادہ تھے اور غالباً انہوں نے بھی آس روز ہلدور میں فساد کیا تھا اور آگ لگائی تھی آسی روز مع اپنے اہل و عیال کے احمد اللہ خاں کے ساتھ چلے گئے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے تئیں بے قصور سمجھ کر ہلدور میں رہ گئے تھے۔ غرضکہ شام تک ان لوگوں کا برابر قتل رہا اور جس قدر گھر مسلمانوں کے وہاں تھے وہ سب جلائے گئے اور ان کے ساتھ ہندوؤں کے بھی بہت سے گھر جو بیچ میں آ گئے جل گئے اور ہلدور کا یہ حال ہو گیا کہ بجز دو پکی حویلیوں کے کوئی گھر جلنے اور خراب ہونے اور لٹنے سے باقی نہیں رہا۔ پھونس کا نام ہلدور میں سے جاتا رہا یہاں تک کہ اگر کوئی چڑیا ایک پھونس کا تنکا اپنا گھونسلہ بنانے کو قرض مانگتی تو بھی نہ ملتا۔

ہندوؤں کو مسلمانوں سے اس قدر عداوت ہو گئی کہ چند آدمی جو اتفاقیہ ہلدور میں وارد تھے وہ بھی مارے گئے۔ گنوار بخوبی پکار پکار کر ہم لوگوں اور ڈہٹی صاحب کی نسبت صاف صاف کہتے تھے کہ گویہ لوگ چودھریوں سے ملے ہوئے ہیں مگر مسلمان ہیں ان کو بھی مار ڈالنا چاہیے مگر چودھری رندھیر سنگھ نے ہماری بہت حفاظت کی اور کہلا بھیجا کہ دروازہ مضبوط بند کر کے اندر بیٹھے رہو اور کسی اپنے نوکر کو بھی باہر نہ نکلنے دو۔ ایسا نہ ہو کوئی مار ڈالے۔ اس سبب سے تین روز تک ہم کو ہلدور میں پانی اور کھانے کی بہت تکلیف رہی۔

ڈہٹی صاحب اور صدر امین کا | جب یہ حال ہوا تو پھر ہم نے
ہلدور سے روانہ ہونا | اپنا قیام ہلدور میں بھی مناسب

نہ جانا اور تمام ضلع میں کوئی اور ایسی جگہ بھی نہ تھی جہاں
ہم رہ سکتے اس مجبوری سے ضلع کا چھوڑنا ضرور پڑا۔ انیسویں
تاریخ کا دن جس طرح ہو سکا ہم نے ہلدور میں بسر کیا۔ گیارہ
بجے رات کے ہم پیادہ پا وہاں سے نکلے اور نہایت مشکل اور تباہی
سے راستہ کاٹا۔ صبح ہوتے ہی ہم لوگ مع ڈہٹی صاحب اور
متھرا داس اور بانکے رائے خزانچی کے قریب موضع پچنیاں کے
پہونچے۔ وہاں معلوم ہوا کہ پچنیاں میں بہت لوگ ہمارے لوٹنے
اور مارنے کو جمع ہیں اس لیے آس راہ کا چھوڑنا ضرور پڑا اور
پلانہ کا رستہ اختیار کیا۔

موضع پلانہ میں ڈہٹی صاحب | موضع پلانہ کی سرحد میں پہونچے
اور صدر امین پر یورش | دفعہ دو ہزار گنوار مسلح ہم پر

دوڑے اور ہمارے لوٹنے اور قتل کا ارادہ کیا۔ مسخنی بخشی سنگھ
پدھان موضع پلانہ نے مجھ کو اور ڈہٹی صاحب کو پہچانا اور
آن گنواروں کو روکا اور خود ساتھ ہو کر بحفاظت تمام اپنے گاؤں
کی سرحد سے نکال دیا۔ جبکہ ہم موضع کھیرکی میں پہونچے تو
وہاں کے زمینداروں نے ہماری بہت خاطر کی اور ہم کو پانی اور
دودھ پلایا اور ہر طرح سے ہماری اطاعت کی اور چند آدمی ساتھ
ہوئے تاکہ چاند پور تک پہونچا دیں۔

چاند پور میں ڈہٹی صاحب اور | چاند پور میں اس سے زیادہ
صدر امین پر یورش | مصیبت ہماری قسمت میں لکھی

تھی کہ جب ہم قریب دروازہ چاند پور کے پہونچے اور بدمعاشان
مسلمانان چاند پور کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی دفعہ محلہ بتیاپارہ
میں ڈھول ہوا اور صدھا آدمی تلوار اور گنڈاسہ اور تمنچہ اور

بندوق لے کر ہم پر چڑھ آئے۔ ہمارے مارے جانے میں کچھ شبہ باقی نہ تھا مگر فی الفور میر صادق علی رئیس چاند پور ہماری مدد کو پہونچے اور اپنے رشتہ داروں اور ملازمان کو ساتھ لے کر آن مفسدوں کو روکا۔ اس عرصہ میں اور بہت سے آدمی شہر کے ہماری اعانت کو آئے، اور ان بد ذاتوں کے ہاتھ سے ہم کو بچایا اور میر صادق علی ہم کو اپنے مکان پر لے گئے اور وہاں امن دیا، دوسرے روز خود ساتھ ہو کر موضع چچولہ تک پہونچا دیا وہاں سے ہم پھراؤں گئے اور وہاں سے عرضی مفصل سرگزشت کی بحضور حکام لکھی اور چند روز بسبب بیماری کے مقام کر کے ڈپٹی صاحب براہ خورجہ بعد پچونچانے اپنے اہل و عیال کے اور میں صدر امین سید دا بمقام میرٹھ بحضور حکام عالی مقام حاضر ہوئے۔

رائے اس باب میں کہ ضلع میں اس تازہ فساد ہونے کا کیا سبب ہوا	جب یہ فساد ہوا تو انتظام ضلع کا ہمارے ہاتھ میں تھا۔ اس سبب سے میں نہایت نامناسب

سمجھتا ہوں اگر اس قدر جلد ضلع میں فساد ہونے کا سبب نہ بیان کروں۔ میری رائے میں کچھ شک نہیں ہے کہ اگر سرکاری فوج ضلع میں نہ آتی تو اسی طرح کا فساد ضرور ضلع میں ہوتا مگر جس قدر کہ جلد اب ہوا اس کا باعث صرف فساد نگینہ ہے، حکام انگریزی کے احکام آنے اور رئیسوں کے نام خطوط اور پروانہ جات جاری ہونے سے جن کا حال اوپر بیان ہو چکا کچھ شک نہیں ہے کہ سب کے دلوں پر سرکار کا خوف ہو گیا تھا اور ہم نے جو اشتہارات اور منادی سرکار کے نام سے تمام ضلع میں کی یہاں تک کہ خاص نجیب آباد میں بھی سرکار کے نام سے منادی ہوئی اور جناب مسٹر جارج ہامر صاحب بہادر دھرم پور تک تشریف لائے،

سب کو یقین ہو گیا تھا کہ اب سرکاری فوج اور حکام جلد ضلع میں تشریف لاویں گے۔ جب ہم نے ضلع کا اہتمام اٹھایا تو مسلمانوں نے اس بات کا یقین کیا کہ جو زیادتیاں ہندوؤں نے بروقت فتح شیر کوٹ و بجنور مسلمانوں پر کیں وہ اب نہیں ہونے کیں اور نہ مسلمان ہندوؤں پر زیادتی کر سکیں گے بلکہ جیسا قاعدہ سرکاری عدالت کا تھا اسی طرح پر انتظام اور کام ہوگا اور ہمارا دل بھی یوں ہی چاہتا تھا کہ اسی طرح پر ہو مگر ہم محض بے قابو تھے اور درحقیقت ہمارا کچھ اختیار نہ تھا۔ جو لوگ کہ ہماری مدد کو تھے وہ ہمارے تابع نہ تھے بلکہ خود رائے سے کام کرتے تھے۔ ہماری بات بھی اگر مانتے تھے تو وہی بات مانتے تھے جو کہ پہلے سے اُن کے دل میں کرنی ہوتی تھی۔ ہمارے مددگاروں کے جو لوگ تابع اور مددگار تھے وہ خود اُن کی نہ مانتے تھے جن کے تابع تھے۔ ہم تو درکنار رہے، جو بات کہ ہمارے خلاف مرضی اور برعکس ہماری رائے کے ضلع میں ہونے کو ہوتی تھی ہم اُس کے روکنے کا اور بند کرنے کا کچھ قابو نہیں رکھتے تھے، ہم خوب سمجھتے تھے کہ نگینہ میں توپ کے سانچہ پر فساد ہوگا اول تو ہماری ہرگز رائے نہ تھی کہ بالفعل اس سے کسی طرح کا مواخذہ کیا جاوے۔ اس لیے کہ سردست وہ کسی کام کا اور کسی طرح مضرت رساں نہ تھا۔ اُس سے آئندہ امید مضرت رسانی کی تھی اور اگر بالفرض آدمی نگینہ پر چلے بھی گئے تھے تو جس وقت رئیسان نگینہ نے مردمان اور سپاہیان نجیب آباد کو نگینہ سے رخصت کر دیا تھا اور سب لوگ نجیب آباد چلے گئے تھے اُس وقت رامدیال سنگھ کا رہنا پورینی میں نامناسب اور بنیاد فساد کی تھا۔ فی الفور رامدیال سنگھ کو واپس آنا چاہیے تھا۔ ہم نے تھانہ دار نگینہ بھیجا تھا اور مولوی قادر علی تحصیلدار کو واسطے

بھیجنے نگینہ کے بلایا تھا۔ ہم صرف رئیسوں کی معرفت وہاں کا انتظام کر لیتے مگر ہر چند ہم نے کہا کہ رامدیاں سنگھ کو واپس لانا چاہیے مگر افسوس ہے کہ ہماری یہ بات وہ تھی جس کا ہمارے مددگاروں کے دل میں پہلے سے اس کا کرنا نہ تھا۔ بشنوٹا ن نگینہ جو قدیمی مفسد اور شورہ پشت ہیں زیادہ تر مفسدہ کے باعث ہو گئے، اور نگینہ میں فساد کروا دیا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ بدستور ہندو مالک اور حاکم ہیں اور ہندو جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مارتے ہیں جیسا کہ نگینہ میں پیش آیا۔ اکثر آدمی نجیب آباد چلے گئے۔ نواب نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر بھدی جھنڈا کھڑا کر دیا اور دفعۃً ضلع میں فساد برپا ہو گیا اور مذہبی لڑائی قائم ہو گئی۔

چاند پور میں جو ہم پر آفت پڑی گواصلی منشاء اس کا یہی تھا کہ ہم سرکار کے خیر خواہ

چاند پور میں ڈپٹی صاحب اور صدر امین پر بلوے ہونے کا سبب

اور طرفدار تھے اور علانیہ سرکار کی طرفداری کر کر انتظام ضلع کا اٹھا لیا تھا لیکن اس قدر عام بلوے کے ہمارے پر ہونے کا یہ سبب تھا اور سب بلوائی ہکار ہکار کر کہتے تھے کہ چودھریوں سے سازش کر کے نگینہ میں مسلمانوں کو مروا دیا اور لوگوں کی جو روٹی کی بے عزتی کروائی اور ہلدور میں اپنے سامنے مسلمانوں کو ذبح کروایا اب ہم زندہ نہ چھوڑیں گے، چنانچہ یہ سب باتیں ہم اپنے کان سے سنتے تھے اور ہلدور میں حلوائیاں اور چھپیوں کے زخمی امرد اور عویٹ اور بچے جو بچ کر بھاگے تھے وہ تھوڑی دیر پہلے ہم سے چاند پور میں پہنچ چکے تھے، ان کا حال دیکھ کر زیادہ تر لوگ ناراض ہو رہے تھے کہ ہم بے گناہ دفعۃً وہاں جا پہنچے۔ فہمیدہ آدمی تو سمجھ گئے کہ یہ کام

انہوں نے نہیں کیا مگر جاہل لوگوں نے نہ مانا ، غرضکہ ہماری رائے میں یہ ہے کہ جس طرح ہم چاہتے تھے اگر سب لوگ ہماری رائے پر کام کرتے تو بلاشبہ اتنے عرصہ تک ضلع تھا رہتا کہ یا سرکاری فوج ضلع میں آ جاتی یا لوگوں کو سرکاری فوج آنے سے بالکل توقع جاتی رہتی ۔

ہلدور کی دوسری لڑائی اور چودھریوں کی شکست

ہمارے جانے کے بعد چودھری صاحبان ہلدور پھر جمعیت اکٹھا

کرنے کی فکر میں پڑے اور اپنی حویلی کی حفاظت میں مصروف ہوئے ۔ چنانچہ بہت سے آدمی ہلدور میں جمع ہو گئے اور احمد اللہ خاں اور ماڑے بمقام بجنور مقیم رہے ۔ تیسویں اگست سنہ ۱۸۵۷ء روز یک شنبہ مطابق نویں محرم سنہ ۱۲۷۳ ہجری کو احمد اللہ خاں اور ماڑے نے پھر ہلدور پر چڑھائی کی اور سوقی جمعیت سنگھ رئیس بجنور اور لالہ خوب چند وکیل صدر امینی بجنور کو جو زمانہ سابق میں کارندہ چودھریان ہلدور تھا ساتھ لیا کہ اول جا کر صلح اور صفائی کروا دیں ۔ ادھر سے لشکر احمد اللہ خاں کا ہلدور پر روانہ ہوا اور جب چودھری پرتاپ سنگھ تاج پور سے کانٹ چلے گئے تھے تو کانٹ والوں نے کچھ اپنی جمعیت اور ایک ضرب توپ تاج پور میں واسطے حفاظت مکانات چودھری پرتاپ سنگھ کے بھیج دی تھی اور وہ تاج پور میں موجود تھی ۔ چنانچہ تاج پور سے ایک گروہ مع آس توپ کے واسطے کمک چودھریان ہلدور کے مع نرائن سہائے روانہ ہوا تھا وہ متصل ہلدور پہنچ گیا تھا اور ایک باغ میں متصل ہلدور مورچہ لگایا تھا ۔ جب احمد اللہ خاں کا لشکر ہلدور کے قریب پہنچا تو بلدیہ کی بھوڑ پر لشکر ٹھہرا اور وہ دونوں آدمی ہلدور میں چودھری صاحبان کے پاس گئے مگر کوئی صورت صفائی کی نہ ہوئی ۔ تھوڑی دیر بعد جب ان دونوں آدمیوں

کے واپس آنے میں دیر ہوئی تب احمد اللہ خاں نے ہلدور کو گھیر لیا اور تاج پور والا غول سے مقابلہ کر کے آس کو بھگا دیا اور کانٹ والی توپ چھین لی۔ سوئی جمعیت سنگھ اور لالہ خوب چند ہلدور میں سے نکل کر چلے گئے اور ہلدور پر لڑائی شروع ہوئی۔ جس قدر آدمی کہ چودھری صاحبوں کے پاس تھے وہ حویلی میں محصور ہو گئے اور اندر سے بندوقیں مارتی شروع کیں احمد اللہ خاں کے گولہ اندازوں نے ہر چند کئی طرف سے مورچہ لگائے مگر کوئی موقعہ ایسا آن کے ہاتھ نہ آیا کہ حویلی کی دیوار گولے سے ٹوٹ سکے اور بندوق تلوار کچھ کام نہ کرتی تھی۔ اس لیے بہت دیر تک گولے چلتے رہے اور احمد اللہ خاں کے لشکر کے چند آدمی جو حویلی کے دروازوں پر حملہ کرنا چاہتے تھے مارے گئے۔ جب حویلی ٹوٹ نہ سکی تو احمد اللہ خاں نے وہاں سے کوچ کر کر نہٹور میں مقام کیا اور دوسرے روز اکتیسویں اگست ۱۸۵۷ء مطابق دسویں محرم سنہ ۱۲۷۴ ہجری کو بھی وہیں مقام رہا۔ یکم ستمبر کو نہٹور سے جانب مجنور کوچ کیا اور رستہ میں موضع نانگل کو جہاں زمانہ مقابلہ شیر کوٹ میں کئی سپاہی نواب کے مارے گئے تھے لوٹ لیا اور جلا دیا اور بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ چودھری بدھ سنگھ اور چودھری مہاراج سنگھ نے اب رکھنا اپنے اہل و عیال کا ہلدور میں مناسب نہ جان کر دونوں چودھری صاحب مع اپنے تمام اہل و عیال کے ہلدور سے پھینے چلے گئے اور صرف چودھری رندھیر سنگھ ہلدور میں مقیم رہے اور بعد پہنچانے اپنے اہل و عیال کے پھینے میں چودھری بدھ سنگھ پھر ہلدور کو واپس آئے اور چودھری مہاراج سنگھ تاج پور گئے اور کانٹ سے چودھری پرتاپ سنگھ صاحب کو بلایا اور وہ دونوں مل کر ہلدور میں آئے اور بعد مشورہ اور گفتگو کے دوسرے دن چودھری پرتاپ سنگھ تاج پور کو

چلے آئے ۔

اس معرکہ کے بعد تمام ضلع میں نواب کی بے کھٹکے حکومت ہو گئی اور جملہ مشیران نواب انتظام	جلال الدین خاں کی مختاری کی تجویز ہوئی اور چودھریوں سے صفائی کی گفتگو

ضلع کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ رائے قرار پائی کہ جملہ چودھریوں سے صفائی کی جاوے اور جلال الدین خاں نائب نواب اور مختار کل مقرر ہو۔ جلال الدین خاں کو اس عہدہ پر مقرر کرنے کا سبب یہ تھا کہ احمد اللہ خاں سے سب چودھری بہت ناراض تھے اور اگر وہی کارکن رہتا تو چودھریوں سے صفائی ہونے میں دقت پڑتی۔ دوسرا یہ سبب تھا کہ ان دنوں میں ضرورت روپیہ کی بہت تھی اور احمد اللہ خاں کو روپیہ ملنا بہت دشوار تھا اور جلال الدین خاں کو لوگ معتبر آدمی سمجھتے تھے۔ اس کی معرفت سیل روپیہ کی بھی باسانی متصور تھی۔ چنانچہ مسودہ اقرار نامہ مختاری کل تحریر ہوا اور جملہ چودھریوں سے گفتگو اور پیغام سلام صفائی کے ہونے لگے اور سعد اللہ خاں منصف امر وہ نے چودھریوں کے تام خطوط واسطے صفائی کے لکھے اور اس میں وعدہ لکھا کہ بعد تحریر ہو جانے اقرار نامہ مختاری کے میری معرفت سب کی صفائی ہو جاوے گی۔ سعد اللہ خاں نے جو خط اس باب میں چودھریوں کے نام لکھے اس کی نقل بجنسہ اس مقام پر لکھتے ہیں :-

نقل خط سعد اللہ خاں بنام چودھریان در باب صفائی	نقل خط سعد اللہ خاں موسومہ چودھری رندھیر سنگھ و بدھ سنگھ

و مہاراج سنگھ بلا اندراج تاریخ :-

چودھری صاحبان مشفق مہربانان دوستان سلمہ اللہ تعالیٰ ! بعد شوق ملاقات مسرت سہات کہ مزیدی براں متصور نیست شہود ضمیر محبت تنویر گردایند مے آید الحمد للہ والمنت کہ خیریت جانبین

حاصل نامہ محبت شاہہ ہمدست محکم شجاع علی صاحب و سید امتیاز علی صاحب وصول آورده کاشف مافہا گردید۔ حال اینست کہ مختار نامہ کل معاملات از جانب نواب صاحب بہادر بنام محمد جلال الدین خان صاحب بہادر قرار یافتہ است و مسودہ ہم تسلیم شدہ مگر تا این وقت صلیف نگردیدہ مہر بر آن نشدہ است۔ تا وقتیکہ این معاملہ بظہور نرسد ازین باعث در رسیدن این جانب نزد آن صاحبان تامل است لہذا بقید قلم مے آید کہ اگر این معاملہ تا دوپہر بانجام رسید ضرور سوار شدہ در کیرت پور شب باش خواہم شد و اطلاع بہ آن صاحبان خواہم رسانید زیادہ خیریت است و حکیم صاحب و سید امتیاز علی صاحب را نزد خود مقیم داشتہ ام و اگر امروز تصفیہ شدہ دو سہ روز انتظار نمودن تصفیہ ضرور است۔“

جلال الدین خان کی مختاری کا
التوا اور کونسل کا تقرر

مگر یہ انتظام موقوف رہا اس
سبب سے کہ احمد اللہ خان اس
بندوبست سے بہت ناراض تھا۔ اُس نے تمام افسران کو اپنے ساتھ
ملا لیا تمام افسران فوج نے احمد اللہ خان سے عہد کیا کہ ہم
تمہارے ساتھ ہیں اور اگر محمود خان تم کو بے دخل کرے گا تو
ہم سب تمہارا ساتھ دیں گے۔ لاچار یہ بندوبست ملتوی رہا اور
اُس کی صلاح سے ایک کونسل مقرر ہوئی کہ جو انتظام ضلع کا ہو
کونسل سے ہوا کرے، چنانچہ جو رویکاری نا محمود خان نے اس
معاملہ میں لکھی اُس کی نقل بحسنہ اس مقام پر لکھی جاتی ہے۔

رویکار تقرر کونسل رویکاری محکمہ بہ اجلاس

امیر الدولہ ضیاء الملک ذوی القدر نواب محمد محمود خان بہادر
مظفر جنگ واقع ۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۵۷ء جو کہ اس جانب نے بہ سبب
بد انتظامی ضلع بجنور کے محمد احمد اللہ خان بہادر و محمد احمد یار خان
و محمد شفیع اللہ خان و اخوند زادہ عبد الرحمان خان و سید احمد شاہ

کو بنظر رفاہ خلائی اور واسطے انتظام مالی و ملکی ضلع بجنور کے اپنی طرف سے مختارکار عام مقرر کیا اور کل انتظام ضلع کا سپرد صاحبان مرقومہ بالا کے کیا تو ضرور ہے کہ جو معاملات بیچ انتظام ملک خواہ پروانہ جات و چٹھیات واقعہ جات یا اور کوئی امر متعلقہ نظامت و فوجداری اجرا پاوے تو بصلاح مشورہ صاحبان مرقومہ بالا کے تجویز ہو کر رو بروئے این جانب پیش ہووے اور ایک عرضی بھی سب صاحبوں کی طرف سے مشعر باطلاع اتفاق رائے کے گذرئی چاہیے تو اُس وقت ہونا حکم منظوری تجویز یا دستخط این جانب بہت مناسب ہوگا لہذا

حکم ہوا کہ

جو امر تجویز صاحبان مرقومہ بالا سے اجرا پاوے تو بالاتفاق سب صاحبان کے تجویز ہو کر مع قطعہ عرضی کے ہمارے رو برو پیش ہو تو جب دستخط اور حکم ہمارا ہوگا اور در صورت خلاف رائے صاحبوں کے کوئی امر تجویز کیا ہوا کسی کا قابل پذیرائی کے نہ ہوگا۔ اطلاعاً نقل روبکار ہذا کی پاس ان پانچوں صاحبوں کے بھیجی جاوے اصل روبکار سر رشتہ میں رہے۔“

کچھری کے لیے مہروں کا بتا | اسی زمانہ میں نئی مہرین فوجداری اور کلکٹری کی نامحمد خاں اور احمد اللہ خاں نے بنوائیں۔ اُن مہروں پر الفاظ واللہ ملک السموت والارض بڑھایا گیا اور بجائے سنہ عیسوی کے سنہ ہجری لکھے گئے۔ پہلی دفعہ جو مہرین بنیں اُن میں تو فقط ضلع بجنور موقوف کر کے لفظ ”تحت حکومت نجیب آباد“ کھودا گیا۔

سعد اللہ خاں کا صفائی | اگرچہ کونسل مقرر ہونے سے چودھریوں میں دخیل رہنا جلال الدین خاں کی مختاری کل ملتوی ہوگئی اور سعد اللہ خاں کا بخوبی اختیار نہ ہوا کیونکہ

سعد اللہ خان کا اختیار جلال الدین خان کی مختاری پر منحصر تھا، مگر پھر بھی سعد اللہ خان بدستور چودھری صاحبوں کی صفائی کے معاملہ میں دخیل رہا اور واسطے دوستی اس معاملہ کے اور بلانے چودھریوں کے سعد اللہ خان بمقام نہٹور گیا اور سب چودھریوں کو بلایا اور پیغام بھیجا مگر کوئی ان میں سے نہ آیا۔ لاچار سعد اللہ خان بلا حصول مطلب سولہویں ستمبر سنہ ۱۸۵۷ء کو نگینہ میں واپس آیا۔

پڑاؤ کی لڑائی اور چودھریان کی شکست | چودھری بدھ سنگھ اور چودھری مہاراج سنگھ نے ارادہ کیا کہ

پھر ایک دفعہ نواب سے مقابلہ کیا چاہیے اور اپنی برادری کو خطوط لکھے اور چودھری پرتاب سنگھ سے بھی کمک چاہی۔ چنانچہ موضع پھینہ میں لام جمع ہوا اور چودھریان کانٹ اور نوائن سہائے مع جزائل چودھری پرتاب سنگھ کی طرف سے اور گلاب سنگھ چکاری والا اور کچھ زمیندار پھینہ کے اور اور زمیندار دیہات کے کمک چودھری بدھ سنگھ صاحب کے پھینہ میں جمع ہوئے اور کچھ آدمی ہلدور میں اکٹھے ہوئے اور یہ سارا لام جمع ہو کر بہ ارادہ چڑھائی نجیب آباد روانہ ہوا۔ احمد اللہ خان نے یہ خبر سن کر کچھ فوج اپنی بمقام نگینہ اور کچھ فوج بمقام کیرت پور بہ افسری شفیع اللہ خان روانہ کی اور ادھر سے چودھری صاحب اپنا لام لے کر اٹھارویں ستمبر سنہ ۱۸۵۷ء کو متصل پڑاؤ کے پہنچے اور طرفین میں مقابلہ شروع ہوا۔ تھوڑی لڑائی کے بعد چودھری صاحب کی شکست ہوئی۔ تمام گنوار جو جمع ہوئے تھے بھاگ نکلے اور ایک موروثی توپ چودھریان ہلدور کی جس کا نام کڑہاں تھا مع تین جزائلوں اور دو گردوں کے نواب کی فوج نے چھین لیے اور چودھری بدھ سنگھ اور مہاراج سنگھ ہلدور ہوتے ہوئے

پھر پھینہ میں پہنچے ۔ اس فتح پر شفیع اللہ خان کا بہت بڑا نام ہوا اور لقب بہادری اُس کو دیا گیا اور جنرل جرار بھی کہلانے لگا ۔ چنانچہ اکثر کاغذات میں اُس کا یہ لقب دیکھا گیا ۔

چودھریوں سے پھر صلح کے | اس لڑائی کے بعد احمد اللہ خان
ایام اور نواب کے مشیروں نے چاہا

کہ یا جملہ چودھریاں کی بیخ کنی کر دی جائے ورنہ وہ لوگ مقابلے سے باز نہ آویں گے اور اُن کی طرف کا کھٹکا رفع نہ ہوگا یا اُن سے بخوبی صلح اور صفائی ہو جاوے ۔ چودھری صاحبان بھی در صورت طمانیت رفع فساد چاہتے تھے ۔ چنانچہ ادھر سے چودھریوں نے بھی پیغام صلح بھیجے اور خطوط بھی لکھے جن کا حاصل یہ تھا کہ بسبب خوف بد سلوکی اور اندیشہ جان و آبرو کے حاضر نہیں ہو سکتے ہر چند نواب کی طرف سے چودھریوں کی تشفی ہوتی تھی مگر ان کو طمانیت نہ ہوتی تھی اور اعتبار نہ آتا تھا ۔ چنانچہ سعد اللہ خان کے خط کی نقل جو بنام چودھری پرتاب سنگھ صاحب کے اس معاملے میں بیسویں ستمبر سنہ ۱۸۵۷ء کو تحریر ہوا بحسنہ لکھتے ہیں :-

”چودھری صاحب مشفق مہربان | نقل خط سعد اللہ خان بنام
دوستان سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام | چودھری پرتاب سنگھ رئیس
شوق واضح ہو خط تمہارا پہنچا | تاجپور درباب صفائی

حال دریافت ہوا ۔ ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ایام کچھ بڑے آگئے ہیں ورنہ ہرگز تم سے ایسی بات ظہور میں نہ آتی کہ تم مجھ سے اندیشہ کرتے ہو اور میں تم کو اپنے فرزند سے کمتر نہیں جانتا ۔ جبکہ تم کہنے میرے سے باہر ہو تو پھر کیا علاج کروں ۔ چاہیے کہ بلا اندیشہ تم نگینہ میرے پاس چلے آؤ اور کچھ اندیشہ کسی طرح کا مت کرو ۔ اگر میرے پاس نہ آؤ گے تو اور جو

کچھ تدبیر تمہارے نزدیک بہتر ہو وہ کرو اور اگر ایسی تھی لیت و لعل میں رہو گے خراب اور برباد ہو جاؤ گے تاکید جانو اور بلا اندیشہ چلے آؤ اور جب تم مجھ کو مرہی جانتے ہو تو پھر کیا خوف ہے۔ ہرگز ہرگز کچھ خوف نہ کرو زیادہ خیریت ہے اور اسی شب میں روانہ ہو کر میرے پاس آ جاؤ اور مجھ کو تمہاری حیرانی کا بڑا تردد ہے۔ واللہ باللہ اگر میں تم کو محمد اسماعیل خاں سے کمتر جانتا ہوں تو خدا اس کا آگاہ ہے۔ اور تم کو بھی یہ معلوم ہے۔ فقط“

پہلی صفر ۱۲۷۴ ہجری -

غرضکہ سعد اللہ خاں کی معرفت پیغام صفائی اور حاضر ہو جانے کے چودھری پرتاپ سنگھ سے ہوئے	غضنفر علی خاں کا نہٹور میں جانا اور چودھری رندھیر سنگھ کی ملاقات

اور نتھے خاں نے چودھری امراؤ سنگھ صاحب رئیس شیر کوٹ سے گفتگو صفائی کی کی اور غضنفر علی خاں بڑا بیٹا نا محمود خاں کا مع ماڑے اور لشکر مناسب کے نہٹور روانہ ہوا کہ اگر چودھریاں ہلدور حاضر ہو جاویں تو بہتر ورتہ پھر ہلدور کو تباہ کیا جائے اور حیراج سنگھ پورینی والا اور لیکھراج سنگھ نہٹور والا کی معرفت چودھری رندھیر سنگھ کو پیغام بھیجے گئے۔ بعد گفتگو اور طائیت کے چودھری رندھیر سنگھ نہٹور میں آنے پر راضی ہوئے۔ اور پچیسویں ستمبر ۱۸۵۷ء کو چودھری صاحب نہٹور میں آئے اور غضنفر علی خاں سے ملاقات کی۔ چودھری صاحب نے ایک پیش قبض اور پچاس روپیہ آن کی نذر کیا اور غضنفر علی خاں نے ایک دوشالہ بطور خلعت آن کو دیا اور یہ بات کہی کہ چودھری بدھ سنگھ اور چودھری مہاراج سنگھ کو بھی حاضر کر دو۔ انہوں نے اقرار کیا کہ بلا دوں گا۔ بعد ملاقات کے چودھری رندھیر سنگھ صاحب ہلدور کو رخصت ہوئے اور یعقوب علی خاں رام پوری

مصاحب غضنفر علی خاں اور مان سنگھ بھائی لیکھراج سنگھ کا واسطے لانے چودھری بدھ سنگھ اور مہاراج سنگھ کے آن کے ساتھ ہلدور میں گئے اور وہاں سے موضع پھینہ میں چودھری صاحبوں کے پاس پہنچے، مگر چودھری بدھ سنگھ اور مہاراج سنگھ نہ آئے اور بہ لطائف الحیل آنے سے انکار کر دیا اور کئی دن بعد گنگا پار بہ حضور حکام چلے گئے۔

آخر کار بعد نامہ و پیغام یہ بات ٹھہری کہ چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاج پور موضع پورینی میں آویں اور سعد اللہ خاں سے زبانی

چودھری پرتاپ سنگھ اور امراؤ سنگھ کا نگینہ میں آ کر نجیب آباد جانا اور نا محمود خاں سے ملاقات کرنا

گفتگو کر کے تاج پور واپس چلے جاویں، چنانچہ پرتاپ سنگھ پورینی میں آئے اور سعد اللہ خاں نگینہ سے پورینی میں گیا اور چودھری پرتاپ سنگھ کا ہاتھ پکڑ کر ہاتھی پر بیٹھا لیا اور نگینہ لے آیا اس کے بعد چودھری امراؤ سنگھ رئیس شیر کوٹ نگینہ میں آئے اور سعد اللہ خاں سے ملاقات ہوئی۔ جب محمود خاں کو خبر پہنچی کہ دونوں چودھری نگینہ میں آ گئے ہیں اس نے سعد اللہ خاں کو خط لکھا کہ دونوں چودھریوں کو نجیب آباد میں لے آؤ۔ سعد اللہ خاں ان کو نجیب آباد لے گیا اور چھبیسویں ستمبر کو چودھری صاحبوں کی ملاقات نا محمود خاں سے ہوئی۔ دونوں چودھری صاحبوں نے کچھ اشرفیاں نذر دیں اور نا محمود خاں نے ایک دوشالہ ان کو بطور خلعت دیا اور دوسرے دن رخصت کر دیا۔

جبکہ چودھری امراؤ سنگھ شیر کوٹ سے نگینہ کو روانہ ہوئے

شیر کوٹ میں ہندوؤں کا قتل ہونا

تو غضنفر علی خاں اور ماڑے نے نہٹور سے دھام پور کو کوچ کیا اور غضنفر علی خاں تو دھام پور میں ٹھہرا رہا اور ماڑے بد نصیب

بے رحم شیر کوٹ میں گیا ۲۶ ستمبر کو اس ارادے سے کہ وہاں کے ہنود کو قتل کرے شیر کوٹ میں ہندوؤں نے وہاں سے بھاگنا چاہا۔ برہان الدین قاضی شیر کوٹ نے پٹواریوں کو جو قوم کے بٹیہ تھے اپنے گھر میں بلا کر اکٹھا کر لیا۔ اس عرصے میں بہت سے لوگ دروازہ قاضی پر جمع ہوئے اور شور و غل برپا ہوا۔ قاضی نے ان سب لوگوں کو جو متوقع پناہ اس کے گھر میں رہے تھے گھر کے باہر نکال دیا اور اس کے دروازے کے آگے وہ لوگ مارے گئے۔ غرضیکہ اکتیس آدمی پٹواری اور برہمن اور بھاٹ نہایت ظلم اور قساوت قلبی سے ذبح کیے گئے۔ دو آدمی تو زخمی ہو کر بچ گئے اور انتیس آدمی مارے گئے۔ اس وقت سے ماڑے حرامزادہ کی بڑی دہشت لوگوں کے علی الخصوص ہندوؤں کے دل میں بیٹھ گئی کہ جدھر ماڑے کا لشکر جاتا تھا لوگ تھرا جاتے تھے اور کانپ اٹھتے تھے۔

آپس میں باغیوں کے ملک کا | ان واقعوں کے بعد ماڑے کو بہت تقسیم ہونا
 خاندان میں درباب تقسیم ملک نزاع ہوا۔ ماڑے نے غضنفر علی خاں کو اپنے ساتھ کر لیا۔ اور آپس نے چاہا کہ احمد اللہ خاں کو بالکل بے دخل کیا جاوے۔ کئی دن تک آپس میں رنجش رہی۔ پھر باہم صفائی ہوئی اور تقسیم ملک کی اس طرح پر قرار پائی کہ قاسم محمد خاں کو بارہ ہزار روپیہ مہینہ نقد ملا کرے اور تحصیل لگینہ و دھام پور و چاند پور، ماڑے خاں و غضنفر علی خاں کے حصے میں دی جاوے اور تحصیل نجیب آباد و بجنور احمد اللہ خاں کے حصے میں اور آٹھ ہزار روپیہ مہینہ غضنفر علی خاں اور ماڑے قاسم محمد خاں کو دیں اور چار ہزار روپیہ مہینہ احمد اللہ خاں کو دیں۔ چنانچہ یہ بند و بست چند روز تک قائم رہا۔

چودھری بدھ سنگھ اور چودھری
مہاراج سنگھ جو میرٹھ میں بحضور
حکام حاضر تھے۔ انہوں نے بار بار
جناب صاحب کمشنر بہادر میرٹھ

جناب صاحب کمشنر بہادر
میرٹھ کا چودھری بدھ سنگھ کو
مدد دے کر پھر ضلع کو روانہ
کرنا

سے عرض کیا تھا کہ اگر تھوڑی سی بھی کمک ہم کو ملے تو
ہم پھر نا محمود خاں سے مقابلہ کریں اور اس کو ضلع سے خارج
کر دیں اور پھر ہم اپنی برادری کے بہت سے لوگ مقابلے کو جمع
کر لیں گے۔ اگرچہ جناب صاحب کمشنر بہادر کو اس میں تامل
تھا مگر بسبب اصرار بار بار عرض کرنے چودھریان کے جناب
صاحب کمشنر بہادر نے اس کی کمک تجویز کی اور لالہ گورسہائے
ناظم حسن پور کے پاس جس قدر جمعیت تھی اس کا ساتھ کرنا اور
کچھ فوج راؤ گلاب سنگھ رئیس کوٹیسر کا کمک کر دینا تجویز کیا
اور جملہ رئیسان ضلع بجنور کے نام حکم نامے جاری کیے کہ کوئی
شخص نا محمود خاں کی اعانت نہ کرے۔ اگر کرے گا تو مجرم
سرکار ہوگا۔ چنانچہ مترہدیں اکتوبر سنہ ۱۸۵۷ء کو یہ سب امور
تجویز ہوئے اور حکم نامہ جات بنام رئیسان ضلع بجنور تحریر ہوئے
اور چودھری صاحبان کو میرٹھ سے رخصت کیا۔ نقل اس حکمنامہ
کی بعینہ اس مقام پر لکھی جاتی ہے :-

نقل حکم نامہ جناب ایڈورڈ قلم
ولیمس صاحب بہادر کمشنر میرٹھ
بنام جملہ رئیسان ضلع بجنور
”جو کہ چودھری بدھ سنگھ

حکم نامہ جناب صاحب کمشنر
میرٹھ جو بنام رئیسان ضلع بجنور
جو در باب اعانت چودھری بدھ
سنگھ تحریر ہوا

تعلقہ دار ہلدور اور ناظر گورسہائے ناظم حسن پور واسطے دفعیہ
اور اخراج نواب محمود خاں و جلال الدین خاں و عظمت اللہ خاں
و احمد اللہ خاں و شفیع اللہ خاں و ماڑے وغیرہ باغیاں کے مع

فوج راؤ گلاب سنگھ رئیس کوٹیسر وغیرہ متعین ہوئے ہیں۔ اس واسطے یہ حکم نامہ بنام تمہارے جاری ہوتا ہے کہ جو کوئی منجملہ تمہارے یا رشتہ داران جو ملازمان یا باشندگان شہر تمہارے کے باغیان مذکور کو پناہ یا مدد دے گا یا اس کی نوکری کرے گا تو مجرم سرکار متصور ہو کر کل جائداد منقولہ و زمینداری وغیرہ تمہاری ضبط سرکار ہو کر تدارک سنگین ہوگا اور مسکن تمہارا مثل باغیان مالا گڑھ اور تہانہ بھون وغیرہ کے کر دیا جاوے گا۔ چاہیے یہ کہ آفت اپنے اوپر مت لاؤ اور بیوقوف اور جاہل لوگوں کے دھوکہ میں مت پڑو کہ اب سرکار کی طرف سے خواہ مخواہ بر ملا سب کا تدارک ہوگا اپنی عقل کو دخل دو۔ اگر سرکار سے ساری خلقت کے صاف کرنے کے واسطے تجویز ہوتا تو پھر ملک کے رکھنے سے کیا حاصل تھا۔ جو لوگ اور طرح سے بیان کرتے ہیں سب جھوٹ اور تمہاری خرابی کے واسطے کہتے ہیں۔ البتہ جو لوگ مفسد اور سرکش ہیں اور سرکشی کی پناہ کے سبب مشہور ہو گئے ہیں ان کا تدارک ہوگا اور باقی جو اور لوگ سرکار کے خیرخواہ بنے رہے ان کے واسطے سب طرح سے فائدہ ہے اور ان کے واسطے بڑا وقت پہنچنے فوج سرکار کے کسی طرح اندیشہ نہیں۔ اس واسطے تم کو لازم ہے کہ اب مفسدوں سے بالکل علیحدہ ہو جاؤ۔ نہ ان کو کسی طرح فوج کی مدد دو نہ ان کو پناہ دو اور جو تم ایسا کرو گے تو یہ خیرخواہی تمہاری ظاہر ہو جاوے گی اور اس وقت تم کو اختیار ہے۔ اور اگر اب تم مفسدوں کے ساتھ ہو جاؤ گے تو اب فوج سرکاری عنقریب پہنچے گی اور جیسا مفسدوں کا تدارک ہوگا ایسا ہی تمہارا ہووے گا۔“ - ۱۷ اکتوبر سنہ

چودھری بدھ سنگھ کا دھنورہ میں آنا | ان تحریرات کے بعد دونوں

چودھری صاحب گھاٹ گڈھ مکتیسر نگینہ کا اوتر کر اور فوج راؤ گلاب سنگھ رئیس کوٹیسر اور ناظر گورسہائے ناظم حسن پور کو مع اس کی جمعیت کے ساتھ لے کر دھنورہ میں پہنچے اور پروانہ جات جناب صاحب کمشنر بہادر موسومہ رئیسان ضلع بجنور چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاج پور کے پاس پہنچائے کہ جملہ رئیسان مکتوب الیہم کے پاس پہنچا دیں۔

چودھری پرتاپ سنگھ کا دوبارہ روپیہ نینی تال کو بھیجنا | اس زمانہ میں چودھری پرتاپ سنگھ کچھ روپیہ نینی تال روانہ کرنے

کو تھے، چنانچہ انہوں نے چار ہزار روپیہ حسب تفصیل ذیل ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۸۵۷ء کو روانہ نینی تال کیے۔

چودھری پرتاپ سنگھ ۲۰۰۰

امید سنگھ سیتا رام چودھریان رتن گڈھ ۲۰۰۰

۳۰۰۰

اور بعد اس کے اپنے آدمیوں کی معرفت وہ حکم نامہ جات سب رئیسوں کے پاس روانہ کیے کہ وہ حکم نامے اٹھائیسویں اکتوبر سنہ ۱۸۵۷ء کو لوگوں کے پاس پہنچے اور چودھری پرتاپ سنگھ نے سامان رسد واسطے فوج مقیم دھنورہ کے تیار کیا اور اس عرصہ میں ایک توپ برنجی جو انہوں نے بنوائی تھی وہ بھی تیار کر لی۔

چودھری امراؤ سنگھ کا | چودھری امراؤ سنگھ رئیس کاشی پور جانا | شیر کوٹ نے اپنا رہنا بسبب

اس ہنگامہ کے شیر کوٹ میں مناسب نہ سمجھا، وہ اسی تاریخ شیر کوٹ سے کاشی پور چلے گئے۔

احمد اللہ خاں اور ماڑے کا واسطے مقابلہ چودھری بدھ سنگھ کے چاند پور میں جمع ہونا

ماڑے خاں بمجرد سننے خبر چڑھائی چودھریان ہلدور مع اپنے لشکر کے بمقام چاند پور پہنچا

اور اُس کے بعد شفیع اللہ خاں اور احمد اللہ خاں مع اپنے لشکر کثیر کے چاند پور میں جمع ہوئے اور اکثر رئیسوں کے نام خط لکھے کہ تم بھی اُن کو شامل ہو مگر کوئی شریک نہ ہوا، اگرچہ توقع تھی کہ بہت بڑا مفسدہ ہوگا کیونکہ سب مسلمان ضلع کے یقین جانتے تھے کہ در صورت غلبہ چودھریان کے کوئی دقیقہ زیادتی اور جبر کا باقی نہیں رہے گا کہ ہندوؤں کے ہاتھ سے مسلمانوں پر نہ ہوا ہوگا۔ مگر سب رئیسوں کو حکمنامہ جناب صاحب کمشنر بہادر کا بہت خوف تھا، اس سبب سے سوائے ملازمین نواب کے کہ تعداد میں آٹھ نو ہزار سے زیادہ ہوں گے اور کوئی شریک نہ ہوا، مگر چودھری صاحبوں کی طرف بھی جمعیت کثیر نہ ہونے پائی۔ اس اندیشہ سے کہ اگر نواب غالب آیا تو کوئی ایسا ظلم نہ ہوگا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے ہندوؤں پر نہ ہوگا۔ مع هذا اگر ناظر گورسہائے حملہ کرتا تو ایک راہ نکل جاتی باغیان ضلع بجنور کو ضلع مراد آباد اور دھنورہ وغیرہ پر حملہ کرنے کو بہر حال جو لام چودھری صاحبوں کا دھنورہ پر بندھا تھا وہ آگے نہ بڑھ سکا بلکہ متفرق ہو گیا اور چودھری صاحبان نے وہاں سے مراجعت کی۔

چودھری بدھ سنگھ کے لام کا دھنورہ سے ٹوٹ جانا

احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں اور ماڑے نے تجویز کی کہ

جب تک بنیاد ہلدور باقی ہے یہ فساد بھی قائم ہے امن لیے اُس نے چاند پور سے ہلدور پر چڑھائی کی۔

ہلدور میں چودھری رندھیر سنگھ مع قدرے جمعیت کے موجود تھے۔ جب انہوں نے احمد اللہ خاں	ہلدور کی تیسری لڑائی اور چودھری رندھیر سنگھ کا گرفتار ہونا

کے لشکر کے آنے کی خبر سنی حویلی میں محصور ہو گئے ، لشکر احمد اللہ خاں نے حویلی کو گھیر لیا ۔ طرفین کی طرف سے گولیاں چلتی رہیں اور آدمی بھی مارے گئے ، آخر کار رات کے وقت چودھری رندھیر سنگھ نے اپنے ساتھ کے آدمیوں کو اجازت دی کہ جس طرح پر چاہیں اپنی جان بچاویں اور حویلی میں سے نکل جاویں ۔ چنانچہ اکثر آدمی نکل گئے ، صبح کو تاریخ تیسری نومبر سنہ ۱۸۵۷ء احمد اللہ خاں کا لشکر حویلی میں داخل ہوا ، اور چودھری رندھیر سنگھ کو گرفتار کر لیا ، اور رامدیال سنگھ بھوپھی زاد بھائی ، رندھیر سنگھ کا اور اور پانچ چھ آدمی رشتہ مند ان کے مارے گئے اور چودھری رندھیر سنگھ کو قید کر کے براہ ننگینہ نجیب آباد لے گئے اور ایک مکان میں نظر بند کر دیا ۔ جس قدر اسباب ہلدور میں تھا سب لٹ گیا اور مکانات چودھریان ہلدور کے جلا دیے گئے اور ہلدور ویران محض ہو گئی ۔

ماڑے کا تاجپور پر چڑھنا اور چودھری پرتاپ سنگھ کا گنگا پار جانا	جبکہ احمد اللہ خاں اور ماڑے چاند پور سے ہلدور کو روانہ ہوئے تھے یعنی دوسری نومبر

سنہ ۱۸۵۷ء کو ، اس وقت ماڑے خاں نے چودھری پرتاپ سنگھ کو خط لکھا کہ میرا لشکر عنقریب تاجپور میں داخل ہوگا رسد تیار کرو ، اس خط کے ساتھ ہی خبر شکست ہلدور اور گرفتاری چودھری رندھیر سنگھ کی تاجپور میں چودھری پرتاپ سنگھ کو پہنچی ، انہوں نے جانا کہ میرا بھی یہی حال ہونے والا ہے اس لیے تدبیر روانگی کی کر کے پانچویں نومبر سنہ ۱۸۵۷ء کو تاجپور

سے روانہ ہوئے اور ساتویں تاریخ کو گڈھ مکتیسر میں پہنچے -
چنانچہ نقل خط ماڑے خاں اس مقام پر لکھی جاتی ہے -

خط ماڑے خاں بنام چودھری
پرتاپ سنگھ رئیس تاجپور

”چودھری صاحب مشفق مہربان
کرم فرمائے برحال نیاز مندان
چودھری پرتاپ سنگھ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ! بعد سلام شوق
ایتکے ارادہ لشکر این جانب بطرف تاجپور است مناسب است کہ
آن صاحب تدبیر رسد وغیرہ سازند چنان نشود کہ بہ کسی نہج
تکلیف مردمان لشکر را شود باقی خیریت است فقط - رقیمة الشرق
چودھری امام بخش عرف ماڑے خاں از مقام چاند پور“ مورخہ
دوم ربیع الاول سنہ ۱۲۷۴ ہجری

سہر امام بخش

باغیان گنگا پور کا مجنور میں آنا | اس ہنگامہ کے بعد نامحمود خاں
اور اس کے ہمراہی سب طرف سے بے فکر ہو گئے اور چودھریوں
میں سے کسی کا اندیشہ ان کے دل میں نہ رہا اور عیش و عشرت
میں مشغول ہو گئے - گنگا پار کے جو باغی تھے انہوں نے بھی
اپنے لیے مجنور سے زیادہ کوئی مامن نہ دیکھا چنانچہ دلیل سنگھ
اور قدم سنگھ گوجر اور رضا حسن عرف چھٹن اور عنایت علی خاں
قاضی تھا نہ بھون مع اپنے رفیقوں اور ساتھیوں کے اس ضلع میں
آئے ، اس ضلع کے باغیوں نے ان کو امن دیا ، ان کے سوا
مرزا الطاف اور مرزا حاجی اور مرزا مبارک شاہ شاہزادگان مغرور
دہلی اس ضلع میں آئے اور نامحمود خاں اور ماڑے نے اول اول
بہت عزت اور توقیر کی -

ان باغیوں نے اس ضلع میں آن
کر زیادہ تر فساد مچایا اور
نامحمود خاں اور احمد اللہ خاں اور

باغیان گنگا پار کا اتنا اور چند
چوکیات اور تھانہ جات
سرکاری کو لوٹنا

شفیع اللہ خاں ماڑے کو ورغلانا اور گنگا پار اترنے اور ضلع مظفر نگر

اور سہارنپور میں فساد مچانے اور غدر ڈالنے پر ترغیب دی یہ جاہل آن کے دموں میں آ گئے اور پار اترنے پر مستعد ہو گئے اور کئی دفعہ پار کو اترے اور چند چوکیات سرکاری میں نقصان پہنچایا چنانچہ رضا حسن عرف چھٹن ساکن موضع سرائے ضلع مظفر نگر نے مع پچاس آدمیوں کے گنگا اتر کر چوکی دھرم پورہ کو پھونک دیا اور چار برقنداز چوکی کے مار ڈالے اور دو گھوڑیاں وہاں سے چھین کر گنج آسکیں میں چلا آیا ۔ سردار خاں ساکن علاقہ ٹھا کر دوارہ اور دلیل سنگھ گوجر بہت سے گوجر اپنے ساتھ لے کر رات کے وقت سوئی کے نانگل سے اترے اور سرکاری پکٹ سے مقابلہ کیا اور کچھ گھوڑے لوٹ لایا ۔ انہیں گوجروں اور پار کے باغیوں نے چوکی الہ آباد اور تھانہ بھوکر ہیڑی کو راولی کے گھاٹ سے اتر کر لوٹ لیا ۔ عنایت علی خاں قاضی کھیڑہ مجاہد پور کی چوکی پر اترے اور دو ہندو برقنداز پکڑ لایا ، ایک کو مار ڈالا ایک کو مسلمان کر لیا ، اسی طرح قاضی عنایت علی اور دلیل سنگھ گوجر اور رضا حسن عرف چھٹن دو ضرب توپ اور دو ہزار آدمی کی جمعیت سے میراں پور پر اتر آئے اور میراں پور کے تھانہ کو اور کچھ دوکانوں کو لوٹ لیا اور کئی آدمی کو قتل کیا اور ناعمود خاں کے نام کی منادی بٹوائی اور پھر بھاگ آیا ۔

ان وارداتوں کے بعد باغیوں کو اور زیادہ حوصلہ ہوا اور شفیع اللہ خاں نے روڑکی پر حملہ	پہلا ڈاکہ کنھکل کا اور کرانی صاحب بری تاروالہ کا گرفتار ہونا

کرنے کا ارادہ کیا ۔ چنانچہ نجیب خاں ساکن نجیب آباد ایک گروہ فوج کا افسر کل مقرر ہوا اور جنگ باز خاں جو سابق میں برقنداز کوتوالی جوالا پور تھا اور پھر کول میں بھی رہا تھا اور کفایت اللہ خاں ساکن نجیب آباد جو پہلے کمپونڈر شفاخانہ روڑکی

تھا اور پھر ریڈ صاحب کے محکمہ میں پندرہ روپیہ مشاہرہ کا نوکر تھا اور عمر خان رسالہ دار اور علی بہادر خان افسران ماتحت مقرر ہوئے اور ساتویں جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کو وہ فوج سوار اور پیادہ کی مع اپنے افسروں کے پایاب گنگا اتری اور کچھ پیدل میاپور کے ڈرام نہر پر ہو کر اتر آئے اور چوکی میاپور پر حملہ کیا۔ چھ نفر سواران نہر جو اس چوکی پر متعین تھے ان کے پانچ گھوڑے کھول لیے اور چوکی کا محاصرہ کر کے یارک کو آگ دے دی اور تجمل حسین خان لیس ساکن منگلور اور تفضل حسین سوار ساکن منگلور اور نادر علی ساکن پور قاضی اور گنیش سنگھ پوریہ پانچ سواروں کو گرفتار کر لیا، اور نبی بخش سوار سوار ساکن رڑکی حکمت عملی سے بھاگ گیا، بعد اس کے اور ملازمان سرکاری کی تلاش ہوئی اور میاپور کے گودام سے ایک کرائی صاحب مہتمم تار برقی اور مولا مستری اور ہولاس ٹنڈیل اور پندرہ بیلدار لال ٹوبی والا گرفتار کیے اور کپتان ریڈ صاحب بہادر کے دونوں بنگلوں میں آگ دے دی۔ مولا بخش اور محمد حسن چوکیدار بھی گرفتار ہوئے تھے۔ مگر حکمت عملی سے بھاگ گئے، بعد اس کے یہ سب باغی کنکھل میں آئے اور تار برقی ہل میاپور سے کنکھل تک توڑ دیا اور کنکھل میں ناعمود خان کے نام کی منادی پٹوائی اور جملہ باشندگان کنکھل کو امن دیا۔ پھر ہردوار میں گئے وہاں بھی ناعمود خان کے نام کی منادی کرائی اور گیارہ بجے دن کے مع ان لوگوں کے کہ جن کو گرفتار کیا تھا گنگا کے اس پار موضع انجنی میں جہاں ان کی اور فوج تھی چلے آئے۔

حکم انگریزی کا کنکھل پر کوچ کرنا

تین بجے دن کے اس واردات کی خبر رڑکی میں اور وہاں سے

منگلور میں جہاں کچھ فوج سرکاری مقیم تھی پہنچی! رات کو

حکام انگریزی اور کچھ فوج نے کوچ کیا - صبح ہوتے آٹھویں سنہ ۱۸۵۸ء کو افسران اور فوج مندرجہ حاشیہ بمقام میاپور پہنچی اسی وقت مسٹر ملول صاحب بہادر اور کپتان ڈریمنڈ صاحب بہادر اور کپتان بارگن صاحب بہادر اور تاسمن صاحب بہادر چار سوار اور خادم علی جمعدار سواران نہر ساکن منڈاور کو ساتھ لے کر کھادر گنگا میں کنارہ گنگا تک بمقابلہ گھاٹ چاندی گئے اور اس پار سے ایک فقیر کو بلا کر حال فوج باغیان کا پوچھا اس نے بیان کیا کہ موضع انجی میں فوج پڑی ہے چنانچہ اس کو ہمراہ لے کر مقابلہ گھاٹ انجی جا کر کھڑے ہوئے اور دیکھا کہ کنارہ پر باغیان کی فوج پڑی ہے ان لوگوں نے جانا کہ یہ لوگ پار اترنے کا ارادہ کرتے ہیں - انہوں نے تقارہ بجایا - سب سپاہ پریٹ باندھ کر کھڑی ہوئی اور ہتھیار سنبھالنے لگی - یہ صاحب کھڑے دیکھا کیے - باغیوں نے اسی کنارہ سے بندوقوں کی فیر کی ، سب صاحب کھڑے ہنسا کیے ، تھوڑی دیر بعد سب صاحبوں نے اپنے خیمہ گاہ پر مراجعت کی - تھوڑی راہ طے کی تھی کہ باغیوں نے ایک توپ فیر کی ، اس کا گولہ ریت میں ان صاحبوں سے تھوڑے فاصلہ پر گرا -

۱- بارگن صاحب بہادر بریکیڈر میجر

کپتان بارگن صاحب بہادر

کپتان ڈریمنڈ صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ نہر

تاسمن صاحب بہادر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نہر

فلپ صاحب بہادر سپروائزر نہر

ملول صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ سہارنپور

سپاہیان ہائٹ سکھ ۱۰۰ نفر

سپاہیان ہائٹ گورکھا ۵۰ نفر

سپاہیان ہائٹ گورہ ۱۰ نفر

سواران رجمنٹ اول خاکی ۲۵ نفر

توپ دو ضرب

دوسرا ڈاکہ کنکھل کا اور | نویں جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کو بارہ باغیوں کا مارا جانا

خبر دی کہ نواب کی فوج پار اتر رہی ہے۔ افسران انگریزی نے بگل تیاری کا کیا اور ڈرمنڈ صاحب بہادر نے ڈرام نہر پر کھڑے ہو کر دورین سے دیکھا کہ درحقیقت فوج اتر رہی ہے۔ کچھ تو اس پار اتر آئی ہے اور کچھ پایاب پانی میں چلی آئی ہے۔ یہ نادان اس ارادہ سے اترے تھے کہ کنکھل میں مقام کریں گے۔ کیونکہ سب کے ساتھ آنا اور مختصر برتن اور اوڑھنا بچھونا بھی تھا۔

کپتان ڈرمنڈ صاحب بہادر نے بمجرد دریافت اس بات کے ڈرام نہر کا کھول دیا اور پانی نہر کا گنگا میں چھوڑ دیا اور فلی صاحب بہادر کو اس پر متعین کر کے خود کنکھل کو تشریف لائے۔ یہ دانائی اور یہ حکمت کپتان ڈرمنڈ صاحب بہادر کی بہت قابل تحسین ہے۔ درحقیقت اس حکمت سے دشمن کو موت کے چنگل میں پکڑ لیا اور بجائے آب شمشیر موج آب سے آن کا کام تمام کیا۔

یہ فوج باغیوں کی جو اتاری ان میں سب کا سردار شفیع اللہ خان بھانجا محمود خان کا تھا اور عبدالرحمان خان اور عباد اللہ خان اور وہ سوار جو پہلے اترے تھے سب شریک تھے اور قریب ہزار آدمیوں کے سوار و پیادہ اور تین ہاتھی جن میں سے ایک پر شفیع اللہ خان سوار تھا، مع تین ضرب توپ نیل دھار اتر آئے تھے اور ان میں سے چار سو ساڑھے چار سو آدمی تخمیناً سوار و پیادہ ڈرام کے پانی کو اتر کر کنکھل کے متصل مقام دجہہ تک آ گئے تھے اور کچھ ڈرام کے پانی میں تھے۔

غرضکہ وہ لوگ کنکھل میں داخل ہونے نہ پائے تھے کہ

افسران انگریزی مع اپنی فوج کے آن کے مقابل ہوئے اور حویلی
ایکڑی والہ پر مورچہ توپ قائم کیا۔ باغیوں نے باڑ بندوقوں اور توپوں
کی سرکی جب قریب آئے تو سرکاری فوج نے توپوں کا گراپ آن پر
مارا بیسیوں آدمی گر پڑے اور مارے گئے باغیوں کا منہ پھر گیا۔
اور بھاگ نکلے۔ سرکاری فوج نے دفعۃً دھاوا کر دیا اور مارے
بندوقوں کے جس قدر آدمی کہ ڈرام کے پانی کو اتر آئے تھے اور
جس قدر کہ پانی کے پیچ میں تھے اور جس قدر کہ آس کنارہ ڈرام کے
کھڑے تھے سب کو مار دیا اور بیسیوں آدمی ڈرام کے پانی میں جو
بسیب چھوٹ جانے آب نہر کے گہرا دو گیا تھا ڈوب گئے اور مقام
دجہہ غنیم سے چھین لیا۔ عین آس معرکہ میں کپتان بارگن صاحب
بہادر نے کمال دلیری سے تنہا اپنا گھوڑا شفیع اللہ خاں کے ہاتھی
کے پیچھے ڈالا اور بندوق فیر کی۔ کفایت اللہ خاں جو خواصی میں
بیٹھا تھا آس کو گولی لگی وہ مر کر گر پڑا۔ جب صاحب بہادر نے
دوسرا فیر شفیع اللہ خاں پر کیا آس کی قضا نہ تھی، وہ خالی گیا اور
شفیع اللہ خاں ہاتھی بھگا کر بھاگ گیا۔ بہت سے ہتھیار اور گھوڑے
سواروں کے جو مارے گئے تھے اور ایک تھیلہ میگزین کا جو ہاتھی
پر سے گرا تھا فوج سرکاری کے ہاتھ آیا اور فتح و نصرت نصیب
اولیائے دولت سرکار ہوئی۔ اس معرکہ میں چار سو آدمی تھمیناً
باغیوں کا مارا گیا حسن رضا خاں جو کنارہ آب ڈرام پر سر ننگے
زخمی ہو کر بیٹھ گیا تھا آس کا سر تلوار سے کاٹ لیا۔ سرکاری فوج
میں کسی شخص کے پھول کی بھی چوٹ نہیں آئی۔ باقی آدمی
باغیوں کے جو کنارہ نیل دھارا پر تھے مع توپوں کے بھاگ گئے
شیو پرشاد نیٹو ایجنٹ نہر کو بجلد وے اس خبر رسانی کے سو روپیہ
انعام ملے۔

اس شکست کے بعد باغیوں میں
تزلزل پڑنا اور معافی اراضیات
مضبوطہ کی تجویز

جب اس شکست کی خبر نجیب آباد
میں پہنچی تمام فوج باغیان میں
کھل بلی پڑ گئی اور سب کے ارادے

جو پار اترنے کے تھے وہ سست پڑ گئے اور ہر ایک باغی اپنے اپنے
پرگنہ جات کے بندوستان میں جو بروقت تقسیم ملک آن کے حصہ
میں آئے تھے مصروف ہوئے اور سلاطین دہلی اور تلنگان باغی جو
جمع تھے متفرق ہونے لگے اور بریلی کی طرف کسی نہ کسی حیلہ اور
بہانے سے چلے گئے۔ اُس وقت احمد اللہ خاں نے یہ خیال کیا کہ
کسی طرح رعایا اس ضلع کو اپنے شریک کیا جاوے۔ یہ ایک
مشہور بات ہے کہ بسبب ضبط ہو جانے اراضیات معافی عہد سرکار
میں معافی دار سرکار دولت مدار انگریزی سے آزرده خاطر ہیں۔ اس
امر کو احمد اللہ خاں نے واسطے شریک کرنے رعایا اس ضلع کے
بہت اچھا حیلہ سمجھا اور سولہویں جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کو حکم
دیا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ جو معافیات عہد انگریزی میں ضبط ہوئی
ہیں واگداشت کی جاویں اور پروانہ جات بنام جملہ تحصیل داران کے
جاری کیے کہ فہرست آن معافی داروں کی جو عہد انگریزی میں
ضبط ہوئی ہیں واسطے گذاشت معافیات کے پیش کریں اور جو پروانہ
جات کہ اس اسباب میں اُس نے جاری کیے اُن کی نقل اس مقام پر
لکھتے ہیں۔

نقل پروانہ احمد اللہ خاں
موسومہ تحصیل داران در باب
طلب فہرست معافی داران

”جو کہ بعنایت الہی یہ ملک
بہ قبض و تصرف ہمارے آیا ہے
اور فضل الہی سے جب تلک نسلًا

بعد نسلًا یہ ملک ہمارے قبض و تصرف میں رہے ہم یہ چاہتے ہیں
کہ جو معافیات عہد انگریزی میں ضبط ہو کر جمع مقرر ہو گئی ہے
اُن کو اور وارثان اُن کے کو معاف و بحال رکھی جاویں گی اور

جمع اراضیات معافیات کی سنہ حال سے نہ لی جاوے کس واسطے کہ یہ غریب دعا گو ہیں اس واسطے حسب الحکم رو بکار امروزہ تم کو لکھا جاتا ہے کہ تم جمیع معافی داران کو اطلاع دو کہ ہر ایک معافی دار عرضی اپنی بہ استدعائے معافی اراضی معافی کے بہ قید تعداد اراضی اور جمع اور نام گاؤں کے بہ حضور این جانب گزرائے گئے بعد تحقیقات و اراضی معاف اور واگذاشت کی جاوے گی“

المرقوم ۱۶ جنوری سنہ ۱۸۵۸ء -

جناب صاحب کلکٹر بہادر کا | سولہویں فروری سنہ ۱۸۵۸ء کو
میرٹھ سے رڑکی کو کوچ کرنا | چٹھی صاحب سیکرٹری گورنمنٹ

مورخہ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۵۸ء نمبر ۸۵۰ بنام صاحب کلکٹر بہادر ضلع بجنور بمقام میرٹھ پہنچی کہ تم مع عملہ ضلع بجنور بمقام رڑکی روانہ ہو اور واسطے انتظام روہیل کھنڈ کے فوج کی لام بندی کا بمقام رڑکی حکم ہوا، چنانچہ جناب مسٹر الگزندر شکسپیئر صاحب بہادر صاحب کلکٹر اور مجسٹریٹ ضلع بجنور اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ ضلع بجنور رڑکی میں تشریف لائے اور باقی عملہ اور رئیسان ضلع بجنور جو گنگا پار تھے حسب تفصیل ذیل اور بتواریخ مختلف رڑکی میں پہنچے -

سید احمد خان صدر امین بجنور ۲۱ فروری
مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ ۲۱ فروری
کیسری سنگھ مہاجن گنج آسکین ۲۱ فروری
عملہ کلکٹری و فوجداری ۲۱ و ۲۲ فروری
چودھری بدھ سنگھ و چودھری مہاراج سنگھ رئیسان ہلدور ۲۲ فروری
گلاب سنگھ زمیندار شیر کوٹ ۲۲ فروری
امراؤ سنگھ پسر رائے ہمت سنگھ رئیس ساہن پور ۲۲ فروری
چودھری نین سنگھ رئیس بجنور ۲۳ فروری

۲۳ فروری	پران مکھ اور خوشحال چند بشنوتیان نگینہ
۲۴ فروری	محمد رحمت خان صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر
۲۴ فروری	چودھری پرتاپ سنگھ رئیس تاجپور
۲۵ فروری	چودھری امراؤ سنگھ رئیس شیرکوٹھ مع خوشحال سنگھ
۲۶ فروری	چودھری جودہ سنگھ رئیس بجنور
۳ مارچ	میر قاسم علی تحصیلدار چاند پور
۱۸ مارچ	سید تراب علی تحصیلدار بجنور
۲۲ مارچ	پنڈت کالکا پرشاد منصف نگینہ

ناعمود خان کا نسبت تقسیم ملک کے نیا انتظام اور ولی عہد مقرر کرنا

یہاں تو لام بندی فوج کی واسطے انتظام روہیل کھنڈ کے ہو رہی تھی اور بجنور میں بیوقوف اہنے تئیں

مالک ملک کا جان کر تقسیم ملک اور انتظام ولی عہدی میں مصروف تھے۔ جو تقسیم کہ پہلے ہوئی تھی اس کا منشاء ناعمود خان یہ سمجھا تھا کہ تحصیل نگینہ اور دھام پور اور چاند پور کا مالک غضنفر علی خاں اس کا بیٹا رہے گا حالانکہ برخلاف اس کی توقع کے ماڑے خاں تھا اس کا مالک ہو گیا اور سب کو بے دخل کر دیا۔ اس سبب سے دوبارہ باہم باغیوں کے نزاع پیدا ہوا اور واسطے رفع اس نزاع کے سب لوگ نجیب آباد میں جمع ہوئے اور از سر نو انتظام ملک کا عمل میں آیا اور جو رو بکاری اس جدید انتظام کی بابت لکھی گئی تھی اس کی نقل ہم بجنسہ اس مقام پر لکھتے ہیں۔ اگرچہ اس رو بکاری پر تاریخ نہیں ہے مگر تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بائیسویں فروری سنہ ۱۸۵۸ء کو یہ رو بکاری لکھی گئی۔ اس وقت میں کہ سب باغی آپس کے رفع نزاع میں مشغول تھے۔ سید تراب علی تحصیلدار بجنور جو نگینہ میں باغیوں کے ہاتھ میں پھنس گئے تھے باعانت مولوی محمد علی اور میر اشرف علی رئیس

نگینہ جو انجام تک خیرخواہ سرکار رہے نگینہ سے نکل آئے ۔

نقل روبکار تقسیم ملک اور تقرر ولی عہد	”رویکار بہ اجلاس امیر الدولہ ضیاء الملک ذوی القدر نواب

محمد محمود خان بہادر مظفر جنگ مرقوم ۔

جو کہ آج کی تاریخ میں ہم کو انتظام کرنا مالی و ملکی ضلع نجیب آباد کا ساتھ اس وجوہ کے پر ضرور ہوا کہ ہم نے اپنی طرف سے جو اختیارات اپنے تھے وہ کل اختیارات برخوردار محمد احمد اللہ خان کو دیے ۔ تشریح ان اختیارات کی یہ ہے کہ برخوردار مذکورہ الصدر کو اختیار ہے کہ پیشگاہ اپنے سے احکامات موقوف و بحالی محکمہ نظامت و فوجداری اور نیز فوج میں اجراء کریں ۔ چنانچہ اسی سبب سے خرچ جیب خاص اپنی کا مبلغ آٹھ ہزار روپیہ مقرر کر لیے اور اسی میں خاندان نواب محمد کو خان و نواب محمد ملہو خان مرحوم اور ملازمین بچ بھی آگئے اور جو کہ برخوردار غضنفر علی خان کو اولاد اکبر اپنا سمجھ کر ولی عہد گردانا اور ہزار روپیہ مشاہرہ واسطے اصراف لابدی اس کے مقرر کیے ۔ تاہن حیات ہماری اس کو معاملات ملکی و مالی یا اجرائے احکامات میں کسی طرح کی مداخلت نہ ہوگی اور اسی طور سے مشاہرہ اولاد اپنی اور والدہ اور جملہ خاندان نواب محمد سلطان خان مرحوم و نواب مرتضیٰ خان خلف نواب افضل خان مرحوم مقرر کیا کہ تفصیل اس کی بیچ تحت روبکار کے مندرج کی جاتی ہے اور سابق میں ہم نے ایک اقرار نامہ کہ جس کا مضمون بتاریخ انیسویں شوال سنہ ۱۲۷۳ ہجری در باب اولاد نواب محمد سلطان خان مرحوم و نواب مرتضیٰ خان خان خلف نواب افضل خان بہادر مرحوم کے تحریر کیا ہے وہ جائز و برقرار رہے گا اور دوجہ نیل فوج کے بہ تحت برخوردار نور چشم محمد احمد اللہ خان بہادر کے کیے گئے ایک برخوردار محمد شفیع اللہ خان بہادر کہ جو فوج ماتحت برخوردار

محمد احمد اللہ خاں بہادر کے تھی اور ایک چودھری امام بخش - چنانچہ چودھری امام بخش سے بیچ اس ملک کے بہت کار نمایاں ہوئے ہیں تو اس نظر سے چودھری مذکور الذکر کو فرزندگی اپنی میں لے کر بطور عطیہ جاگیر پرگنہ شیر کوٹ میں انیس ہزار روپیہ کی نسلۂ بعد نسلۂ مرحمت کی - برخوردار محمد احمد اللہ خاں کو چاہیے کہ پیشگاہ اپنے سے فہرست دیہات تحصیلدار شیر کوٹ سے طلب کر کے حضور میں بھیج دیں کہ تجویز مناسب عمل میں آوے گی - سند چودھری مذکورۃ الصدر کو دی جاوے گی اور اگر خواستہ ایزدی سے بعد انتظام ملک میان دو آب کے کل پرگنہ شیر کوٹ کا نسلۂ بعد نسلۂ عطا کیا جاوے گا - اس میں کچھ شک و شبہ نہ ہوگا اور مشاہرہ جرنیل کا کہ جو فوج اس کے پاس ہے اس پر چھ سو روپیہ مقرر کیا اور برخوردار احمد یار خاں جو سابق سے سپہ سالار مقرر ہیں ہر دو فوج کے سپہ سالار رہیں گے اور سپہ سالار مذکورہ رتبہ جرنیلی سے زیادہ رکھتے ہیں اور قواعد فوج کا یہ قرار پایا کہ جو جرنیل کہ کمان پر جاوے ہر روز بطرز روزنامہ پاس سپہ سالار کے بھیجتے رہیں اور سپہ سالار کو یہ لازم ہے کہ رپورٹ اپنی بترسیل اصل عرضی کے مع مثل خدمت میں برخوردار محمد احمد اللہ خاں کے واسطے صدور حکم اخیر کے بھیجتے رہیں اور جو مقدمات کہ خفیف ہیں اس میں جرنیلوں کو اختیار رہے کہ بعد انفصال مقدمہ کے اطلاع سپہ سالار کو دیا کریں اور سپہ سالار بموجب قاعدہ مذکورہ بالا کے خدمت برخوردار موصوف کے مرسل رکھا کریں اور برخوردار مذکور نقشہ ماہواری کا حضور میں بھیجتے رہیں تو اس صورت میں لازم بل الزم یہ امر ہوا کہ برخوردار محمد احمد اللہ خاں اقرار نامہ اس مضمون کا تحریر کر دیں کہ جیسے عہد نواب نجیب الدولہ بہادر

مرحوم میں نواب سلطان خاں بہادر مرحوم کا تھا اسی طرح سے برخوردار مذکور کار بند رہے۔ اس میں کچھ تجاوز و تفاوت نہ لائیں اور برخوردار مذکور کو مسند نشینی ہماری اور ہماری اولاد سے کچھ دعویٰ نہیں ہوگا۔

تفصیل تنخواہ خاندان و جیب خاص - ۱۵۰۲۰

محمد غضنفر علی خاں بہادر ولیعہد - ۱۰۰۰ - معظم علی خاں بہادر - ۵۰۰ - والدہ صاحبہ - ۲۰۰ - صاحبزادی صاحبہ - ۱۰۰ - بیگم صاحبہ - ۳۰۰ - ۵۵ شیرہ صاحبہ - ۷۰ - نواب جلال الدین خاں بہادر - ۱۰۰۰ - نواب محمد عظمت اللہ خاں بہادر - ۶۰۰ - احمد اللہ خاں صاحب - ۱۰۰۰ - (بوجہ خاندان - ۵۰۰ - بوجہ کار سرکار - ۵۰۰) محمد شفیع اللہ خاں صاحب - ۴۰۰ - (بوجہ خاندان - ۲۰۰ - بوجہ کام کے - ۲۰۰) احمد یار خاں صاحب سپہ سالار - ۴۰۰ - (بوجہ خاندان - ۲۰۰ - بوجہ کام کے - ۲۰۰) عبدالرحمن خاں صاحب - ۲۰۰ - (بوجہ خاندان - ۱۵۰ - بوجہ کام - ۵۰) - مصطفیٰ خاں صاحب - ۲۰۰ - (بوجہ خاندان - ۱۵۰ - بوجہ کام کے - ۵۰) حبیب اللہ خاں صاحب بخشی فوج - ۲۰۰ - (بوجہ خاندان - ۱۵۰ - بوجہ کام کے - ۵۰) حفیظ اللہ خاں صاحب - ۲۰۰ - (بوجہ خاندان - ۱۵۰ - بوجہ کام کے - ۵۰) عباد اللہ خاں صاحب - ۲۰۰ - (بوجہ خاندان - ۱۵۰ - بوجہ کام کے - ۵۰) عزیز اللہ خاں صاحب - ۲۰۰ - (بوجہ خاندان - ۱۵۰ - بوجہ کام کے - ۵۰) کریم اللہ خاں صاحب - ۲۰۰ - (بوجہ خاندان - ۱۵۰ - بوجہ کام کے - ۵۰)

لہذا حکم ہوا کہ

احکامات مندرجہ متن روبکار ہذا حسب ضابطہ بنام تحصیلداران و تہانہ داران حالات ضلع نجیب آباد و بنام سپہ سالار و بنام جرنیل

برخوردار محمد شفیع اللہ خاں و بنام جرنیل چودھری امام بخش کے جاری ہوں کہ موافق اس کے کار بند ہوں اور ایک نقل روبکار ہذا پاس برخوردار محمد احمد اللہ خاں بہادر کے بھیجی جاوے کہ حسب منشاء روبکار ہذا کے کار بند ہوویں اور اشتہارات واسطے آگاہی خاص و عام مشہر کیے جاویں۔“

اراضی مضبوطہ عہد سرکاری کے معافی کے اشتہارات جو باغیوں نے جاری کیے	جب کہ ناعمود خاں کو فراہمی فوج کی بہ مقام رڑکی خبر پہنچی تو اس نے یہ بات چاہی کہ

کسی طرح رعایا اس ضلع کو بھی ورغلا کر لڑائی میں اپنے ساتھ شریک کیا جاوے۔ اسی خیال سے اس نے تیسویں فروری سنہ ۱۸۵۸ء کو حکم دیا کہ اراضیات معافی جو سرکار میں ضبط ہوئی ہیں ان کی نصف جمع معاف ہو اور جو معافی دار کہ ہمارے ساتھ بمقابلہ انگریزان گنگا پار اترے اس کی کل جمع معاف ہو۔ ظاہر ہے کہ اس اشتہار نے ضلع میں کچھ تاثیر نہیں کی کیونکہ بہت جلد یعنی چوتھی مارچ سنہ ۱۸۵۸ء کو اس نے دوسرا اشتہار متضمن معاف کرنے کی کل جمع اراضیات معافی سابق کے جاری کیا۔ مگر ہماری رائے میں اس پر بھی رعایا اس ضلع میں سے بجز ان لوگوں کے جو ملازم نواب تھے اور کوئی سرکار کے مقابلہ پر نہیں آیا بلکہ ملازمین میں سے بھی بہت لوگ جان چھپا کر بھاگ گئے۔ چنانچہ ہم اس مقام پر چوتھی مارچ سنہ ۱۸۵۸ء کے اشتہار کو پچنسہ نقل کرتے ہیں کہ اس میں پہلے اشتہار کا مضمون بھی بلفظہ مندرج ہے۔

نقل اشتہار باغیان در باب معافی	اشتہار کچھری نظامت ضلع

نجیب آباد اجلاس محمد احمد اللہ خاں صاحب بہادر واقعہ ۴ مارچ

”رویکار مورخہ ۲۳ فروری سنہ ۱۸۵۸ء اجلاس نواب محمد محمود خان صاحب بہادر بدین خلاصہ کہ سابق میں واسطے معافی نصف جمع اراضی ملک معافیات ضلع کے اشتہار عام جاری کیا گیا تھا اور واسطہ معافی نصف دیگر کے یہ حکم تھا کہ جو معافی دار شامل قتل کفاران بہ مقام گنگا پار ہمراہ لشکر کے ہووے گا اور سرکار سے سند حاضری کی اس کو ملے گی بذریعہ اس سند کے مستحق معافی کا ہوگا اور اگر شہید ہو جاوے گا تو وارثان اس کے کو معافی ہوگی اور اب حضور کو بنظر ترحم اور افلاس معافی داران کے مناسب متصور ہوا کہ معافیات کل معاف کی جاویں اور ایک فہرست جملہ معافیات بہ قید اراضی معافی اور نام معافی داران ہر ایک تحصیل سے طلب ہووے اور ہر ایک معافی دار سے بقدر حیثیت اس کے اقرار نامہ اس مضمون کا لیا جاوے کہ جس وقت سرکار کو ضرورت ہووے تو ہمراہ لشکر آدمی مسلح واسطہ امداد کے دیا کرے صادر ہوئی۔ لہذا یہ اشتہار واسطہ آگاہی خاص و عام کے جاری ہوتا ہے کہ جن معافی داران کو دعویٰ معافیات کرانے اپنی معافی کا ہے وہ میعاد پندرہ یوم کے سامنے حضور کے جہاں لشکر ہو حاضر ہو کر عرضی اپنی حاضری کی گزارنے۔ اس وقت تحقیقات مراتب مذکورہ کی ہو کر در صورت استحقاق حکم معافی کا دیا جاوے گا۔

ان اشتہارات کے بعد احمد اللہ خان اور اس کے صلاح کاروں نے	تفصیل باغیوں کی فوج کی بقید مقامات جہاں متعین تھی

ہر ایک مقام پر جہاں جہاں سے سرکاری فوج کے اترنے کا احتمال تھا کچھ کچھ فوج متعین کی۔ ایک مقام سے دوسرے مقام پر ادلی بدلی ہوتی رہتی تھی مگر جب فوج سرکاری اس ضلع میں اتری ہے

اس وقت جس جس مقام پر جس جس قدر فوج موجود تھی اُس کی تفصیل اس مقام پر لکھی جاتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تفصیل بالکل صحیح اور حقیقی ہے مگر جہاں تک ممکن ہوا ہے تحقیقات کر کے لکھا گیا ہے۔

فہرست فوج باغیان

نمبر	سپاہ پیادہ			سپاہ سوار			نام افسران	نام مقام
	میزان	تعداد	نام غول	میزان	تعداد سواران	نام رسالہ داران		
۱		۳۰۰۰	احمد اللہ خان		۵۰	عطاء اللہ خان	احمد اللہ خان	آنبہ سورت
		۷۰۰	شفیع اللہ خان		۷۰	نیاز احمد خان	شفیع اللہ خان	
		۱۰۰۰	از ہر راہیان مارے		۳۰	قلندر علی خان		
					۷۵	شیخ نجف علی		
					۲۵	قادر بیگ		

نام مقام	نام افسران	سپاه سوار			سپاه پیاده			تعداد توپ
		نام رساله داران	تعداد سواران	میزان	نام غول	تعداد	میزان	
نجیب آباد	عمود خان مصطفی خان حفیظ الله خان کریم الله خان عزیز الله خان	عمود خان غیر خان جمدار	۱۰۰		اردلی عمود خان	۱۰۰۰		
نانگل	عظمت الله خان کن خان عبدالرحمن خان حبیب الله خان	میزان	۵۰	۱۰۰		۱۰۰۰	۱۰۰۰	۱۰
								۳

دارانکر	ہمارے خان	سواران رجمنٹ	۶۰	۷۰	ہمراہیان ماڑے	۳۰۰۰
	قاضی عنایت علی دلیل سنگھ گوجر	دیکر ہمراہیان	۵۰		سنگھ گوجر	۵۰۰
		قاضی عنایت علی	۳۰۰			
		سواران ماڑے	۷۰			
	گوجران ہمراہیان دلیل سنگھ	میزان		۶۹۸		۳۵۰۰
	تھو خان	نظام علی خان	۷۰		ہمراہیان تھو	۱۵۰
		غلام محمد خان			خاں ماڑے	
		عرفہ گمی خان نائب			از ہمراہیان ماڑے	۵۰۰
		میزان		۷۰		۶۵۰
				۱۵۲۶		۱۲۵۵۰
	میزان کل					۳۰

۲
۳۸
جرائل

۳۵۰۰

۶۹۸

۷۰

میزان

تھو خان

افشل گروہ

میزان

میزان کل

۳۰

۱۲۵۵۰

۱۵۲۶

میزان کل

جنرل جونس صاحب بہادر کا
رڑکی میں پہنچنا

یہاں تو نواب نے ہر طرح سے
ناکہ بندی کر رکھی تھی اور

ادھر سرکاری فوج بمقام رڑکی جمع ہوئی تھی کہ دفعۃً تیرھویں
اپریل سنہ ۱۸۵۸ء کو جنرل جونس صاحب بہادر اس فوج کے
کمانڈر مقرر ہو کر رڑکی میں داخل ہوئے اور میجر چرچل صاحب
بہادر کو حکم دیا کہ کنکھل میں جا کر پُل جو تیار ہوتا ہے
اُس کی حفاظت کریں اور میجر اسماعیل صاحب بہادر کو حکم ہوا
کہ بڑی توپیں اور لڑائی کا سامان نانگل کے گھاٹ کے سامنے لے جا
کر غنیم کو اس طرح پر دکھلائیں کہ گویا پایاب پانی میں
ہو کر دریا کے پار اترتے ہیں۔

پہل کشتیوں کا شیشم والی
گھاٹ پر بندھنا اور کچھ فوج
سرکاری کا پار اترنا اور رڑکی
سے لشکر کا کوچ ہونا

چودھویں اپریل سنہ ۱۸۵۸ء
کو کپتان ڈریمنڈ صاحب بہادر
افسر کان انجینیئر اور کپتان
برن لو صاحب بہادر انجینیئر دو

توپیں ہاتھیوں پر رکھ کر مع ایک کمپنی گورہ اور ایک کمپنی
سکھ آٹھ بجے کے قریب موضع کنکھل سے بمقام گھاٹ شیشم والی
گنگا پار اتر گئے اور مورچہ لگا دیے۔ غنیم کی طرف سے کوئی مقابل
نہیں ہوا، تخمیناً دو سو آدمی جو وہاں متعین تھے وہ بھاگ گئے۔
پندرھویں تاریخ تک پُل کشتیوں کا بخوبی تیار ہو گیا، اور اسی
تاریخ کل لشکر کا رڑکی سے کوچ ہوا اور گنگا کا نالہ اتر کر پُل
کے پاس مقام ہوا، اور سولہویں تاریخ کو کل لشکر کا تو وہیں
مقام رہا مگر توپ خانہ اور ملتانی رسالہ اور کوک صاحب کی
پلٹن پار اتر گئی۔

اسی تاریخ میجر اسماعیل صاحب بہادر نے اپنے لشکر کو گنگا
کے کنارہ پر بڑھا کر اُسی کنارہ سے غنیم کے لشکر پر توپیں ماریں

اور ادھر سے بھی توہیں چھوٹیں اور پھر اپنی فرودگاہ پر واپس آئے۔

آنبہ سوت کی لڑائی اور سرکار
کی فتح

سترہویں تاریخ کو اسی طرح
میجر اسماعیل صاحب بہادر نے

پھر گنگا کے کنارہ پر آن کر توپ چلائی اور اسی تاریخ کو تمام لشکر نے مقام فرودگاہ متصل پُل سے حسب انتظام مندرجہ حاشیہ ۱ کوچ کیا اور پُل کو اتر کر آنہ سوت کی طرف چلا ، یہ رستہ مشکل تھا اور دونوں طرف سڑک کے جنگل ھے ، بعضی جگہ بہت گھنا ھے اور کہیں کم ھے ، جبکہ کپتان ڈریمنڈ صاحب بہادر نے گنگا کے پار مورچہ لگایا تھا تو احمد اللہ خاں دارا نگر میں تھا ، اُس کو خبر پہنچی کہ دو انگریز اور تھوڑی سی فوج پار اتر آئی ھے اس لیے اُس نے دارا نگر سے آنہ سوت پر کوچ کیا اور ماڑے کے لشکر میں سے ہزار سپاہی اور کچھ سوار اپنے ساتھ لے کر سولہویں تاریخ کو آنہ سوت پر پہنچا ، اور سترہویں کو اُس نے بھی آنہ سوت سے گنگا کی طرف کوچ کیا تھا ، جب ہماری فوج

۱۔ ہراول - ۶۔ ہلٹن رائفل کی ایک کمپنی جو محاربہ متفرقہ کے لیے

تجویز ہوئی تھی۔

۶. رائفل کی ایک کمپنی جو دو ضرب توپ کی محافظت

کرتی تھی -

میپیر اور مینیر اور ایک رسالہ سواران -

قلب لشکر - ایک رسالہ سواران اور توپخانہ کپتان آسٹن صاحب بہادر

۶. پلٹن وائفل مع پنجابی ہیدل کا برگٹ۔

ایباب حرب اور خزانہ مع سواران رسالہ ملتانى ۔

(شکر کا عقب - ایک کمپنی پیادگان پنجابی اور ایک رسالہ سواران -

لشکرِ قلب کے دونوں طرف ایک ایک کہنی پیادگان

ہندوستانی اور آدھی آدھی کمپنی سواران متعین تھیں۔

پیلی ندی پر چھ میل راہ چل کر پہنچی تو فوج ہراول کو معلوم ہوا کہ غنیم یہاں موجود ہے۔ میجر مٹر صاحب بہادر نے کمال دانائی اور چستی سے ایک بلند جگہ پر رائفل پلٹن کی ایک کمپنی متعین کی اور سواران اور توپ خانہ کو آگے بڑھا کر سرحد موضع شام پور قریب رسیا بڑ کے لڑائی شروع کی۔ اسی وقت جنرل جون صاحب بہادر نے حکم دیا کہ کپتان کیورٹین صاحب بہادر کا رہالہ اور کپتان اسٹن صاحب بہادر کا توپخانہ لشکر کے آگے دوڑایا جاوے اور پیادہ صف باندھ کر غنیم کے قیام گاہ پر بڑھیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ احمد اللہ خاں دارا نگر سے خبر سن کر آنہ سوت پر آیا، درحقیقت اس کا ارادہ چھاپہ مارنے کا تھا لیکن وہ اس ارادہ سے ناامید ہوا اور سرکاری توپ خانہ اور رائفل کی پلٹن اور ملتانی رسالہ نے غنیم پر ایسی آگ برساتی کہ وہ بالکل سراسیمہ ہو گئے۔ اُس وقت جنرل جون صاحب بہادر نے دفعۃً سواروں اور توپ خانہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور کپتان کیورٹین صاحب نے ہر مقام پر غنیم پر یورش کی اور شراپیل کا گولہ برابر غنیم پر پڑنے لگا۔ دشمن بھاگ نکلا اور بجز چند توپوں اور ہندو قوں کے فیر کرنے کے اُس سے اور کچھ نہ ہو سکا، خاص آنہ سوت پر جو بہت مشکل اور مورچہ کے لیے بہت عمدہ جگہ تھی اور غنیم نے بہت مدت سے یہاں مورچہ درست کیا تھا اُس کو بھی چھوڑ کر بھاگ گیا، یہاں تک کہ سینکڑوں آدمی جوتیاں اور وردی کے کپڑے اور اپنے ہتھیار پھینک کر بھاگے، تمام جنگل اور سڑک پر ہتھیار بکھرے ہوئے تھے اور ہر قدم پر لاش پڑی تھی۔ میں جو لشکر محارب کے پیچھے پیچھے چلا آتا تھا قصداً لاشوں کو دیکھتا تھا کہ شاید کوئی شناخت میں آوے مگر کوئی نامی آدمی نہیں مارا گیا۔ البتہ دو لاشیں تلنگان

تمک حرام کی نظر پڑیں اور میری دانست میں تخمیناً تین سو ساڑھے تین سو آدمی غنیم کا مارا گیا اور سرکار کی طرف بجز ایک آدمی کے اور کسی کا نقصان نہیں ہوا ، چار توپیں دشمنوں کی اور تمام اسباب میگزین اور ڈیرہ و خیمہ جو آبنہ سوت پر کھڑا ہوا تھا سب چھین لیا مگر دو توپیں غنیم کے آدمی لے کر نجیب آباد بھاگ گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد لشکر وہاں سے آگے بڑھا اور موضع بھاگوالہ پر پہنچ کر مقام کیا ۔ یہاں سے آٹھ میل نجیب آباد اور آٹھ میل نانگل تھی ۔

بعد شکست کھانے احمد اللہ خاں مع چند سواروں کے جدا بھاگا اور شفیع اللہ خاں مع چند سواروں کے جدا بھاگا اور بہت سے سوار و پیادہ سیدھے نجیب آباد کو بھاگے اور کچھ نانگل کی طرف گئے اور اکثر آدمی جوتیاں اور ہتھیار اور وردی پھینک کر جنگل میں چھپ گئے ، جب اس مقام پر لڑائی ہو رہی تھی اور اس سے تھوڑی دیر پہلے میجر اسماعیل صاحب بہادر نے نانگل کی طرف سے دشمن پر گولے مارے تھے جو فوج دشمن کی نانگل پر متعین تھی وہ بھی سراسیمہ ہو گئی تھی اور بہت سے بھاگ نکلے تھے کہ اس عرصہ میں شفیع اللہ خاں بھاگا ہوا نانگل میں پہنچا اور اس کے تھوڑی دیر بعد احمد اللہ خاں پہنچا اور یہ سب مل کر نجیب آباد آئے اور اسی وقت بھاگنے کی تیاری کی ۔ پانچ بجے تک جملہ باغیان نجیب آباد سے بھاگ گئے ، دو ضرب توپ جو آبنہ سوت سے بھگا کر لائے تھے اور چار ضرب توپ جو نانگل سے بھگا کر لائے تھے اور ایک ضرب توپ جو خاص نامحمود خاں کی اردلی کی تھی ان توپوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور چودھری رندھیر سنگھ اور کرائی صاحب مہتمم تار برق کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اور نجیب آباد کی تمام رعایا شہر سے نکل گئی اور شہر بالکل خالی ہو گیا ۔

نانگل کے گھاٹ سے سرکاری فوج کا اترنا | اسی تاریخ جنرل جون صاحب کو خبر پہنچی کہ نانگل سے بھی غنیم اپنے خیموں کو استادہ چھوڑ کر بھاگ گیا ، اسی وقت میجر اسماعیل صاحب کو حکم دیا کہ بھاری توپیں اور سامان حرب گنگا کے پار اتاریں چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی اور میجر اسماعیل صاحب کا توپخانہ اور پہلا پنجاب رسالہ مع بھاری توپوں کے پایاب گنگا اتر آیا اور رات کے وقت میجر ہوس صاحب بہادر نانگل سے اس لشکر میں آئے اور ملاقات کر کے اپنی فرودگاہ کو پھر گئے ۔

نجیب آباد ہر سرکار کی چڑھائی اور سرکاری فتح | اٹھارہویں تاریخ کو اسی قاعدہ سے لشکر کا کوچ بھاگووالہ سے نجیب آباد ہوا ، جب لشکر قریب مالن ندی کے پہنچا تو غنیم کی طرف سے تین آواز توپ کی آئی ۔ کچھ شک نہیں ہے کہ سردار باغیوں کے بالکل بھاگ گئے تھے اور تمام شہر خالی پڑا تھا ، مگر کچھ سپاہی پتھر گڈھ کے قلعے میں تھے ، جب انہوں نے بھاگنا چاہا تو توپیں چھوڑ دیں تاکہ ان کو بھاگنے کی فرصت نہ ملے ۔

جنرل جون صاحب بہادر نے اسی وقت برگیڈیر کوک صاحب کو حکم دیا کہ آگے جاویں ، چنانچہ صاحب ممدوح آگے بڑھے ، شہر بالکل خالی پڑا تھا ، جب قلعہ پتھر گڈھ کی طرف بڑھے تو کچھ باغی قلعہ میں سے بھاگتے دکھائی دیے ۔ ان کے تعاقب میں سواروں نے گھوڑے ڈالے اور تیس آدمی ان کے مارے ۔ شہر اور قلعہ بالکل فتح ہو گیا اور سرکار دولت مدار کے قبضہ میں آ گیا ، قلعہ میں سے چھ ضرب توپ اور گولہ اور سامان حرب اور

شہر میں سے دو توپیں ایک احمد اللہ خاں کے دروازہ پر سے ، ایک آس کارخانہ میں سے جہاں توپیں بنتی تھیں اور ایک شہر اور قلعہ کے بیچ میں جو میدان ہے وہاں سے سرکار دولت مدار کے ہاتھ آئیں شہر نجیب آباد کا لٹ گیا اور تمام شہر میں بکثرت آگ لگ گئی ۔

شہر نجیب آباد میں آگ کا لگنا | نہایت افسوس ہے کہ ہارنے حکام کو اس طرح سے شہر کا جلانا منظور نہ تھا شاید اتفاقیہ آگ لگی اور بسبب اس کے کہ شہر خالی پڑا تھا اور پانی بھی وہاں بہت کم باب ہے آگ کے بجھانے کا کچھ علاج نہ ہوا ، مگر عموماً یہ بات مشہور ہوئی کہ ہندوؤں نے جن کے گھر نواب نے جلا دیے تھے اس فرصت کے وقت کو غنیمت سمجھ کر قصداً تمام شہر میں آگ لگوا دی اور جو ریخ کہ ان کے دلوں میں تھا ، اس کا بدلہ بخوبی نکال لیا اور کچھ شک نہیں کہ ایسا ہی ہوا ۔

قلعہ پتھر گڈھ کا حال | مناسب ہے کہ قلعہ پتھر گڈھ کا بھی کچھ تھوڑا حال لکھوں ۔ نجیب خاں نے سنہ ۱۷۵۵ء میں یہ قلعہ بنایا ۔ سنہ ۱۷۵۸ء میں نجیب خاں سے اس قلعہ پر لڑائی ہوئی ۔ جھنکوراؤ سیندھیا اور ملہار راؤ مرہٹے نے چانڈی کے متصل گٹو مکھ گھاٹ سے اتر کر نجیب آباد کو اور اس قلعہ کو لوٹا تھا ، پھر شاہ عالم کے وقت میں ضابطہ خاں پر نواب نجف خاں اور سیندھیا اور ٹکوجی مرہٹے نے چڑھائی کی اور پتھر گڈھ پر توپیں ماریں اور لوٹ لیا ۔ پھر سنہ ۱۷۷۴ء میں شجاع الدولہ نے اس قلعہ پر تسلط کیا پھر سنہ ۱۸۰۱ء میں سرکار دولت مدار انگریزی کا اس ملک پر تسلط ہوا پھر سنہ ۱۸۰۵ء میں امیر خاں نے اس نواح میں غدر مچایا اب سنہ ۱۸۵۸ء میں ان نمک حراموں

نے اس خاندان کا نام نشان مٹا دیا ۔

انیسویں تاریخ کو خبر ملی کہ جلال الدین خان بھائی محمود خان کا اور سعد اللہ خان جو پہلے	جلال الدین خان اور سعد اللہ خان کا گرفتار ہونا اور مارا جانا

منصف امر وہ تھا کوٹ قادر میں ہیں ۔ اسی وقت جناب صاحب کلٹر بہادر اور میجر اسماعیل صاحب بہادر کچھ سوار ساتھ لے کر آن کی گرفتاری کو گئے مگر پہنچنے سے پہلے آن دونوں نے اپنے تئیں ملتانی سواروں کے حوالے کر دیا تھا چنانچہ وہ دونوں گرفتار ہوئے اور گوروں کے پیرہ میں مقید ہوئے اور یسویں تاریخ سے آن کا کورٹ شروع ہوا اور بعد ثبوت جرم کے جنرل جون صاحب بہادر کے حکم سے نور پور کے مقام ۲۳ تاریخ کو گولی سے مارے گئے ۔

یسویں اپریل سنہ ۱۸۵۸ء کو یہ تجویز ہوئی کہ مکانات	باغیوں کے مکانات حکومت کا اڑانا

نامحود خان اور جلال الدین خان جو ان کی سرداری اور حکومت کے نشان ہیں اڑا دیے جاویں تاکہ سرکار کی کمال ناراضی آن پنشن دار نمک حراموں سے ظاہر ہو اور لوگوں کو بخوبی عبرت ہو ، چنانچہ اسی تاریخ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور دیوان خانہ جو بہت بڑا مکان اور حکومت کی جگہ تھی اڑا دیا گیا ۔ اسی تاریخ یہ تجویز ہوئی کہ ایک کمپنی سکھ اور توپخانہ اسی تحت حکومت میجر اسماعیل صاحب بہادر اور اول پنجاب رسالہ تحت حکومت کپتان ہوس صاحب بہادر پتھر گڈھ میں رہے اور جناب مسٹر جارج ہامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ انتظام نصف شالی ضلع کا اپنے ذمہ لیں ، چنانچہ صاحب ممدوح ہمراہ آس فوج کے بمقام نجیب آباد مقیم رہے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر نے مجھ صدر امین کو حکم دیا کہ تم بھی جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ

بہادر کی خدمت میں حاضر رہ کر ان کی اطاعت میں کام کرو، چنانچہ میں نے اس حکم کی تعمیل کی اور صاحب ممدوح کی تابعداری میں حاضر رہا۔

نکینہ پر باغیوں کا جمع ہو جانا
اور رندھیر سنگھ کی رہائی

جب یہ باغی نجیب آباد سے بھاگے ہیں تو نکینہ ہوتے ہوئے دھامپور گئے اور رستہ میں احمد اللہ خاں نے چودھری رندھیر سنگھ کو اپنی قید میں سے چھوڑ دیا اور وہ باعانت زمینداران پورینی نجیب آباد میں پہنچے اور لشکر میں شامل ہوئے، نکینہ والے بھی شہر کو خالی کر کے بھاگ گئے۔ جب حرامزادہ ماڑے نے دارا نگر میں خبر سنی کہ فوج سرکاری نجیب آباد میں داخل ہوگئی تو اس نے سرکار کے مقابلہ کا ارادہ کیا اور دارا نگر سے مع اپنی تمام فوج کے براہ بجنور نکینہ کو آیا اور بجنور میں ہردیال جاٹ کو قتل کیا اور چند ہندوؤں کو گرفتار کر کے نکینہ لے آیا، اور نکینہ کے باغوں میں مورچے قائم کیے اور احمد اللہ خاں کے بلانے کو سوار بھیجے اور جتنی فوج کہ متفرق ہو گئی تھی اور جتنے باغی فرار ہوئے تھے سب کو بلا کر جمع کیا، چنانچہ سب باغی یعنی ماڑے خاں اور قاضی عنایت علی اور دلیل سنگھ گوجر اور احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں اور حبیب اللہ خاں اور کلن خاں اور نتھو خاں متعینہ افضل گڈھ کل اپنی جمعیت اور توپوں کو لے کر بمقام نکینہ جمع ہوئے۔ مگر نامحمد خاں نکینہ پر نہیں آیا بلکہ سیوہارہ میں جا کر مع ایک ضرب توپ اور کچھ سواروں کے مقیم ہوا۔ اور بیسویں تاریخ رات کے وقت جناب صاحب کلکٹر بہادر کو بذریعہ مخبروں کے جو جناب ممدوح نے مقرر کر رکھے تھے مفصل خبر غنیم کے ہر ایک مورچہ اور توپوں کی تعداد کی نجیب آباد میں پہنچی اور میر اشرف علی ساکن نکینہ نے جو نواح

نگینہ میں موجود تھا اور سرکار کے خیر خواہوں میں ھے مفصل حالات کی عرضی بحضور جناب صاحب کلکٹر بہادر روانہ کی ۔ غرضکہ جملہ حالات نگینہ کے بخوبی بمقام نجیب آباد دریافت ہو گئے ۔

نگینہ کی لڑائی اور سرکار کی فتح | اکیسویں تاریخ کو فوج کا نجیب آباد سے نگینہ پر کوچ ہوا ۔ اسی ترتیب سے ہراول اور عقب اور یمین و یسار لشکر کا روانہ ہوا ۔ جس وقت کہ لشکر نہر کے پل پر پہنچا جہاں سے نگینہ تین میل رہتا ھے جوانان سپر مینیر نے فی الفور پل پر درختوں کی ٹہنی کاٹ کر ڈالیں اور توپ خانہ اسی اور رائفل کی پلٹن پل پر سے اتر گئی ۔ اس وقت غنیم کے سوار دکھائی دیے ۔ فی الفور ۶ رسالہ ڈرگون اور دو ضرب توپ اور جوانان محاربہ متفرق دائیں ہاتھ کی طرف متعین ہوئے اور سواران ملتانی بائیں ہاتھ پر اور اور توپ خانہ محاصرہ آگے بڑھایا گیا ۔ باغیوں کی طرف سے گولہ چلنا شروع ہوا ۔ سرکار کی طرف سے بھی توپ سر ہوئی ۔ اور ے رائفل کی پلٹن اور پہلی پلٹن پنجابی آگے بڑھی اور سترہ پلٹن اس کی تائید میں رہی ۔ پلٹن پیادگان سکھ نے آگے بڑھ کر باڑ ماری ۔ غنیم سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلا ۔ داہنی طرف سے سرکاری فوج نے بڑھنا شروع کیا اور کپتان کیوڑٹین صاحب بہادر نے ملتانی رسالہ کے سوار ساتھ لے کر بائیں طرف کورخ کیا ۔ غنیم کی فوج بے اختیار بھاگی جاتی تھی اور صدها آدمی مارے جاتے تھے ۔ تمام مورچہ دشمن کے سرکار کے قبضے میں آ گئے ۔ ے پلٹن رائفل اور پہلی پلٹن پنجابی نے یورش کر کے پانچ توپیں غنیم کی ایک مورچہ پر سے چھین لیں اور کپتان بٹ صاحب بہادر نے بمعیت جوانان کاریہ یورش کر کے فوج غنیم کے بائیں طرف سے دو توپیں اور دو جزائل چھین لیں اور ایک توپ ماڑے کے مکان میں سے سرکار کے قبضے میں آئی ۔

جس فوج نے دائیں طرف سے غنیم پر یورش کی تھی اور باغی بھاگے جاتے تھے اس وقت سرکاری فوج متصل پکے باغ کے جو بائیں کے نام سے مشہور ہے پہنچی اس باغ میں کچھ لوگ مسلح شہر سے بھاگ کر آن چھپے تھے اور کچھ باغی بھی بھاگتے وقت گھس گئے تھے۔ منجملہ ان کے عنایت رسول جو نامی باغی اور مشہور اور حرامزادہ تھا مع جان محمد اپنے ملازم کے اس باغ میں گھس گیا تھا۔ جب سرکاری فوج کے چند سوار اس باغ کے قریب پہنچے تو اس نے یا اس کے نوکر نے ان سواروں پر بندوق فیر کی۔ اس وقت یقین ہوا کہ اس باغ میں باغی چھپے ہوئے ہیں۔ سرکاری فوج نے اس باغ میں جا کر قریب پچاس ساٹھ آدمی کے قتل کیا اور ساٹھ ستر آدمیوں کو زندہ پکڑ کر گولیوں سے مار دیا۔ عنایت رسول مع اپنے نوکر کے مارا گیا اور اکثر آدمی قاضی محلہ کے جو اس باغ میں چھپے ہوئے تھے وہ بھی مارے گئے جس قدر عورتیں اس باغ میں سے نکلیں ان سے کسی نے کچھ مزاحمت نہ کی۔

تار برق والہ صاحب کا زندہ ملنا | کپتان کیورٹین صاحب بہادر نے جو ملتان رجمنٹ کے سوار لے کر بائیں طرف گئے تھے چار میل تک باغیوں کا تعاقب کیا۔ موضع مجھیڑہ کے نیچے دھام پور کی سڑک پر چار توپ اور چھ ہاتھی غنیم کے چھین لیے اور جس قدر لوگ ہاتھیوں پر سوار تھے سب کو قتل کیا اور کرانی صاحب مہتمم تار برق جو نا محمود خاں کی قید میں تھا منجملہ انہیں ہاتھیوں کے ایک ہاتھی پر سوار تھے۔ کپتان صاحب صحیح و سلامت اس کو لشکر میں لے آئے۔

جس روز نگینہ میں لڑائی ہوئی ہے اس روز باغیوں کو سرکاری فوج آنے کا یقین نہ تھا اس لیے دلیل سنگھ گوجر باغی مع ایک توپ اور سو سواروں کے رسد لینے کو بڈھ پورہ گیا تھا اور وہاں کے مہاجنوں کو لوٹ کر نگینہ پھرا آتا تھا۔ اس عرصے میں غنیم

کی شکست ہو چکی تھی - جب دلیل سنگھ موضع شریف الملک پور عرف قاضی والے کے پاس پہنچا چند سرکاری سواروں نے اس کا تعاقب کیا اور توپ اس سے چھین لی اور سب سواروں کو مع دلیل سنگھ کے بھگا دیا - اس لڑائی میں پندرہ توپیں اور کل میگزین سرکار کے قبضہ میں آئیں اور ایک توپ جس کو باغیوں نے نیا بنایا تھا اور چھوٹنے کے وقت پھٹ گئی تھی میدان میں سے ٹوٹی پڑی پائی -

جناب کپتان ہوس صاحب بہادر کا بڈھ پور جانا اور سعد اللہ خاں کو مارنا

جس وقت نگینہ پر لڑائی شروع ہونے کو تھی نجیب آباد میں میجر ہوس صاحب بہادر نے اپنے

رجمنٹ کے سوار ساتھ لے کر بڈھ پورہ کو کوچ کیا تھا - اس ارادے سے کہ باغی اس طرف سے بھاگنے نہ پائیں - افسوس ہے کہ صاحب کے پہنچنے سے بہت پہلے دلیل سنگھ بڈھ پورہ سے پھر چکا تھا - میجر صاحب نے بڈھ پورہ کے جنگل میں تلاش کیا تو سعد اللہ خاں سابق تھانہ دار نگینہ جو باغیوں کی طرف سے سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا جنگل میں بھاگتا ہوا ملا اور اسی جگہ مع ایک اور سوار کے مارا گیا -

شہر نگینہ کا انتظام | بہ مجرد فتح ہونے نگینہ کے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر اور جناب اندر سین صاحب بہادر برگٹ میجر مع سپاہیان پلٹن خاکی کے شہر نگینہ میں تشریف لے گئے اور سید تراب علی تحصیلدار کو واسطے انتظام شہر کے اپنے ساتھ لیا اور شہر کی ناکہ بندی کر کے جیسا کہ چاہیے انتظام شہر کا فرمایا اور تین سو آدمی شہر میں سے گرفتار کیے - ان میں سے چون آدمی اسی وقت مارے گئے اور باقیوں نے اسی وقت رہائی پائی - اسی وقت جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر نے مولوی محمد علی رئیس نگینہ کو جو خیرخواہ سرکار تھے تلاش کر کے بلایا اور اپنے لشکر میں

رہنے کا حکم دیا اور جہاں تک ممکن ہوا اُن کے گھر کو بھی لٹنے سے بچایا باقی تمام شہر نگینہ کا شام تک لٹا رہا۔ اس لڑائی میں سرکار کی جانب سے بہت کم نقصان ہوا، مگر افسوس ہے کہ لفٹنٹ کا سٹلنگ صاحب بہادر اس معرکے میں بہت دلاوری سے کام آئے۔

رات کے وقت جناب صاحب کلکٹرو مجسٹریٹ بہادر نے مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ کو بدستور نگینہ کی تحصیلداری پر مامور کیا اور سید تراب علی تحصیلدار بجنور کو حکم دیا کہ تم نگینہ میں ٹھہرو اور تمام تحصیل و تھانہ جات متعلقہ تحصیل نگینہ کا انتظام کرو اور جس قدر کہ آدمی مناسب سمجھو نوکر رکھ لو۔ چنانچہ سید تراب علی نے بخوبی انتظام کیا جس سے حکام بخوبی راضی رہے۔

دھام پور کو لشکر کا کوچ | صبح بائیسویں تاریخ کو لشکر نے نگینہ سے کوچ کیا اور دھامپور پہنچ کر مقام ہوا۔ ایک توپ جو نامحمود خاں کے ساتھ سیوہارہ کی طرف گئی تھی اور وہاں سے بھاگتے وقت رستہ میں رہ گئی تھی اُس کی اطلاع زمینداران موضع گنگا دھر پور پر گنہ سیوہارا نے چودھری پرتاپ سنگھ کو دی۔ انہوں نے اپنے آدمی متعین کر کے اُس توپ کو منگا لیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جملہ باغی اس ضلع سے بھاگ گئے اور مراد آباد کی طرف چلے گئے۔

کل لشکر کا مراد آباد کو کوچ | جو کہ مراد آباد میں فیروز شاہ کرنا آگیا تھا اس لیے تمام لشکر نے

۲۳ تاریخ کو مراد آباد کی طرف کوچ کیا اور جناب مسٹر الگزیٹڈر شکسپیئر صاحب بہادر نے بمقام نور پور تمام ضلع کا انتظام اپنے ذمے لے لیا اور لشکر سے جدا ہوئے۔ جنرل جون صاحب بہادر نے ہمارے جناب صاحب کلکٹر بہادر کی کمال احسان مندی ظاہر کی کہ آپ نے ہم کو بخوبی مدد دی اور بسبب واقفیت ضلع کے خبروں کے پہنچانے اور رسد کے تیار کرنے میں بلا ناغہ آپ نے کمال کوشش کی اور

اُسی وقت جنرل جون صاحب بہادر نے فوج مقیم میراں پور کو جو مقابلہ گھاٹ دارا نگر پایاب کی حفاظت کرتی تھی حکم دیا کہ دریا عبور کر کے بجنور میں داخل ہوں۔ چنانچہ پچیسویں تاریخ کو اُس فوج نے عبور کیا۔

جناب صاحب کلکٹر بہادر نے جس قدر توپیں فتح نگینہ میں ہاتھ آئی تھیں جنرل جون صاحب سے اپنے قبضہ میں لیں اور باوجودیکہ اُس

جناب مسٹر الگزنڈر شکسپیئر صاحب بہادر اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا ہفتہ و فیروزی بجنور میں داخل ہونا

وقت سب فوج کا کوچ مراد آباد کی طرف ہو گیا مگر صاحب ممدوح بہ کمال دانائی و دلاوری سب توپوں کو اپنی حفاظت میں لے کر پچیسویں جون کو بجنور میں داخل ہوئے۔ جس انتظام سے توپیں آئی تھیں ہر شخص اُس کو دیکھ کر تعجب کرتا تھا۔

جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ نے اسی قلیل عرصہ میں نجیب آباد اور کیرت پور اور منڈاور وغیرہ کا بخوبی انتظام کیا اور تھانہ اور تحصیل اور چوکیات بٹھا کر اُسی تاریخ بجنور میں تشریف لائے اور میں بھی ہم رکاب صاحب ممدوح بجنور میں پہنچا اور چھیسویں تاریخ سے کچھری صدر امینی کی کھول دی۔

چھیسویں تاریخ کو فوج مقیم میراں پور اور کپتان سیج صاحب بہادر اور سواران رسالہ پولیس اور اٹھائیسویں تاریخ کو میجر ہوس صاحب بہادر اور میجر اسماعیل صاحب بہادر مع چار ضرب توپ بجنور میں داخل ہوئے۔

اپریل کا مہینہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ جناب مسٹر الگزنڈر شکسپیئر

ضلع میں اس قدر جلد انتظام ہونا نادرات سے ہے

صاحب بہادر اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کی حسن تدبیر

اور سعی و کوشش سے تمام ضلع میں امن ہو گیا۔ تمام ضلع میں تھانہ جات اور چوکیات اور تحصیل قائم ہو گئیں اور ہر ایک جگہ زر مالگذار سرکار تحصیل ہونا شروع ہو گیا۔ یہ وقت بہت نازک تھا کہ رعایا کی تسلی اور باغیوں کی سزا دہی دونوں ساتھ ہوتی تھیں۔ یہ دونوں کام ایسے شائستہ تدبیروں سے انجام پائے کہ ہر ایک کے دلوں پر حکومت اور قوت سرکار کی دھشت ہر دم بڑھتی گئی اور اسی کے ساتھ رعایا تسلی و دلاسا پاتی گئی۔ خیال کرنا چاہیے کہ یہ ضلع بالکل ملا ہوا ہے پہاڑ اور بہت بڑے بڑے جنگلوں سے جبکہ سرکار کی بخوبی عملداری تھی جب بھی اکثر ڈاکو اس میں رہتے تھے۔ اب کہ کثرت باغیان کی اس ضلع میں تھی ایسا خیال میں گزرتا تھا کہ اس ضلع کے بہت لوگ جو ضلع سے واقف ہیں جنگل میں چلے جائیں گے اور نئے سرے سے ایک جماعت ڈاکوؤں کی پیدا ہو جاوے گی۔ صرف ان دونوں حاکموں کی حسن تدبیر تھی کہ ان خرابیوں میں سے کوئی بھی ہونے نہ پائی اور جس قدر کہ آدمی جنگل میں چلے گئے تھے سب جنگل سے نکل کر اپنے اپنے مکانون میں آ گئے اور اپریل کا مہینہ گزرنے سے پہلے جنگل کی راہیں سب صاف ہو گئیں اور کوٹ دوار اور لال ڈھانگ کی منڈیوں میں بخوبی تجارت جاری ہو گئی۔ ایسا جلد ضلع کا انتظام ہونا ایک نادرات اور بہت بڑا اثر ان دونوں صاحبوں کی حسن تدبیر کا ہے۔ اب مناسب ہے کہ میں بھی اپنی کتاب کو ان دونوں با انصاف اور مدبر حاکموں کی دعائے ترقی عمر و دولت اور اقبال پر ختم کروں۔

دولت و فتح و ظفر اقبال و جاہ و منزلت

در تضاعف باد دایم ختم کردم بردعا

خاتمہ جو امر کہ دنیا میں پیش آوے آدمی کو لازم ہے کہ اس پر غور کرے اور اس کا مال اور نتیجہ سوچے اور اس سے ایک نصیحت

کی بات سمجھ لے۔ یہ ہنگامہ فساد جو پیش آیا صرف ہندوستانیوں کی ناشکری کا وبال تھا۔ اس زمانہ کے بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ سرکار دولت مدار انگریزی ہی کی عملداری میں پیدا ہوئے اور بہت سے ایسے ہیں کہ انہوں نے سرکار ہی کا عملداری میں ہوش سنبھالا ہے۔ غرضیکہ ہندوستانیوں نے آنکھ جو کھولی تو سرکار ہی کی عملداری کو دیکھا اور کوئی عملداری نہیں دیکھی۔ تاریخ دیکھنے کا اور کتابوں سے پچھلے حالات دریافت کر کے عبرت پکڑنے کا ہندوستان میں مطلق رواج نہیں رہا۔ اس سبب سے تم لوگ نہیں جانتے تھے کہ پچھلی عملداریوں میں کیا کیا ظلم اور کیا کیا زیادتیاں ہوتی آئی ہیں۔ کوئی شخص کیا امیر اور کیا غریب چین سے نہیں رہتا تھا۔ اگر تم پچھلی عملداریوں کے ظلم و زیادتیوں سے واقف ہوتے تو سرکار انگلشیہ کی عملداری کی قدر جانتے اور خدا کا شکر ادا کرتے۔ مگر تم نے کبھی خدا کا شکر ادا نہیں کیا اور ہمیشہ ناشکری کرتے رہے۔ اس لیے خدا نے اس ناشکری کا وبال تم ہندوستانیوں پر ڈالا اور چند روز سرکار دولت مدار انگلشیہ کی عملداری کو معطل کر کے پچھلی عملداریوں کا نمونہ دکھلایا۔ اے باشندگان ضلع بجنور! تم خیال کرو کہ اس ضلع میں تین حالتیں گذر گئیں۔ چند روز تعطل عملداری رہا کہ کسی کی عملداری کو زور و طاقت نہ تھی۔ اس زمانہ میں خیال کرو کہ باہم رعایا نے کس قدر اپنے ہم جنسوں پر ظلم و زیادتی کی۔ ہزاروں گھر لوٹ لیے اور بیسیوں گاؤں جلا دیے۔ سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ ہزاروں آدمی لٹ کر فقیر ہو گئے۔ کسی کا مقدور نہیں تھا کہ ایک گاؤں میں سے دوسرے گاؤں تک بے خطر راستہ چل سکے۔ پھر مسلمانوں نے اول اور آخر اس ضلع میں زور پکڑا اور جو بہت بڑے موروثی نواب کہلاتے تھے اور گویا انہی کے بزرگوں نے اس ضلع کو بسایا تھا انہوں نے عملداری کی۔ ان کی عملداری کا مزہ دیکھ لیا کہ کس قدر ہندو اس ضلع کے

تباہ و برباد اور قتل اور غارت ہوئے۔ بڑے بڑے رئیس اس ضلع کے تباہ و برباد ہو کر جلا وطن ہو گئے۔ بیسیوں ہندو بے گناہ پکڑے گئے اور مارے گئے اور مال اسباب گھر سب لٹ گئے۔ مسلمانوں کو جو اس وقت میں ان نوابوں کے ہاتھ سے نقصان نہیں پہنچا۔ یہ بات بھی ایک مصلحت کی تھی کہ وہ بد ذات جانتے تھے کہ کسی طرح مسلمان ہمارے برخلاف نہ ہو جائیں۔ اگر خدا نخواستہ ان کی حکومت کو ذرا بھی پائداری ہو جاتی تو تم مسلمان بھی دیکھ لیتے کہ انہی تمہارے ہم مذہب لوگوں سے تم پر کیا کیا زیادتیاں اور کیا کیا ظلم ہوتے۔ ان نوابوں کی عملداری کے درمیان میں چند روز ہندوؤں کا غلبہ اور زور ہو گیا اور چودھریوں نے اس ضلع میں ان دنوں حکومت کر لی۔ تم نے ہندوؤں کی حکومت کا مزہ چکھ لیا کہ ان کے ہاتھ سے مسلمانوں پر کیا گذرا اور کتنے گھر لٹے اور کتنے گاؤں مسلمانوں کے جلے اور جو رو بیٹی تک کی بے عزتی ہوئی تم سچ بتاؤ کہ سرکار انگلشیہ نے چون برس اس ضلع میں عملداری کی۔ کسی شخص ہندو مسلمان نے کسی قسم کی تکلیف اور ایذا پائی؟ پھر تم یہ خیال نہ کرو کہ ان ہی ایام غدر میں ان ہندوستانیوں کی حکومت نے یہ آفتیں تم پر ڈھائی تھیں۔ اگلے بڑے بڑے بادشاہوں کی عملداریوں کا حال تاریخ کی کتابوں سے دیکھو کہ ان منتظم عملداریوں میں کیا کیا ظلم اور کیا کیا آفتیں رعایا پر رہتی تھیں۔ یہ آرام جو سرکار دولت مدار انگلشیہ کی عملداری میں تھا اس کا لاکھواں حصہ بھی نصیب نہ تھا۔ دیکھو سرکار انگلشیہ کی عملداری میں ہندو مسلمان سب امن سے اور آسائش سے رہتے ہیں؟ کوئی زبردست، زبردست پر ظلم نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اپنے اپنے مذہب کے موافق خدا کی یاد اور پر میشر کی پرستش میں مصروف ہے۔ کوئی کسی سے معترض نہیں۔ ہندو اپنے مذہب کے موافق شیوالے بناتے ہیں اور پوجا

کرتے ہیں۔ مسلمان اپنے مذہب کے موافق مسجدیں بناتے ہیں اذانیں دیتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔ کوئی روکنے والا اور منع کرنے والا نہیں۔ سوداگر اپنے تجارت کے کام میں مشغول ہیں۔ لاکھوں روپیہ کا مال ایک بڈھے ضعیف گماشتہ کے ساتھ کر کر ہزاروں کوس بھیجتے ہیں اور نفع اٹھاتے ہیں۔ کسی ڈاکو ٹھگ کا اندیشہ نہیں رہا۔ رستہ کیسے صاف ہیں کہ رات کو عورتیں ہزاروں روپیہ کا زیور پہنے ہوئے گاڑی میں بیٹھ منزلوں چلی جاتی ہیں اور کچھ کھٹکے نہیں ہوتا۔ زمیندار کاشتکار اپنی کھیتی کے کام میں مشغول ہیں۔ جو روپیہ مال گزاری کا اُن سے ٹھہر گیا اُس سے زیادہ ایک جہ بھی کوئی نہیں لیتا۔ غرضکہ یہ انصاف اور یہ آسائش اور یہ آزادی اور یہ عدم مزاحمت ہر کسی کے حال اور قال اور مذہب اور ملت سے جیسا کہ ہماری سرکار انگلشیہ کے عہد میں ہے کسی کے عہد میں نہیں ہوا۔ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کا شکر ادا نہیں کیا۔ اُس کا وبال تم پر پڑا اور چند روز تغیر عملداری کر کے تم کو مزا چکھا دیا۔ حکمت الہی اس میں یہ تھی کہ اب تم ہماری سرکار انگلشیہ کی عملداری کی قدر جانو اور اُس کے سایہ حایت کو اپنے سر پر ظل ہا سے بہتر سمجھ کر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔

ہندوستان میں اکثر یہ طریق رہا ہے کہ جب کوئی زبردست کسی ملک پر قابض ہوا تو رعایا نے اُس کی اطاعت قبول کی اور سب لوگ اس کے ساتھی ہو گئے۔ جب وہ چلا گیا اور دوسرا آیا پھر اُسی کے مطیع ہوئے۔ سمجھو اس بات کو کہ یہ امر سرکار دولت مدار انگلشیہ کی عملداری کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔ اگلی ہندوستانی عملداریوں میں رعایا کو آزادی حاصل نہیں تھی۔ ہر طرح پر حاکم وقت کے ظلم و زیادتی اور بے جا حکومت میں دبے ہوئے رہتے تھے۔ تمام مال اسباب رعایا کا در حقیقت اُن ظالموں کا تھا کہ جس کا چاہتے تھے ضبط کر لیتے تھے اور جس سے

چاہتے تھے تقصیر بے تقصیر ڈانڈ لیتے تھے۔ ایسی عملداری کا کچھ حق رعایا پر نہیں ہوتا برخلاف ہماری سرکار انگلشیہ کی عملداری کے کہ اس میں عام رعایا کو آزادی حاصل ہے۔ ہر شخص اپنی چیز کا آپ مالک ہے اور وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ سرکار دولت مدار انگلشیہ جس طرح اپنا حق محفوظ رکھتی ہے اسی طرح حقوق رعایا کی بھی حفاظت کرتی ہے۔ اگر ایک ادنیٰ چار سرکار کی رعیت کا یہ جانتا ہے کہ ایک پیسہ بھی میرا سرکار نے ناحق لے لیا ہے تو اس کی نالاش خود سرکار پر کر کر اپنا انصاف پاسکتا ہے۔ گویا اس عملداری میں رعایا اور حکام سب شریک ہیں۔ اس قسم کی عملداری کا ایک حق رعایا پر ہوتا ہے جس کا ادا کرنا ہر ایک رعیت پر واجب ہے اور وہ حق یہ ہے کہ ایسی عملداری کی رعایا کو طرفداری اپنے گورنمنٹ کی واجب اور لازم ہوتی ہے اور نہ کرنے کی صورت میں مجرم اور قصور وار ہوتا ہے۔ پس اس نازک وقت میں سب ہندوستان کی رعایا کو واجب تھا کہ سرکار انگلشیہ کی طرف داری کرتی اور جو حق عملداری سرکار کا ان کے ذمہ تھا اس کو ادا کرتے اور طرفداری کے یہ معنی ہیں کہ جہاں تک ہو سکتا سرکار کی امداد و اعانت کرتے اور مخالفین سرکار کو مدد نہ دیتے اور یہ تمام رعایا ہندوستان کی ایک بہت اچھی کمک ہوتی جو ہر جگہ مخالفین سرکار کے دفعیہ کو مستعد رہتی تاکہ سرکار زیادہ تر رعایا کے حال پر متوجہ ہو کر ہندوستان کی رعایا کو اس سے بھی زیادہ آزادی اور عزت دیتی۔ جیسا کہ گورنمنٹ کی خوبی، رعیت پروری اور انصاف گستری ہے ایسا ہی رعایا کا ایمان اپنی گورنمنٹ کی طرفداری ہے۔ تم لوگ اس سے غافل رہے بلکہ اس کے برعکس کیا اور تمام اپنے ہم وطنوں کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔ اے کاش! اگر تم ایسا نہ کرتے تو یہ روز بد جو تم کو بسزائے تمہارے اعمال کے نصیب ہوا ہے کیوں ہوتا۔ اب بھی تم

کو چاہیے کہ حق گورنمنٹ ادا کرو اور جو روسیاهی تم کو گورنمنٹ سے حاصل ہوئی ہے اس کو آب زلال اطاعت اور فرمان برداری اور دلی طرفداری گورنمنٹ سے دھوؤ تاکہ نتیجہ نیک پاؤ۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش

ور نوشت است پند بر دیوار

اعلان واضح ہو کہ بعوض اس خیر خواہی کے کہ جو اس ہنگامہ میں ان تین ملازمان سرکار دولت مدار سے ظہور میں آئی سرکار دولت مدار نے بموجب رپورٹ جناب مسٹر الگزنڈر شکسپیئر صاحب بہادر دام اقبالہ مورخہ پانچویں جون سنہ ۱۸۵۸ء نمبر ۵۶ و تیسویں جون سنہ ۱۸۵۸ء نمبر ۵۵ اور رپورٹ جناب صاحب کمشنر بہادر روہیلکھنڈ دام اقبالہ مورخہ یکم جولائی سنہ ۱۸۵۸ء اور رپورٹ حکام عالی مقام صدر دیوانی عدالت مورخہ انیسویں جون سنہ ۱۸۵۸ء نمبر ۳۲ اور حکم گورنمنٹ مورخہ بارہویں جولائی سنہ ۱۸۵۸ء نمبر ۲۳۷۹ سید احمد خان صدر امین بجنور کو عہدہ صدر الصدوری مراد آباد پر مقرر فرمایا اور علاوہ اس کے دو سو روپیہ ماہواری پنشن حین حیات آن کے اور آن کے بڑے بیٹے کے مقرر فرمائے اور محمد رحمت خان ڈپٹی کلکٹر بجنور کو دیہات زمینداری متصل خورجہ ضلع بلند شہر میں جس کی جمع مالگذاری پانچ ہزار روپیہ سالانہ سے کم نہ ہو مرحمت ہونے تجویز فرمائے اور میر تراب علی تحصیلدار کو اوپر عہدہ فاخرہ ڈپٹی کلکٹری و ڈپٹی مجسٹری کے ممتاز فرمایا اور دیہات زمینداری ضلع آگرہ میں جس کی جمع مالگذاری ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ سے کم نہ ہو مرحمت ہونے تجویز فرمائے چنانچہ اس کی منظوری بموجب چٹھی صاحب سیکرٹری گورنمنٹ مورخہ انیسویں جولائی سنہ ۱۸۵۸ء نمبر ۲۷۰۳ آگئی۔ اب دیکھو ہماری قدردان گورنمنٹ کی قدردانی کو کہ جن لوگوں نے اس ہنگامہ میں اپنی خیر خواہی ظاہر کی کس قدر آن کی قدر و منزلت بڑھائی۔